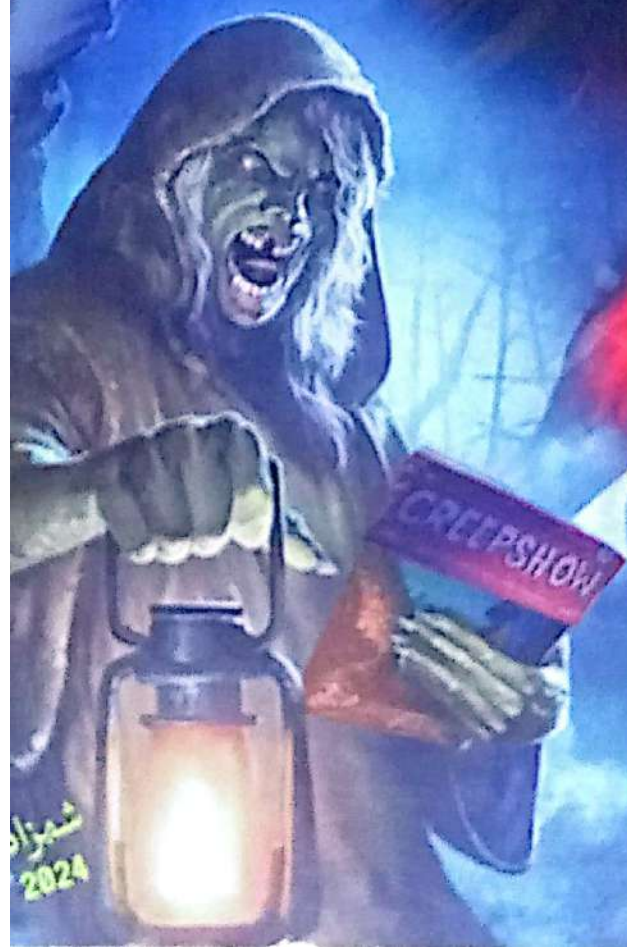


چونکاوے والی خوفناک کہانیوں کا انتخاب

دل مہینہ ڈائجسٹ کراچی

مارچ 2024

قیمت 180 روپے



شمارہ
2024

| | |
|--|--|
| <p>مظہر الحق</p> <p>دہشت</p> <p>108</p> <p>مظہر الحق بلوی کے قلم سے لکھی گئی ایک دہشت نامہ اور عجیب و پر اسرار داستان</p> | <p>نورین زہرہ</p> <p>بلیک ڈیوٹھ</p> <p>102</p> <p>دل و دماغ پر خوف و دہشت طاری کرتی اپنی اہمیت کی ایک انوکھی اچھوتی اور خطرناک کہانی</p> |
| <p>غلام زلادہ نعمان صابری</p> <p>زندہ لاش</p> <p>138</p> <p>دل و دماغ پر سخت طاری کرتی اور سطر سطر روئنے کے لئے کرتی دہشت نامہ کہانی</p> | <p>نگہت غفار</p> <p>پیاسی آنکھیں</p> <p>135</p> <p>ایک جن در پردہ دیدہ دلیری اور پھر جب وہ مکمل عام سامنے آیا تو لوگ قہر کر رہ گئے</p> |
| <p>ایس امتیاز احمد</p> <p>خونی بونے</p> <p>175</p> <p>ایک پروفسر کی ہولناک سرگزشت، جو آدم خور ہولوں کے قبیضے میں پھنس گیا تھا</p> | <p>عثمان غنی خان</p> <p>میرے ہمزاد</p> <p>142</p> <p>کیا آپ کا ہمزاد بھی آپ کی کوئی مدد کر سکتا ہے، ایسی کہانی جسے برسوں نہ بھلا سکیں گے</p> |
| <p>آصفہ سراج</p> <p>شیطانی عمل</p> <p>186</p> <p>سطر سطر دل و دماغ کو چھوڑتی ناقابل فراموش انجام کی ایک دلچسپ اور دل گرفتہ کہانی</p> | <p>بہرام علی وٹو</p> <p>آدم خور</p> <p>181</p> <p>اچھی کہانیوں کے تلاش لوگوں کیلئے دل پر اثر کرنے والی ایک زیروست اور حیرت انگیز روداد</p> |

خط و کتابت کا پتہ: ماہنامہ ڈراما جیسٹ نورانی آرکیڈ نیو روڈ بازار کراچی: 32744391

| | |
|--|--|
| <p>مریم قاسم</p> <p>جیب کترا</p> <p>22</p> <p>آئینہ اور ناہنگی پر ریزہ چھٹکتا اور خوف سے لرزتا مریم قاسم کے قلم سے لکھی گئی کہانی</p> | <p>کول یا سین</p> <p>ڈریکولا لڑکی</p> <p>35</p> <p>جسم میں گردش کرتے ہوئے لہو کو بخند اور دماغ پر لرزہ طاری کرتی غریب کہانی</p> |
| <p>خلیل جبار</p> <p>پراسرار روم میٹس</p> <p>39</p> <p>دست کے گندہ نوپ سے جس نے جسم لینے والی دہشت پر خوف کی چادر ڈالی لرزہ برآمد نام کہانی</p> | <p>رضوان علی سومرو</p> <p>کالی پر چھائیاں</p> <p>44</p> <p>ایک ایسے نوجوان کی داستان عبرت جو اپنے بدلے کے حصول کیلئے شیطان کا پکاریا بن گیا</p> |
| <p>شہزاد خان</p> <p>شیطانی مگر چھ</p> <p>75</p> <p>جسم و جان پر لرزہ طاری کرتی اپنی نوعیت کی شہزاد خان کے قلم سے لکھی گئی عجیب کہانی</p> | <p>امان اللہ نیر شوکت</p> <p>شمشان گھاٹ کی چڑیلیں</p> <p>80</p> <p>ایک درج کی دہشت نامہ اور ہمایاں تک روداد جس نے گاؤں والوں کو خوف زدہ کر دیا تھا</p> |
| <p>ناصر محمود فرہاد</p> <p>کوکلکس کلان</p> <p>89</p> <p>سوچ کے افق پر چھلکتی ایک ناقابل یقین عجیب و غریب دل و دماغ کو بہت کرتی کہانی</p> | <p>اقراء عرش</p> <p>منت</p> <p>94</p> <p>حرم دلاچ کی ایک عجیب و غریب دہشت پر نقش ہونے والی پرائز اور سبق آموز کہانی</p> |

ایڈیٹر و پبلشر آصف علی نے سٹی پریس ٹاپو روڈ کراچی سے چھپوا کر شائع کیا۔

خطوط

نور فاطمہ زاہد لاہور سے، السلام علیکم اؤر فیصلی کا اسلاف اور مہران اللہ کے فضل و کرم سے خیریت سے ہوں گے۔ شاہد صاحب کی وفات کا پڑھ کر دل آفسوس ہوا، جتنا ان کے متعلق سنا اور پڑھا اس کے مطابق وہ دلوں میں بسے والے ایک بہترین انسان تھے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند فرمائے اور ان سے ششک لوگوں کو میر جیل عطا فرمائے (آمین)۔ خطوط کی محفل میں نگہت آئی کا غلوں بھر خط پسند آیا۔ بے شک ڈر کے پلٹ فارم پر ہم سب ایک فیملی کی طرح ہیں جہاں سینئر کا احترام اور چھوٹوں سے شفقت کی جاتی ہے۔ سلامت رہیں اور اپنی دعاؤں سے ہمیں نوازی رہیں، صبا شاہ صاحب! آپ کو نکاح کی بہت مبارکباد، تقیہ خان صاحبہ کا تبرہ ہمیشہ کی طرح بہترین تھا۔ عثمان غنی خان صاحب یہ سال آپ کے لئے دھروں خوشیاں اور کامیابیاں لائے۔ ساگر بہت مبارک ہو، اویس خان صاحب! آپ کا تبرہ اچھا تھا۔ امان اللہ خیر شوکت صاحب! آپ کی کہانیوں کی طرح آپ کا تبرہ بھی اچھا ہوتا ہے۔ رضوان قیوم کی ”بدشگونی“ ایک عبرت کا اسٹوری تھی۔ پہلی نظر میں ایک سچے عامل نے اپنی ذہانت سے انجمنی ڈور کو بچھا دیا۔ راتیں شاید اس جن کو بھلائے پائے لیکن وہ اتنا ضرور جان گئی تھی کہ اس کا نکاح کسی انسان سے ہی ہو سکتا ہے یہی اہل حقیقت ہے جسے مان کر وہ اپنی زندگی کے سزاوارسان بنا سکتی ہے۔ ”سایہ“ میں خدائی کاموں میں مداخلت کی سزا دونوں لوگوں کے ساتھ گورن کو بھی ملی۔ عیار انشپور راز جانے کی سر تو کوشش میں پائل خانے جا پہنچا۔ اقراء عرش نے لکھنے والوں میں ایک اچھا اضافہ کیا۔ امان اللہ خیر شوکت کی ”پراسرار“ ایک دہشت ناک اسٹوری تھی۔ پونی مضبوط اعصاب کا مالک تھا۔ لیکن پراسرار حالات نے اسے بھی متاثر کرنا شروع کر دیا تھا، بروقت توجہ اور بہر علاج سے وہ زندگی کی طرف دوبارہ لوٹ آیا۔ باقی کہانیاں زیر مطالعہ ہیں، ابھی خوش ہیں اور اپنا

اور اپنوں کا بہت خیال رکھیں، انشا اللہ ماہ ملاقات ہوگی۔

☆ نور فاطمہ صاحبہ: معذرت، آپ کی کہانی ”سفاک محبت“ پروف نہیں ہو سکی اگلے ماہ شمارہ عید نمبر میں کہانی ضرور شائع ہو جائے گی۔ کہانیوں کی پسندیدگی کے لئے شکریہ، امید ہے آئندہ ماہ بھی خط لکھنا بھولیں گی نہیں۔ شکریہ۔

شہلا کرن، طاہرہ طلعت کراچی سے، جناب ایڈیٹر صاحب السلام علیکم! فروری 2024ء کا شمارہ امان اللہ خیر شوکت صاحب کی وساطت سے لیٹ موصول ہوا، اس لئے جلدی تبرہ کر کے ارسال کر رہے ہیں۔ خطوط میں شامل اشاعت کر کے ممنون فرمائیں۔ آپ کی بڑی نوازش ہوگی۔ حسب معمول نائل زبردست تھا۔ عاشق جن میں بلا خربان سے شریح جن سے زویہ کو کلام الہی کی حرکت سے آزاد کر دیا۔ بہت دلچسپ کہانی لکھی آپ نے، آصفہ سراج شہزاد خان کی تحریر لا جواب ہوتی ہے۔ وہ ایک منجھے ہوئے لکھاری ہیں، اللہ کرے زور قلم اور زیادہ ”حق چہرہ“ کہانی بہت ڈراؤنی اور خوفناک تھی۔ اچھا آئیڈیا تھا۔ ایس امتیاز احمد کی ترجمہ شدہ کہانی ”ادب کا فیصلہ“ بھی لا جواب تھی۔ ان کا نام خود ایک سند بن چکا ہے۔ رضوان قیوم کی کہانی ”بدشگونی“ اگر کچھ تواتر عجیب واقعہ شاید ہی کبھی پڑھا ہوگا، بہترین تحریر تھی۔ ظلیل جبار کی کہانی ”قبر کی پراسرار آگ“ پر کیا تبرہ کریں۔ ہر کہانی ان کی بے مثال ہوتی ہے۔ ”بھیا بک راز“ مریم فاطمہ انگریزی کہانیوں کی طرز کی تحریر تھی۔ بہت پسند آئی۔ ”سما ہوا تھ“ بہت خوفناک اور سبق آموز کہانی تھی۔ جیری نے کئے ہوئے ہاتھ کا غلط استعمال کیا اور خود بھی جان سے گیا۔ ماحمود فرہادی کی تحریر اچھی تھی۔ نورین زہرہ نے اپنی خوفناک کہانی بابا کرامت نے معاف کرنے کا ہمیں درس دیا ہے۔ بے شک معاف کرنے سے گناہیں دور ہوتی ہیں۔ ایک ہی شب بھی انگریزی ماؤز کی زبردست کہانی تھی۔ حدود دہشت ناک تحریر تھی۔ ”پہلی نظر“ ام حبیبہ کی داستان تھی بے شک محبت پر جو بھی لکھا جائے سنا کر تڑپا سے ہلکے اس میں غلوں اور چٹائی ہو۔ ام حبیبہ آپ کو ہم مبارکباد پیش کرتی ہیں۔ بہت ہی منفرد موضوع پر تھی۔ نفسیاتی امراض انسان کو کہیں کا نہیں چھوڑتے ان سے متعلق شعور بھی ہمارے معاشرے میں بہت کم ہے۔ انشپور ایک کیس کو بوجھاتے ہوئے نفسیاتی مریض بن گیا تھا۔ کیوں کہ کیس پیچیدہ نوعیت کا تھا۔ کاسر ”امان اللہ خیر شوکت“ کی شاہکار کہانی تھی۔ بلا خرد اسٹوری باتوں پر عمل کرنے سے بھیا بک سے نجات مل گئی۔ وہ تو ایک آسیب میں پھنسا ہوا تھا۔ امان اللہ خیر شوکت صاحب ہر موضوع پر لکھ لیتے ہیں۔ اور ہر ایک سے داد وصول کر رہے ہیں ان کے قلم کا کوئی جواب ہے نہ مثال۔ ”دوسرا رخ“ کہانی فوریہ ناہید کی بھی بہترین

تھی۔ لالچ اور ہوس انسان کو کہیں کا نہیں رہنے دیتی۔ ایک شخص نے اپنا مستقبل تباہ کر لیا۔ ”ڈر“ بہت خوفناک اور انوکھی کہانی تھی۔ نام بھی ڈر ڈائجسٹ کے مین مطابق تھا۔ ”سمرانہ آنکھیں“ قیصر جمیل پروانہ اس کی آنکھوں میں قاتلانہ جادو اور اثر تھا ایک عجیب اور باکمال کہانی تھی۔ سکندر حبیب نے ڈر میں خوفناک ماحول پیدا کر دیا ہے۔ ”سفید گلاب“ بہت انوکھی کہانی تھی۔ شینا کا انجام بہت بھاریک ہوا ہے۔ ویسے ہمارے خیال میں انجام کچھ اور ہونا چاہیے تھا کہانی نے بہت دہشت طاری کر دی۔ شادریس کے قلم میں روانی اور چٹکتی ہے۔ قسط دار کہانیاں بھی لا جواب ہیں۔ مگر پڑھنے کے لئے وقت نکالنا مشکل ہوتا ہے کیا کریں زندگی کی مصروفیات اور بیماریاں وقت کی اجازت ہی بہت مشکل سے دیتی ہیں۔ پھر بھی ڈائجسٹ سے ہماری محبتیں برقرار ہیں۔ ہماری شاعری شامل کرنے کا شکریہ۔ شاعری سب معیاری ہوتی ہے۔ شاعری تو دل کی دھڑکن کی طرح ہے اس کو زیادہ سے زیادہ اہمیت دیا کریں۔ قارئین بھی شعرائے کرام کی حوصلہ افزائی کیا کریں۔ دل خوش ہوتا ہے اللہ کرے ڈر ڈائجسٹ ہمیشہ ترقی پر کندیں ڈالتا رہے۔ آمین ثم آمین۔

☆ شہلا طاہرہ صاحبہ: دل کی گہرائی سے لکھا گیا غلوں نامہ موصول ہوا پڑھا کہ بے حد خوش ہوئی کہ آپ ڈر ڈائجسٹ سے بے حد محبت کرتی ہیں۔ کہانیوں کی پسندیدگی کے لئے شکریہ۔ امید ہے آئندہ ماہ بھی آپ خط ضرور لکھیں گی۔ Thanks۔

بنت حوا ایس ملتان سے، السلام علیکم درجۃ اللہ و رکات! امید ہے کہ ڈر ڈائجسٹ کا اسلاف، تمام لکھنے اور پڑھنے والے صحت اور ایمان کی بہترین حالت میں ہوں گے۔ فردری کا ڈر ہاتھ میں ہے۔ خوبصورت حسینا ہے تحفے نقوش کے ساتھ مردن کھار رہی ہیں۔ فہرست نہایت پرکشش ہے۔ کچھ نئے نام شامل اشاعت ہیں، ان سب کو ڈر میں دیکھ! قرآن کی باتیں دلوں کا میل دھونے کو کافی مدد دیتی ہیں۔ خطوط کی محفل میں آئے تو بھوکا سا لگا۔ ایڈیٹر صاحب نے شاہد علی صاحب کی وفات کی خبر سنا کہ ہمیں سو گوار کر دیا۔ بھدا فوس ہوا، یقیناً وہ ایک قابل انسان تھے جن کی تمام عمر محسوس کی جائے گی۔ میری تحریر ”ڈر ڈائجسٹ“ میں ایک غلیل شخص کا کردار لکھتے ہوئے میرے ذہن میں شاہد علی صاحب تھے، سین کے اختتام سے قبل میں نے انہیں باہر بھیج دیا تھا مگر مجھے یہ معلوم تھا کہ وہ اس منظر سے نہیں بلکہ اس دنیا سے رخصت ہو رہے ہیں، اگر معلوم ہوتا تو ضرور بالضرور کچھ دیر انہیں روک کر باتیں کر لیتیں۔ خیر! اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند کرے اور ان کے گھر والوں کو میر جیل عطا فرمائے آمین! اس بار میں صرف تبرے ہی پڑھ سکی، نہ کوئی تحریر لکھی اور نہ پڑھی اس کے لیے معذرت! ان شاء اللہ اگلے ماہ کوئی افسانہ لکھ کر بھجوں گی۔ ایڈیٹر صاحب شکایت کرتے ہیں کہ میرا کوئی رابطہ نہیں ہے جب کہ میں ہر تحریر کے آخر میں نام، پتہ اور فون نمبر لکھ دیتی ہوں۔ بوقت ضرورت آپ مجھ سے اس نمبر پر رابطہ کر سکتے ہیں۔ نگہت آئی آپ یونی محفل میں حاضر ہوتی رہیں۔ حشر حسین آپ بھی ہر ماہ خط لکھا کریں۔ آصفہ سراج، شہلا کرن، طاہرہ طلعت اور تقیہ خان آپ سب کا بہت شکریہ کہ میری تحریر آپ کو پسند آئی۔ صبا شاہ آپ کو نکاح بہت مبارک ہو، ہمیشہ خوش رہو پیاری! اپنی تحریر پر آپ کا تبرہ اچھا لگا اور میں نے انسانی گوشت کبھی نہیں کھایا کیونکہ میں حلال چیزیں کھاتی ہوں، اگر آپ مجھ سے ملنا چاہتی ہیں تو ملان میرے گھر آ سکتی ہیں اور رابطہ نمبر ڈر کے ایڈیٹر صاحب سے لے لیں۔ شرف الدین، شہزاد خان، اویس بھیا، عامر مشتاق اور عثمان صاحب نے بھی اچھی رائے دی۔ عاقب نواز تبرہ نہیں لکھتے اور اب تو ان کا کہنا ہے کہ وہ ڈر سے تمام رشتے ختم کر رہے ہیں، نجانے کیا بات ہوئی۔ بہر حال میں تو ان سے یہی کہوں گی پیارے بھوٹے بھائی! تمام باتیں بھول کر بس اپنے قلم سے پیار کرو اور اس کا حق ادا کرو۔ ابھی تو شروعات ہے اور آپ نے بہت آگے جانا ہے۔ اس لیے ڈر سے اعلیٰ چھوڑ دو اور تمام گلے شکوے دور کر کے ادارے سے رشتہ بحال کرلو۔ امان اللہ خیر صاحب آپ کے خط سے اندازہ ہوتا ہے کہ ڈر سے والہانہ محبت کرتے ہیں۔ اچھے لکھاری ہونے کے ساتھ ساتھ بہترین قاری بھی ہیں۔ عموماً بہت کم رائٹرز میں یہ دونوں خصوصیات ایک ساتھ پائی جاتی ہیں۔ میری تحریر پسند کرنے کا شکریہ! میں تو ابھی طفل کتب ہوں، کتنی کی چند ایک تحاریر لکھی ہیں۔ آنے والے وقت میں مزید بہتر لکھنا چاہتی ہوں۔ ان شاء اللہ! اگلے ماہ پھر سے حاضر ہوں گی اور اگلی پچھلی تمام تحاریر پر تبرہ کروں گی۔ ابھی میرے ایگزامز ہیں) سمسٹر سسٹم میں ہر دو ماہ بعد پیپرز ہوتے ہیں (لہذا مجھے کوس کی کتابوں کو پڑھنا ہے۔ میری کامیابی کے لیے دعا کیجیے۔ ڈر اور اس سے جڑے تمام لوگوں کے لیے دعا گو ہوں۔ خوش رہیں، خوشیاں بانٹیں، اللہ نبھان!

☆ بنت حوا صاحبہ: آپ کا غلوں نامہ ملا پڑھا کہ بے حد خوش ہوئی، اللہ عزوجل آپ کو امتحانوں میں کامیابی و کامرانی عطا فرمائے۔ اپنی نئی کہانی جلد از جلد بھیج دیں۔ ڈر ڈائجسٹ رائٹر کی اجازت کے بغیر کسی کا بھی ایڈریس یا موبائل نمبر کسی قاری یا دوسرے

راہزن کو نہیں دیتا۔ جب کوئی غیر ملکی کسی کو راز سے پوچھ کر ہی دیا جاتا ہے۔ کہانیوں کی پسندیدگی کے لئے شکر یہ امید ہے آئندہ ہادی آپ کو لکھتے ہوگیں گی کہیں۔ شکر یہ۔

پستول فاضلہ گرامی سے، السلام علیکم افروزی کا ڈراما بجست ڈاکہ گھر پر دے کر کیا یہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی کہ میری بہن کی کہانی بھی رسالے میں موجود ہے، لیکن پھر آگے غلطی کی محفل میں دیکھا تو بہت صدمہ پہنچا۔ ڈر کے ایڈیٹر شاہد علی صاحب اب اس دنیا میں نہیں رہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور ان کے تمام رشتہ داروں اور دوست احباب پر اپنا رحم فرمائے۔ شاہد علی صاحب واقعی ایک ایسی شخصیت ہیں جنہیں کسی بھی بھلا یا نہیں جاسکتا۔ وہ ایک اچھے ایل بی بی نہیں ایک بہت ہی اچھے اور ایک انسان بھی تھے۔ انہوں نے بڑا لبا عرصہ ڈراما بجست کی ترقی کے لئے کوششوں میں گزارا۔ شاہد صاحب نے میری تحریروں کو ڈراموں جگہ دے کر میری بعد حوصلہ افزائی کی۔ میری طبیعت کو تحریک نہیں تھی۔ مجھے آنکھیں کھولنے میں بہت دقت کا سامنا کرنا پڑتا تھا اور اسی حالت میں میں نے کہانیاں لکھیں اور ڈراموں میں ارسال کرویں۔ کہانیاں بھیچے چند ماہ ہی ہوئے تھے کہ میری بہن نے میرے علم میں لائے بغیر شاہد علی صاحب کو خط لکھ کر میری طبیعت کو خرابی کا بتایا۔ اور کہا کہ وہ میری بہن بتول فاطمہ کی کوئی کہانی ڈراموں میں جلد ہی لکھ دیں۔ تاکہ وہ خوش ہو جائے۔ بس جیسے ہی انہیں میری طبیعت کا پتہ چلا تو انہوں نے اگلے ماہ ہی میری کہانی ڈراموں میں شائع کر دی۔ میری بہن نے یہ بات میری کہانی شائع ہونے کے بعد مجھے بتائی۔ شاہد علی صاحب نے صرف مجھے ہی نہیں مجھ جیسے پتہ نہیں کتنے نئے لکھنے والوں کو موقع دیا اور ان کی تحریروں کو ڈراموں میں جگہ دی۔ میں چاہنے کا لیے کام کریں کہ لوگ ہمیں ہمیشہ اچھے الفاظ میں یاد کریں۔

اب مجھے اجازت دیجئے۔ اللہ حافظ۔
بہن بتول صاحبہ: بے شک اس میں کوئی شک نہیں کہ شاہد صاحب علی بے حد اچھے اخلاق کے مالک تھے۔ اللہ انہیں جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے آمین۔ آئندہ ہادی آپ کے خط کا انتظار رہے گا۔

بلقیس خان پشاور سے، السلام علیکم۔ اناہ فروری کا شمارہ اس بار بہت زیادہ لیٹ ملا۔ اس کی وجہ ملک بھر میں الیکشن ہورہے تھے۔ سب سے پہلے ادارے کو اور اپنے تمام حکام کارساقیوں کو یہی بتانا چاہتی ہوں جب رسالہ ہاتھ میں ہاتھ آیا۔ فہرست دیکھ لی، پھر قرآن کی باتیں پڑھیں، جو بہت بہترین سلسلہ ہے۔ پھر محفل میں آگئی۔ وہاں بہت افسوسناک خبر ہماری آنکھوں کو نم کر گئی۔ اللہ۔ اللہ۔ شاہد علی صاحب کو کوٹ کوٹ جنت نصیب فرمائے۔ ہم ادارے کے ساتھ اس بیماری میں غم میں برابر شریک ہیں۔ اللہ ان کی جلیبی کو صبر عطا فرمائے۔ ہر جاندار نے موت کا ڈانٹ بھٹکانے۔ اللہ شاہد علی صاحب کو افروزی زندگی عطا فرمائے۔ آمین اور انہوں نے جو محبتیں یہاں بانی ہیں۔ ان کو بھی ادارہ یومی قائم و دائم رکھے۔ آمین۔ اب آگے آتے ہیں۔ بنت حوالہ میں صاحب محفل کی ممدارت سنیاتی نظر آئیں، ادارے نے بنت حوالہ میں صاحب کو اعزاز بخشا تھا۔ بنت حوالہ میں صاحب جی کا خط بہت اچھا لگا۔ آپ نے بہت دل سے مطالعہ کیا تھا۔ وزارت محبت غفار صاحب نے سنیاتی تھی۔ آئی تھی بے حد محبت سے تحریر کیا گیا خط بہت اچھا لگا۔ سلامت رہیں۔ آپ اسی طرح سے پیار دیتی رہا کریں۔ پیاری تحریریں حسین کا محبت نامہ آگیا، اسی طرح اپنے چاہت اور محبت بھرے نامے ادارے کو بھیج کر ڈر کے چاہنے والوں میں محبت کو پھیلانی جاتی ہے، اللہ آپ کے مرحوم والد صاحب کو افروزی دائمی زندگی عطا فرمائے۔ آمین، صبا شاہ اس کے علاوہ نئی زندگی کا شوق غازی سحر اللہ آپ کے لیے بہت مبارک ثابت کرے۔ آپ ہماری محفل سے دور جاری ہیں۔ یہ جان کر ہمیں دکھ ہورہا ہے۔ پر یقین ہے کہ کبھی کبھار ملاقات ضرور ہوتی رہے گی۔ خوش آباد شمارہ ہیں۔ غلطی بوجہ اللہ آپ کی زندگی خوشیوں سے بھر دے۔ آمین، آپ اس ماہ ڈراما بجست میں بہت چھوٹے سے خط کے ساتھ حاضر محفل تھیں۔ پیاری کول یا سین صاحبہ آپ اس ماہ غیر حاضر تھیں، آپ نے اگلے ماہ ضرور شرکت کرنی ہے۔ آمین۔ آصف مزاج شامل محفل ہیں۔ آپ نے بہت دل سے خط لکھا ہے۔ آپ کا محبت نامہ پڑھ کر گویا سیروں خون بڑھا دیتا ہے۔ شہلا کرن اور طلعت اگلے ماہ پھر سے تھرے کے ساتھ حاضر محفل ہونا ہے۔ شرف الدین جیلانی صاحب کافی لمبے عرصے کے بعد نظر آئے بہت اچھے بھئی، بہت اچھا تبصرہ لکھا ہے۔ ماشاء اللہ کافی بہترین تبصرہ لکھا ہے۔ آئندہ ہادی آپ کے تبصرے کا انتظار رہے گا۔ اسی طرح سے سال کے سارے شماروں پر تبصرہ کر کے آپ نے ہمیں بھی یاد رکھا ہے۔ ویسے شرف الدین جیلانی صاحب آپ تجربے کا انسان ہیں۔ جس بات کا کوئی مقصد نہ ہو۔ ان کو چھوڑ دینا چاہیے۔ غامض شائق آپ بھی بہترین تبصرہ لکھتے ہیں۔ ساتھ میں آپ کو یہ بات یقینی بتاتی چلوں۔ کچھ لوگوں کے رویے کی وجہ سے ہم ان

کا کام، نام سے دیکھ کر ان کو گمنام کر کے آگے بڑھ جاتے ہیں۔ کچھ لوگ اس کا بل بوتے ہی نہیں ہیں۔ ان کو کوئی بات کہی جائے۔ سو آئندہ میرے لیے کسی ایسے فنون لوگوں سے اسٹینڈ لیک کی ہر ضرورت نہیں، جو سطر کی خوش فہمیوں کا فکار ہوں۔ میں نے کافی لمبے عرصے سے ایسے لوگوں کے خطوط تک نہیں پڑھے۔ تو مجھے کچھ پتہ نہیں، کوئی امیرہ ہمارے بارے میں کیا کہتا ہے۔ آئی ڈونٹ کئیر۔ ایس اتنا زامہ بھائی نے بھی بہت اچھے انداز میں ہکا ساتھ لکھا ہے۔ ایس اتنا زامہ بھائی دوسروں کی کہانیوں پر تنقید و تریف کرنی چاہیے۔ یہ ابھی بات ہے۔ اب ایس خان صاحب نے بہت حریفانہ انداز میں لکھا ہے۔ اسی طرح سے محفل کا حصہ بن رہا ہے۔ آپ سے بھی میں وہی صحبت کرتا چاہوں گی، بھائی آپ ابھی نئے ہو۔ دنیا میں ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ آپ کچھ لوگوں کو ان کی جھولی شان میں جینے دیں۔ یہاں سمجھانے کا کوئی فائدہ نہیں ہے کیونکہ اگلی باری آپ کی ہے اور آپ کو پچھلے سے پتہ ہے۔ اللہ جانتا ہے۔ ہم کسی پر بھلا وجہ فنون تنقید کوئی نہیں کرتے ہیں اور کسی کی ذات پر حملہ کرتے ہیں، یہ ایک ناپاک عمل ہے۔ یہاں کام چیش کیا جاتا ہے۔ ہمارا کام پرتبرہ کرنا ہے۔ وہ اچھا رہا ہے۔ یہ کام تبصرہ نگاری بہتر کرتا ہے۔ ایک ہندو کا چیش کرتا ہے تو وہ واقعی طور پر اس کی تریف و تنقید کے لیے خود کو تیار رکھے، میں یہ بات کہنا چاہوں گی۔ اگر آپ اپنے لیے لکھتے ہیں نہیں، جب آپ اپنے لیے نہیں لکھتے ہیں، تو دوسروں کے لیے لکھتے ہیں۔ دوسرے پڑھ کر فیصلہ کرتے ہیں۔ آپ کے کام میں کیا خامیاں اور کیا خوبیاں ہیں؟ وہ بات اور، اگر آپ اتنے خوش فہم ہوں، آپ کو اپنا ہی کام حرف آ کر لگتا ہو۔ تو آپ انھوں کی دنیا میں رہتے ہیں۔ نیکست عثمان غنی خان، بھی اچھے خط کے ساتھ حاضر خدمت تھے۔ بہت بہترین تبصرے کے ساتھ آپ حاضر خدمت تھے، آپ نے سب کہانیوں کے بارے میں اپنی قیمتی رائے دی۔ آپ کا خط اچھا لگا اور بہترین لگا۔ آپ بھی اس ماہ کافی لمبے خط کے ساتھ آئے تھے۔ اسی طرح بڑے تبصرے کے ساتھ حاضر ہو جاتا ہے۔ ناصر محمود فرہاد صاحب ہمیں بھی شاہد علی صاحب کے جانے کا اتنا ہی غم ہے۔ ہمیں ان کے ایصال و ثواب کے لیے دل کر دعائیں کرنی چاہیے۔ اللہ ان کی افروزی زندگی ملے و گزرا کرے۔ آمین۔ سب سے بڑا اور سب سے ہماری تبصرہ، امان اللہ خیر شوکت کا تھا۔ جو کافی اچھا اور جامع تھا۔ اب کہانیوں کی طرف بڑھتے ہیں۔ اس ماہ کی کہانیوں پر رائے دینی چاہیے، سب سے پہلے میں نے کافی پرچھائیاں، قسط نمبر 4 پر بھی، رضوان علی سومر صاحب، کا یہ ناول کافی تیز رفتاری سے چل رہا ہے۔ ناول میں شیطان کی بار، بار آمد بہت بہترین تھا۔ اس نے آخر کار زیر کوور غلام کرنا غلام بنالیا۔ مجھے پانچویں قسط کا شدت سے انتظار رہے گا۔ یہ نہیں اب زیر کب واپس جا کر بانو اور عیسری کی زندگی اجیرن کر کے رکھ دیتا ہے۔ ویلڈن۔ دوسرا رخ فوزیہ کا یہ ناول بھی بہترین لگی۔ محراب آکھیں قیصر جیل کی لکھی اس عاشقی مزاج کہانی کا چنانچہ الگ مزہ رہا۔ خبر پری اور پرے نے آخر کار عاشق مزاج صاحب کو کھانے لگائی دیا۔ سفید گلاب، نثار الدین بہت اچھے انداز میں تحریر لکھی تھی۔ ایک بار پھر سے آخر کار شیطان کی جیت نظر آئی۔ ڈر، سکندر حبیب کی تحریر کافی اچھی لگی۔ عقی چہرہ، پیاری کول یا سین صاحبہ کی پڑھتے رہے اور کہانی آپ کی بہت اچھی لگی۔ اس ماہ میں خط کیوں نہیں لکھا؟ آخری شب، عاقب نواز اچھے انداز میں تحریریں لارہے ہیں۔ آپ کو آگے بھی لکھنا چاہیے۔ اوپر کا فیصلہ۔ ایس اتنا زامہ ہمیشہ کی طرح بہترین کام کرتے ہیں۔ آپ تو آتے ہی اچھا جاتے ہیں۔ کٹا ہوا ہاتھ، ناصر محمود فرہاد ایک اور معیاری تحریر آپ کی آئی ہے۔ جو بہت زبردست لگی۔ بدشگونی، رضوان قیوم صاحب بہترین کہانی تھی۔ اس بار آپ ہمیں بنگلہ دیشی آب جینی سنا گئے۔ ویلڈن۔ بھیا تک راز مریم فاطمہ کی کہانی نے خوب تجسس میں مبتلا کر رکھا تھا، آپ نے معیاری تحریر لکھی ہے۔ ویلڈن۔ پراسرار امرامان اللہ شوکت صاحب کی تحریر اچھی لگی۔ قبری آگ خلیل جبار، آپ کی تحریر جو اس ماہ آئی۔ بہت اچھی اور سبق آموز تھی۔ آپ کی کہانیوں کی بہت ٹھیک طریقے سے لکھی ہوتی ہے۔ عثمان غنی خان کی آخری صفحات پر لگی میرے ہمزاد قسط نمبر گیارہ اچھی رہی، عثمان غنی خان ناول کافی اچھے انداز میں آگے بڑھ رہا ہے۔ نازہ جی نے اس ماہ اپنے ہمزاد کے ساتھ کافی دل کی باتیں کر لی ہیں۔ میسان اور مہکاش کو بھی اب ٹھکانے لگائی دیں۔ آف ف لیبیا کیا بلا ہے؟ اپنے ساتھ ساتھ شہر یز کے پیچھے پڑ گئی ہے۔ بڑی اماں کی باتیں تو دل سے ماننے والی ہیں۔ ایریا کا کردار اب کافی زبردست ہو گیا ہے۔ ویسے مجھے آپ کے ناول میں کسی بھی طور پر مہکاش بہر و ن نہیں لگتی ہے اور نازہ ہی اصل ہیروئن ہے۔ سایہ اقرام ش کا اچھا لگا۔ بابا کر امت، نورین زاہرہ آپ کو لکھنے پر کمال حاصل ہے۔ آپ کی تحریریں گویا بہترین ہوتی ہے۔ آصف سران، عاشق جن نے بھی اس ماہ بہترین کام دیا۔ ویسے عاشقی ہوتی ہی خطرناک شے ہے۔ ایک انسان کی خاطر جن بھی دل کے ہاتھوں مجبور ہوتا ہے۔ پہلی نظر، ام حبیبہ جی نے بھی بہت پیاری اور سراہنے والی تحریر لکھی ہے۔ وحشت مظہر الحق علوی سر کی کہانی کا قسط

نمبر 2 کافی اچھی لگی۔ جن میں کافی مشکل باتیں اور مشکل حالات دیکھنے کو مل رہے ہیں۔ افریقہ ایک تو ہم پرست ملک ہے اور وہاں انتہائی جذباتی لوگ پائے جاتے ہیں۔ اگلی قسط کا انتظار رہے گا۔

☆ ☆ بقیہ صلیب: بے شک ہر ذی روح (جاندار) کو موت کا حزمہ پکھنا ہے۔ شاید صاحب ایک ملنسار انسان تھے۔ اللہ ان کی مغفرت فرمائے۔ اور ان کے لواحقین کو سب کچھ کی توفیق عطا فرمائے۔ کہانیوں کی پسندیدگی کے لئے شکریہ، امید ہے آئندہ ماہ بھی خط لکھنا بھولیں گی نہیں۔ شکریہ۔

مریم فاطمہ کراچی سے محترم جناب ایڈیٹر صاحب السلام علیکم افروزی 2024ء کا ذریعہ یاد رکھنا موصول ہوا۔ مرحوم شہید علی صاحب کے انتقال کا پڑھ کر میری آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ ہاتھ کاٹنے لگے۔ مجھے ان کے انتقال کا بڑا افسوس ہے۔ اور میرے دل سے یہ آنسو کبھی نہیں جاسکے گا۔ میں ان کی مقروض ہوں۔ انہوں نے مجھے ڈر میں موقع دیا۔ میری رہنمائی کی۔ اصلاح کی۔ میری دعا ہے کہ خدا پاک ان کے لواحقین کو سب کچھ عطا فرمائے اور شہید صاحب کی مغفرت فرمائے اور انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے۔ آمین ثم آمین! میرے والد صاحب میری کتابیں وغیرہ چھپوانے کے سلسلے میں ڈر کے دفتر گئے تھے تو انہوں نے بتایا کہ شہید صاحب بہت ہی اچھے انسان ہیں اور جب بھی ان کا ذکر ہوتا تو والد صاحب ہمیشہ یہی کہتے تھے کہ شہید صاحب بہت ہی اچھے اور ملنسار آدمی ہیں اور انہوں نے یہ بھی بتایا کہ شہید صاحب نہایت محنت کرتے ہیں۔ اتنی دھیر ساری کہانیاں اصلاح کے لئے رکھی ہوئی تھیں وہ اتنی ساری کہانیوں کی اصلاح کرتے ہیں اور نہایت سادہ انسان ہیں واقعی میں شہید صاحب کو کبھی نہیں بھلایا جاسکتا۔ شہید صاحب ہمیشہ سب کے دل میں زندہ رہیں گے۔ میں ہمیشہ اپنے شفیق ایڈیٹر شہید علی صاحب کو دعاؤں میں یاد رکھوں گی۔ عمران صاحب اپنی نئی کہانی ”جیب کترا“ ارسال کر رہی ہوں۔ امید ہے کہ آپ کو پسند آئے گی اور ڈر میں شائع کر کے شکریہ کا موعن دیں گے۔ ”پاکل خانہ“ اور ”بجائیک راز“ شائع کرنے کے لئے شکریہ۔ جناب میں نے 2022ء میں ”چھوٹی شہزادی“ کے نام سے کہانی بھیجی تھی۔ کیا وہ آپ کے پاس ہے؟ پلیر اپنے پاس چیک کر کے بتا دیجئے۔ اب اجازت چاہوں گی۔

☆ ☆ مریم صلیب: دل کی گہرائیوں سے لکھا گیا خلوص نامہ موصول ہوا، شہید صاحب کے بارے میں آپ کے جذبات پڑھ کر بے شک وہ بہت اچھے انسان تھے اللہ مرحوم کی مغفرت فرمائے، آپ کی کہانی ”جیب کترا“ موصول ہوگئی ہے۔ انشاء اللہ جلد از جلد شائع اشاعت ہوگی۔ کہانی کے بارے میں آپ ہمارے پی ٹی وی ای میل پر بات کر سکتی ہیں۔ کیونکہ اتنی تفصیل خط میں لکھی نہیں جاسکتی نہ پوچھی جاسکتی ہے۔ امید ہے آئندہ ماہ بھی خط لکھنا بھولیں گی نہیں۔ اور ہاں نئی کہانی بھی جلد از جلد بھیجا دیجئے گا۔ شکریہ۔

ہارہ فرحان لاہور سے، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ خیریت کے بعد عافیت کی طالب محترم ایڈیٹر صاحب بہت دنوں کے بعد خط میں شرکت کر رہی ہوں امید ہے کہ حوصلہ افزائی کریں گے اور شاید کافی عرصے کے بعد میں خط لکھ رہی ہوں غزل تو پھر بھی لکھ رہی تھی لیکن خط جو ہے وہ میں بہت عرصے بعد لکھ رہی ہوں مجھے ایڈیٹر شہید صاحب کی وفات کا سن کر بہت افسوس ہوا ان کے ساتھ ہمارے بہت اچھے تعلقات رہے ہیں ان کی بیماری کا سنا تھا پہلے اور میری ان سے بات بھی ہوئی تھی بہت دعائیں کی تھیں ان کے لیے کہ اللہ ان کو صحت تندرستی والی لمبی زندگی عطا کرے لیکن اللہ نے ان کی زندگی ہی اتنی لکھی تھی مجھے ان کی وفات کا بہت افسوس ہے اللہ ان کے درجات بلند کرے اور ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ان کے گھر والوں کو سب کچھ عطا فرمائے آمین ثم آمین شہید صاحب کے ساتھ بہت اچھا وقت گزارا ہے ہمارا بہت عرصے میں تقریباً شادی سے پہلے سے ڈر ڈائجسٹ میں لکھتی رہی ہوں پہلے میں کہانیاں بھی لکھتی تھی غزل بھی لکھتی تھی اور خط میں بھی ریگولر تھا لیکن اب لائف بہت نف ہو چکا ہے اس لیے فی الحال میں صرف غزلیں لکھ رہی ہوں اور امید ہے انشاء اللہ میں ضرور ضرور کوشش کروں گی کہ میں کہانیاں بھی دوبارہ سے لکھنا شروع کر دوں اور امید ہے کہ آپ لوگ میری حوصلہ افزائی کریں گے اور میری بات ڈائجسٹ پڑھنے کی توجہ میں ریگولر پڑھتی ہوں اور اس میں لکھنے والے بہت ہی اچھا لکھ رہے ہیں اور بہت زیادہ تعداد میں بڑھ گئی ہے لکھنے والوں کی اللہ زیادہ سے زیادہ سب کو ترقی دے اور اللہ سب کو اپنی حفاظت میں رکھے اور مجھے سب لوگ اپنی دعاؤں میں یاد رکھیے گا انشاء اللہ پھر ملاقات ہوگی۔

☆ ☆ ہارہ صلیب: ڈر ڈائجسٹ سے محبت اور کہانیوں کی پسندیدگی کے لئے بے حد شکریہ۔ امید ہے آئندہ ماہ بھی آپ خط لکھنا بھولیں گی نہیں۔ شکریہ۔

نگہت غفار کراچی سے محترم ایڈیٹر صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، انا للہ وانا الیہ راجعون شہید علی صاحب کے انتقال کا سن کر بہت دکھ ہوا، رب کا نکتات مرحوم کے درجات بلند فرمائے، ان کی اگلی منزل میں آسان فرمائے اور لواحقین کو سب کچھ عطا فرمائے (آمین ثم آمین) اس بار 17 فروری کو مکمل میں حاضر ہوئی، وجہ یوں طویل ہے مختصر اجازت کے قیول فرمائیں۔ ”خلو“ پر تیسرا حاضر ہے۔ سب سے پہلے ”منٹلی بونی“ پیاری سدا حیدر شاد آباد ہو آپ کو میری شاعری پسند آئی، ”بقیہ صلیب“ چٹائی آپ نے میرے خط کو پسندیدگی کی سند سے نوازا سدا اللہ کی امان میں رہیں (آمین) ”شرف الدین“ آپ نے یوں خوبصورتی سے میرے خط پر پسندیدگی کا اظہار کیا اللہ سدا آپ پر مہربان رہے۔ (آمین) ”عامر شائق“ آپ لوگوں کی محبتوں میں مقروض ہوگئی ہوں، بہت پیارے عمارت میں آپ لوگ اپنے خیالات کا اظہار کر رہے ہیں، زندگی میں آسانیاں نصیب ہوں (آمین) آخر میں ”اویس خان“ لوگوں بھی آپ لوگوں کو اس ایجابیت پیار تو مجھے مجبور کر دیا ہے کہ میں کسی ماہی اس خوبصورت محفل میں شرکت کا نکتہ نہ کروں آج جو بھی اس محفل میں حاضر ہوں یہ سارا کریڈٹ میرے ایک بیٹے پر چاہا ہے ان کی وجہ سے میں حاضر ہوں۔ آپ لوگوں کی محبت میرے لئے بہت ہی قبول خیریت ہے، میں خود کو بہت ہی خوش قسمت تصور کرتی ہوں آپ کی دعائیں بہت پیاری دعائیں اور پر خلوص تہنیر مجھے پسند آیا اللہ آپ کو سدا شاد آباد رکھے، آپ کی زندگی کا سفر بہل اور خوبصورت گزرے۔ (آمین ثم آمین) عمران بیٹا ہزاروں برس جو، اللہ عزوجل انہی کریم کی امان اور رحمتوں میں سامنے میں رہو۔ (آمین ثم آمین) اب اجازت چاہوں گی۔ اللہ سب کا حامی و ناصر مالک و مددگار ہو۔

☆ ☆ نگہت صلیب: ڈر سے آپ کی محبت کا تو سب کا رینک کپتہ ہی ہے۔ اس بار آپ تک پر جنس پہنچا اس کے لئے مغفرت آئندہ ماہ سے آپ کو ڈر ڈائجسٹ بھیج دیا جائے گا۔ امید ہے آئندہ ماہ بھی آپ خط لکھنا بھولیں گی نہیں۔ شکریہ۔

آصفہ سراج لاہور سے، محترم ایڈیٹر صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ خیریت کے بعد عافیت کی طالب اب کی بار خط لکھتے ہوئے بہت بوجھل ہو رہا ہے بہت اداسی بھرے لحاظ ہیں، ہم ڈر ڈائجسٹ کی جان شہید صاحب سے محروم ہو چکے ہیں شہید صاحب بہت اچھے انسان تھے اکثر میری ان سے بات چیت ہوتی رہتی تھی، کافی ٹائم سے بیمار تھے لیکن دل اب بھی اس بات پر یقین کرنے پر راضی نہیں کہ وہ اب ہمارے بچ نہیں رہے، لیکن خدا کی مرضی کے آگے کسی کی چلتی ہے اللہ ان کے درجات بلند کرے، اللہ ان کو کوٹ کوٹ جنت نصیب کرے اللہ ان کے گھر والوں کو سب کچھ عطا کرے، لیکن ہم شہید صاحب کو کبھی نہیں بھول سکتے وہ ڈر ڈائجسٹ کا ایریا نقصان ہے جس کا کوئی ازالہ نہیں ہو سکتا۔ بے شک کسی کے جانے سے کام نہیں رکے لیکن کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو دل میں ہمیشہ زندہ رہتے ہیں، ہمیشہ ان کی یاد رہتی ہے شہید صاحب بھی انہی لوگوں میں سے ایک تھے ان کی یاد ہمیشہ ہمارے دلوں میں باقی رہے گی بہت زندہ دل انسان تھے، مجھے ڈر ڈائجسٹ سے تعارف کرانے والے بھی وہی تھے انہوں نے بہت حوصلہ افزائی کی تھی میری جب پہلی بار 24 سال پہلے میری غزل شائع ہوئی تھی وہ وقت میں کبھی نہیں بھول سکتی، انہی کی وجہ سے دوبارہ بھی ڈر ڈائجسٹ میں شامل ہوئی ہوں آپ سب بھی اتنی حوصلہ افزائی کرتے ہیں آپ سب کا بھی بہت بہت شکریہ، ڈائجسٹ کا سارا سٹاف، رائٹر، ایڈیٹر، سب لوگ بہت اچھے ہیں، ان سب لوگوں کا بہت شکریہ جو مجھے پسند کرتے ہیں، ایسے ہی حوصلہ افزائی کرتے رہا کریں لکھتی رہوں گی انشاء اللہ، میری کہانی ”عاشق جن“ شائع کرنے کے لیے بہت شکریہ، مجھے ریگولر کرنے کے لیے بہت شکریہ میری اتنی زیادہ حوصلہ افزائی کرنے کے لیے سب لوگوں کا بہت شکریہ، اشارہ بہت لبت ملا اس لیے پورا نہیں پڑھ سکی، اس لیے تفصیلی تبصرہ نہیں کر سکیں گی، لیکن جو کہانیاں پڑھی ان میں شہزاد صاحب کی ”صحرا کی چیل“، خلیل جبار کی کہانی ”قبر کی پراسرار آگ“، کول یاسین کی کہانی ”تقی چہرہ“ اچھی لگی امید ہے باقی کہانیاں بھی اچھی ہوں گی ابھی پڑھ نہیں سکی عثمان غنی صاحب کا بہت بہت شکریہ انہوں نے شہزاد کو شکر کیا، عثمان غنی صاحب آپ کو بھی سالگرہ بہت بہت مبارک ہو، اللہ آپ کی عمر دراز کرے اور آپ کے وقت میں، عزت اور شہرت میں برکت دے۔ امان اللہ صاحب کا بھی بہت بہت شکریہ، بہت اچھے الفاظ میں تعریف کرتے ہیں اور بہت اچھے لفظوں میں یاد رکھتے ہیں میں نے پہلے بھی کہا تھا کہ میں امان اللہ صاحب کے جیسا تبصرہ تو نہیں کر سکتی وہ بہت شاعرانہ طریقے سے تعریف کرتے ہیں، بہت بہت شکریہ، باقی سب دوستوں کو بھی بہت بہت سلام، محمد فرحان، امان اللہ، شہزاد لاہور، عائشہ عمران، شہلا کرن، باقی سب لوگوں کی غزلیں بھی بہت اچھی تھیں اگلے ماہ انشاء اللہ دوبارہ شرکت کروں گی، اب اجازت چاہتی ہوں۔

☆ ☆ آصفہ صلیب: ڈر ڈائجسٹ بھی ایک ایک بہترین ساتھی سے محروم ہو گیا ہے۔ بہر حال اس دنیا میں جو آٹا ہے اس کو ایک نایک

تعریف نہیں کرتا چاہے چاہے وہ سروق ہو، کوئی کہانی ہو، کوئی غزل یا نظم ہو وغیرہ وغیرہ خیر یہ ان کی تربیت کا وظیفہ ہوگا ویسے کسی کے ایسے نامناسب اور ترش روئی سے کسی کو کیا فرق پڑ سکتا ہے؟ ایسے لوگ خود اپنی بڑھکائی ہوئی حسد کی آگ میں دن رات جھلتے رہتے ہیں۔ قرآن کی باتیں ایک دینی سلسلہ ہے جو ڈھانچہ کا بہترین اور ایمان افزہ سلسلہ ہے جو مدت سے جاری ہے جس کی بدولت مسلمان اسلام سے روشناس کرانے پر ارادہ مبارکباد کا مستحق ہے اللہ پاک اس دینی سلسلہ کو ہمیشہ جاری و ساری رکھے آمین۔ میرے خیال میں ہمارے ملک میں شائع ہونے والے بیشتر ڈائجسٹوں میں سے ڈیڑھ ڈائجسٹ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اس کے صفحات زیادہ ہونے کے ساتھ ساتھ ہر بات میں بائیس کہانیوں کو شمارہ میں شامل کیا جاتا ہے اور اس کا سہرا اس کی انتظامیہ کو جاتا ہے جو بائیس کی تعداد ہونے کے ساتھ ساتھ ہر بات میں بائیس کہانیوں کو شمارہ میں شامل کیا جاتا ہے۔ تقریباً ہر شمارہ میں معمول کے مطابق سینئر رائٹرز ہی طور پر اسے ہر ماہ باقاعدگی سے شائع کر کے قارئین کے ادنیٰ شوق کو جلا بخشتے ہیں۔ ادبی چرچہ ساز کی عرصہ پر ہے اور ہر کوئی سستی اور جلد شہرت حاصل کرنا چاہتا ہے اور بہت کم عمر کے رائٹرز کی کہانیاں پڑھنے کو بڑے دھڑلے سے اپنے نام سے مختلف رسائل و جرائد میں بھیج دیتا ہے کرتے کے لیے ادھر ادھر سے کہانیاں اور دیگر ادبی مواد چرا کر بڑے دھڑلے سے اپنے نام سے مختلف رسائل و جرائد میں بھیج دیتا ہے اور اس طرح کے اکثر قلمی سوشل میڈیا کی زینت بنتے رہتے ہیں۔ میرے خیال میں ایسے گھوسٹ رائٹرز کو ادبی شخصیت کہلانے کے بھی مستحق نہیں ہیں جو کسی کی منت کو یوں چرا کر اپنے ناموں سے چھپا کر بڑی ڈھٹائی سے دوسروں کو بتا رہے ہوتے ہیں۔ اللہ پاک ایسے رائٹرز کو نیک عذاب دے۔ آمین۔ خطوط کی محفل میں اس بار بھی بہت سے دوستوں کے محبت نامے شامل رہے، جنہوں نے اپنے خطوط میں میرے تہنیت و تہنید، سروق اور کہانیوں کی تعریف کی، میں ان سب کا تہہ دل سے مشکور ہوں اور جنہوں نے حسب معمول تکبر و تکبر اپنے اپنے گھر خوش رہیں اور یونہی تھمتے رہیں آمین۔ آصف مزاج صاحب لاہور سے ”عاشق جن“ کے لکرائیں، بہترین کہانی رہی۔ بہت اچھا لکھی ہیں دعا ہے اللہ پاک انہیں اور زور و قلم سے نوازے اور یہ زندگی کے ہر شعبہ میں ترقی کی منازل طے کرتی رہیں آمین۔ حمزہ کی چلن کے حلق میں خود کیا کر سکتا ہوں یہ تو میرے قارئین کرام پڑھ کر ہی بتا سکیں گے کہ انہیں کیسی لگی؟۔ کوئل یا سین صاحب کی کہانی ”تھم چڑھ“ بھی بہت اچھی تحریر تھی میری طرف سے انہیں بہت مبارکباد قبول ہو، اس کے علاوہ ایسے امتیاز احمد صاحب کی ”ہو پر کا فیصلہ“، رضوان قیوم صاحب کی ”بدگلوئی“، ظہیر جبار صاحب کی ”قبر پر اسرار آگ“، مریم فاطمہ صاحبہ کی ”بیمائیکہ راز“، ناصر محمود راز صاحب کی ”سکنا ہوا ہاتھ“، مظہر الحق علوی صاحب کی ”دہشت“، نورین زہرہ صاحبہ کی ”بابا کرامت“، عاقب نواز صاحب کی ”ایک ہی شب“، ام حبیبہ صاحبہ کی ”پہلی نظر“، اترام عرش صاحبہ کی ”سایہ“، امان اللہ نیر شوکت صاحب کی ”پراسرار“، موصوفان علی سومر صاحب کی ”کالی پر چھائیاں“، فوزیہ ناہید صاحبہ کی ”دوسرا رخ“، سکندر حبیب صاحب کی ”ڈور“، قصیر جمیل پروانہ صاحب کی ”سحر آتھیں“، ثناء اور ایس صاحبہ کی ”سفید گلاب“ اور آخر میں عثمان غنی خان صاحب کی ”میرے ہمزاد“، یہ سب کہانیاں انتہائی بہترین اور خوش اسلوبی سے لکھی گئی تھیں سب نے بہت اچھا لکھا کسی ایک کی تعریف نہ کر کے میں نا انصافی کا مرتکب نہیں ہونا چاہتا، گوکہ ان میں کچھ کہانیاں مختصر تھیں لیکن کہانیوں کی قییم اور اسلوب بیان بہترین قلمی طرف سے سب رائٹرز حضرات اور خاتما کو بہت مبارکباد قبول ہو۔ اندرونی صفحات میں شرف الدین جیلانی، عامر مشتاق، عظمیٰ بلوچ، محمد شہر یار، محمد فرمان، امان اللہ نیر شوکت، بہترین تھی جو سب قلم میں بھیجی تھی شاعری میں شرف الدین جیلانی، عامر مشتاق، عظمیٰ بلوچ، محمد شہر یار، محمد فرمان، امان اللہ نیر شوکت، طاہرہ طلعت، عائشہ عمر ممتاز، ارمان ملک، کنول، محرم علی، آصف مزاج، شہلا کرن، چوہدری قربان علی پوری، ایس امتیاز احمد، محمد اسلم جاوید، نعیم رضا جلی، ایس حبیب خان، ان سب کے اشعار، غزلیں، نظمیں، قطعات اور انتخاب سب بہت اچھے رہے سب نے بہت اچھی شاعری بھیجی سب کے سب مبارکباد کے مستحق ہیں، آخری صفحات پر قسط وار کہانی ”میرے ہمزاد“ کی قسط نمبر گیارہ بہترین رہی عثمان غنی خان کو میری طرف سے بہت مبارکباد، آخر میں دعا ہے اللہ پاک اس رسالے کو قائم و دائم رکھے اور اس کی تمام انتظامیہ اس کے چرچے والوں کو خدا خوش اور سلامت رکھے۔ آمین۔

☆ شہزادہ صاحب: دل کی گہرائی سے لکھا گیا خلوص نامہ موصول ہوا پڑھ کر بے حد خوشی ہوئی، کہانیوں پر تبصرہ پر بھی بہترین انداز میں کیا گیا تھا۔ امید ہے آئندہ بھی آپ خط لکھنا بھولیں گے نہیں۔ شکریہ۔

ایس امتیاز احمد: کراچی سے، السلام علیکم! امید ہے مزاج بخیر ہوگا! ڈور ہمارے سامنے ہے خوب صورت پائل کے ساتھ تمام تر سلسلے خیر ہے آج شہزادہ صاحب بہت یاد آ رہے ہیں، ڈور کا سفر ان کے ہمراہ خوب گزرا ہمارے مہربان ساتھی اور دوست ان کا

مزم کو لکھ آج بھی ہمارے دل و دماغ میں گہرا ہے۔ ہمارے مہربان دوست شاہد صاحب نے ڈور کو خوب صورت سا ڈور دے کر ڈور کو خوب صورتی کے ساتھ لے کر دواں دواں تھے کہ ایک اس حادثہ نے ہم سب کو ہلا کر رکھ دیا۔ اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ اور ان کے لواحقین کے ساتھ ہم سب کو صبر دے۔ آمین۔ ایک شعر ہے شاہد علی صاحب کی نظر: زمہربان ٹھنڈی کوئی تھکے سا آیا شاہد علی تو ہمیں بہت یاد آیا، کہانی لگانے کا شہر، ”طلب“ کہانی ارسال خدمت ہے۔ قریبی اشاعت میں جگہ دیں۔ ڈور کے تمام خوب صورت لکھنے والوں کے لئے خلوص ”تہنیت“ اور تمام پڑھنے والے دوپورز کو اور اشاف کو دعا سلام اپنا خیال رکھئے گا۔

☆ ایس امتیاز صاحب: آپ کی ارسال کردہ کہانی ”طلب“ پہلے ہی نومبر 2023ء کے شمارے میں شائع ہو چکی ہے۔ یہ آپ نے دوبارہ بھیج دی ہے غلطی سے شاید۔ بہر حال آئندہ ماہ بھی آپ کے خط کا انتظار رہے گا۔

شرف الدین جیلانی خذوالہ یار سے، انا للہ وانا الیہ راجعون، انسوس صدافسوس ہمارا دل پسند ساتھی ہمیں جموں میں اپنی بیٹی زبانا سے ہنسانے والے شاہد بھائی اپنا سفر پورا کر کے اللہ پاک کے حضور حاضر ہو گئے۔ خالد صاحب کی بات سچ ہے کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو ہمیشہ یاد رہتے ہیں۔ عجب اتفاق میری شریک حیات کا انتقال بھی 2015-20-1 کو ہوا۔ ابھی شریک حیات کی برسی سے فارغ ہوا ہوں، وہی تاریخ محمد رہا ہے۔ شاہد بھائی نے مجھے میرے اپنے خوش مزاج جملوں سے تلخ یادوں سے چھٹکارا دلایا۔ پرانے ساتھیوں کو یاد ہوگا۔ 2015ء میں شاہد بھائی ڈور کے قارئین حضرات، ادارہ ڈور نے بہت ہی دعائے مغفرت کی میرا حوصلہ بڑھایا۔ شکریہ۔ جی شہزادہ صاحب جب شاہد بھائی نے میری پسندیدہ بار بار شائع کی تو ”کہیں دور جب دن ڈھل جائے“ سا ننھی کہیں جھلک دکھلائے چپکے سے آئے میرے خیالوں میں..... میرا درد بانٹنے میں پیش پیش ہوتے تھے شاہد بھائی سے راتوں کو ہواں پر باتیں کرتے تھے۔ میرا حوصلہ بڑھ جاتا تھا۔ پھر بیماری کے بعد ہواں پر رابطہ ہوتا آواز ان کی بہت کمزور محسوس ہوتی تھی۔ کبھی کبھی ان کا فرزند بات کرتا کہ ابو سو رہے ہیں۔ لہذا ان کی خوش مزاجی کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ 2015-20-1 شریک حیات، 2024-1-21 شاہد بھائی دونوں کو دعائے مغفرت میں یاد رکھوں گا۔ انشاء اللہ ڈور ڈائجسٹ شمارہ 258 صفحات پر توس قرح سمیت 22 کہانیوں کا گلدستہ ہاتھوں میں ہے۔ شاہد بھائی کی وجہ سے ساری خوشی ختم ہو گئی، خطوط محفل میں شاہد بھائی کی صحت کا انتظار کرتے ہیں مگر شاہد بھائی تو اللہ پاک کے پاس تشریف لے گئے، عثمان غنی صاحب سے شکایت ہے آپ کہانی آگے نہیں بڑھا رہے۔ ایک کہانی سے تین کہانی اور نکلیں گی۔ لیسا شہرین۔ میان مہکاش، فرحت عادل، اس طرح تازہ بھی اپنے ابو کے اکاؤنٹ کی وجہ سے اور انشورنس پالیسی کی وجہ سے بیگم فرحت کے ہم پلہ ہو جائیں گی۔ شہزادہ صاحب آپ کا رابطہ شاہد بھائی سے رہتا تھا۔ وہ تھے ہی ایسے انسان اپنی بیٹی زبانا اور خوش مزاجی سے ہر کسی کو اپنا میر پناہ دیتے تھے۔ ان کی مغفرت کے لئے رات دن دعائیں۔ زندگی غیر یقینی ہے۔ یہ زندگی بہت عارضی ہے۔ ہر انسان کو موت کا ڈانڈ چکھنا ہے۔ نماز قائم کریں۔ اخلاص کے بغیر نیک اعمال قبول نہیں ہے۔ شہزادہ بھائی یقین سے تلخی ختم کریں۔

☆ شرف الدین صاحب: کہانیوں کے بارے میں اپنی رائے ضرور دیا کریں۔ ادارہ ڈور ڈائجسٹ کسی کا خط اور غزل رومی کی نوکری میں جانے نہیں دیتا۔ ناقابل اشاعت میٹر کے علاوہ۔ آئندہ ماہ بھی آپ کے خط کا شدت سے انتظار رہے گا۔

عامر مشتاق قصور سے، السلام علیکم! امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوں گے فردی کا شمارہ کافی تاخیر سے ملا، کچھ عرصہ سے رسالہ تاخیر سے شائع ہو رہا ہے اس بار بھی کافی انتظار کے بعد ملا۔ اس بار سروق کافی بار بنایا گیا تھا۔ خطوط کی محفل میں پہنچے تو شاہد علی صاحب کے انتقال کی خبریں کر دل افرد ہو گیا، شاہد صاحب بہت اچھے انسان تھے ان کی ادارے کے لیے خدمات ناقابل فراموش ہیں اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے آخرت کی منازل آسان فرمائے اور ان کے عزیزوں کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین۔۔۔ اس بار بہت حواس خطوں کی محفل میں سربراہی سنبھال رہی تھیں۔ عجب غفار آپ کی آپ کا تبصرہ اس بار بھی بہت اچھا تھا۔ حشر حسین نے تمام کہانیوں پر بہترین رائے دی بہت اعلیٰ۔ آصف مزاج کا تبصرہ اچھا لگا، غزلوں کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔ عظمیٰ بلوچ جی میری کہانی کو پسند کرنے پر شکریہ۔ یقین خان آپ ہمیشہ حوصلہ افزائی کرتی ہیں، بہت شکریہ آپ کا۔ مجھے تاجیز کی تحریر کو پسند کیا آپ نے شرف الدین صاحب کا تبصرہ بہت پسند آیا۔ شہزادہ خان کا تبصرہ جامع تھا، بہت شکریہ سر آپ نے میری کہانی کو پسند کیا آپ کا تبصرہ، کہانی اور سروق سب کچھ عمدہ ہے۔ ایس خان کا خط اچھا لگا، اس بار آپ نے بھی خوب لفظوں کے تیر چلائے۔۔۔ بہت اعلیٰ آپ کی نئی کہانی کا شدت سے منتظر ہوں۔ عثمان غنی صاحب نے تفصیل سے تبصرہ کیا اچھا لگا پڑھ کر اور میری تحریر کو پسند کرنے کا شکریہ

آپ جیسے رائٹر نے میری کہانی کی تعریف کی یہ میرے لیے کسی اعزاز سے کم نہیں، جزاک اللہ سلامت رہیں آپ کی قسط وار کہانی بھی بہت اچھے سے آگے بڑھ رہی ہے۔ امان اللہ نیر شوکت ہر کہانی پر بہت اچھے سے تبصرہ کرتے ہیں، بہت خوب جناب، آپ سے اب ملنے کی خواہش ہے۔ ابتدائی صفحات پر ایک جن کی کارستانی پسند آئی بہت اچھی کہانی تھی عاشق جن۔ ایک ہی شب اچھی کہانی کئی عاقبہ تو نازب باقاعہ کی سے لکھ رہے ہیں اور بہت اچھا لکھ رہے ہیں اللہ تعالیٰ زور قلم کرے مزید زیادہ۔۔۔ سکندر حبیب کی ڈرائیک سین آموز کہانی پسند آئی۔ سحرانہ آنکھیں پسند آئی۔ میں نے اپنی نئی ویسار کہانی جان لیوا محبت بھیج دی ہے امید ہے شائع کر کے شکر یہ موجب دے گی۔ اگلے ماہ ایک اجازت، خدا ہم سب کو اپنے حفظ و امان میں رکھے آمین۔

بہن عزیز صاحب: کہانیوں کی پسندیدگی کے لئے بے حد شکر یہ، امید ہے آئندہ ماہ بھی آپ خط لکھتا بھولیں گے نہیں۔ آپ کی کہانی "جان لیوا" شائع ہو رہی ہے۔ شکر یہ۔

امان اللہ نیر شوکت لاہور سے، قابل صد افتخار ایڈیٹر صاحب سال نو ڈرڈا بجٹ کا دوسرا شمارہ فروری 2024ء نظر نواز ہوا تو ایڈیٹر شاہد علی کے بارے میں ایک دکھ بھری خبر ہمیں سنا دی گئی یقین ہی نہیں آ رہا کہ وہ اس فانی دنیا سے کوچ کر گئے ہیں۔ ہم دل کی اتھاہ گمراہیوں سے ان کی معصرت کی دعا کرتے ہیں۔ رب العالمین قبر میں ان کے درجات بلند فرمائے۔ لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے اور ان کی قبر کو خشتِ اکروہ۔ ان کی نیک روح کو سکون عطا کرے۔ آمین ثم آمین۔ رسالے کا سرورق ہمیشہ کی طرح تروتازہ اور قریح سے بھرپور ہے جو اس کے کردار حرکت میں آتے ہی اپنی شناخت کرانا شروع کر دیں گے کیوں کہ شہزاد کے نالغو جیتے جاگتے دکھائی دیتے ہیں۔ "قرآن کی باتیں" ہمارے لئے روشن موتی ہیں جو ہمیں گمراہی کے گڑھے میں گرنے سے بچاتی ہیں۔ آصف سراج ایک کافر جن کی کارستانی ساری ہیں۔ زویہ تو پرستان کی پری تھی جو اتنی خوبصورت تھی کہ کافر جن نے کالے بلبے کا روپ دھار کر اس کو ہلاک کرنا چاہا تاہم ظاہر یہ تیکر قرآن مجید فرقانِ حید کی سورتوں کی تلاوت کرتی تھی اس لئے زویہ پر عاشق ہونے والا جن اس سے بدگما تھا۔ وہ مختلف شکلوں میں زویہ کے پاس آتا جاتا۔ اس کہانی میں بھان کا کردار جاندار ہے۔ وہ شیطانی قوتوں کا مقابلہ کرتا ہے جہلک خیر انداز ہے تحریر کا۔ اس ڈراؤنی کہانی کے اگلے سحر انگیز انداز اپنا یا ہے بہت حوالہ کہانی، "آسیب زدہ مکان" کی پسندیدگی کا شکر یہ دعا کا انتخاب کر کے محبت غفار دعا کے لغوی معنی، ہمیں بتا رہی ہیں، رب العالمین کی ذات اقدس سے ایسے سلسلہ جلتا رہے تو پھر زندگی آسان ہے۔ عجز و انکاری کا انداز اختیار کرنا بہت ضروری ہے۔ شہزاد خان کے ساتھ "صحرا کی چیل" پھر رہی ہے۔ وہ ریگستان صحرائے کوہی کے اسرار سے بڑے خوفناک انداز میں پردہ اٹھا رہے ہیں کہ لوگ وہاں جا کر موت سے ہمتا کر کے ہو جاتے ہیں۔ ایک بہادر خاتون ایلینا دولت حاصل کرنے کے لئے ایک پرخطر سفر پر روانہ ہوئی۔ صحرائے کوہی میں اٹھنے والے ریت کے طوفان خوفناک آوازیں نکالتے ہیں۔ وہ خاتون چیل کے جیسے چڑھ جاتی ہے جس کو چیل اپنی پستانا ہے جسے سن کر ایلینا کا وہاں سے بچن نکلتا مشکل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اور بھی ہم جو لوگ اپنی قیمیں جانیں ہمیشہ کے لئے گنوا دیتے ہیں۔ وہاں موت کے پروانے لئے پھرے ہیں لیکن لالچ کرنے کا انجام بڑا ہیسا تک ہوتا ہے۔ محبت غفار کی گھریلو مصروفیات ان کے آؤے آ رہی ہیں ورنہ وہ اس بار رسالے میں اپنی تحریر کے ساتھ جلوہ افروز ہوتیں، لیکن اظہار خیال کرنے کے لئے پاجیہ چیدہ تحریروں کا انتخاب کر کے ہمیں دکھائی دے جاتا ان کی موجودگی کا احساس دلاتی ہیں اور ہمیں بہت کچھ سمجھا جاتی ہیں۔ محبت غفار ہمارے لئے قابل صد افتخار ہیں۔ کسی کو مخاطب کرنے کے سب کے اپنے اپنے انداز ہیں لیکن ہمارے انداز نام کی شخصیت کو اپنے سامنے رکھ کر مہذب انداز اختیار کرنے کا طریقہ ادر ہے۔ ہم ادب کے میدان میں جن سے چاہے دیر بعد پہلی بار آدمی ملاقات کرتے ہیں۔ تو اپنے اثرات چھوڑتے ہیں۔ ساتھ برس سے بچوں اور بڑوں کے ادب کی خدمت کر رہے ہیں۔ یہ رب کا نکتات کی خصوصیت میرا ہی ہے۔ اب محبت غفار نے میری کہانی "آسیب زدہ مکان" پر بھی قوتوں کی بہت سی باتوں نے ایک اور برہنہ کی کہانی کو پھر قلم کر دیا۔ ایسے لوگ ادب شناس کہلاتے ہیں لیکن ان کا ایک اپنا انداز ہے کہانی "آسیب زدہ مکان" کی پراسریت کو محسوس کر کے تعریف کر جانا، کوئل یا سین و لفریب کہانی "دعائی چہرے" کو خوفناک انداز میں قارئین کی نذر کر رہی ہیں۔ یہ تحریر بہت پسند آئی ہے۔ حشر خان تبصرے کو پسند کرنے کا شکر یہ، لیکن معلوم ہوتا ہے میری کہانی "آسیب زدہ مکان" آپ کی نظر سے نہیں گزری ورنہ اظہار خیال ضرور کرتیں، محبت غفار خالی مکان میں رہتی ہیں وہ تحریر واقعی کمال کی تھی۔ وحشی بلا تحریر آپ کو پسند آئی، حوصلہ افزائی کے لئے ممنون ہوں۔ ایس اعتبار احمد دہشت زدہ کہانی "اوپر کا

فیصلہ" اوپر سے کردار ہے ہیں۔ اس گھریلو تجربے نے متاثر کیا کیوں کہ گھر کی نوکری نے ایثار و محبت کا ثبوت دیتے ہوئے اپنی مالک کو بھانے کی بھرپور کوشش کی، غلطی بلوچ نے اپنے مختصر انداز میں اپنی حاضری لگوا لی ہے، یہ بھی ان کی بڑی مہربانی ہے، رضوان قیوم کی "پڈھگونی" نے ایک جادوئی کتاب کے ذریعے اپنی گھریلو زندگی پر یاد کردی اور سب کچھ کھودیا۔ بعض اوقات بچی کہانیاں بہت متاثر کرتی ہیں محبت غفار بھی ہمارے ساتھ ساتھ ہیں۔ کہانی کی صورت میں نہ کسی فرمان الہی سے ہمارے دلوں کو سکون پہنچا رہی ہیں۔ خلیل جبار نے خوفناک تحریر "قبر کی پراسرار آگ" لکھ کر ہمیں یہ یاد کر دیا ہے کہ قبرستان سے مردے چوری کرنے کا انجام بھیسا تک بھی ہو سکتا ہے۔ آصف سراج آپ نے میرے تبصرے کو پسند کیا حد درجہ شکر گزار ہوں۔ مریم قاطمہ ہمایک راز سے پردہ اٹھا رہی ہیں۔ سپنس سے بھرپور تحریر نے ایک سبق بھی سکھایا ہے۔ بلقیس خان نے ہماری قیمتی رائے کو نظر انداز نہیں کیا۔ یہ ان کی ذرہ نوازی ہے۔ ناصر محمود ہاڈ "کھتا ہوا تھا" کے ذریعے میرے تاک داستان بیان کر کے اسے مزاحیہ انداز دے رہے ہیں۔ شہلا کرن، طاہرہ طلعت تحریر آسیب زدہ مکان کو پسند کرنے کا شکر یہ، مظہر الحق علوی کی دوسری قسط میں "دہشت بڑھتی جا رہی ہے۔" صاحبانہ تبصرے کو پسند کیا۔ انتہائی مشکور ہوں، ہماری تحریر "آسیب زدہ مکان" نے ان کے دل کو چھو لیا ہے۔ نورین زہرہ، بابا کرامت کی بصیرت افروز کہانی ساری ہیں۔ جو حیرت انگیز بھی ہے اور انسان کی غلطیوں کا احساس بھی ہمیں دلوا رہی ہے۔ معاشرہ سدھر جائے بھی بڑی بات ہے۔ شرف الدین کی نظر سے نیر کی تحریر نہیں گزری ورنہ وہ اپنی رائے کا اظہار ضرور کرتے، ایسا بھی ہوتا ہے عاقبہ نواز نے "ایک ہی شب" میں حقیقی کہانی لکھ کر دونوں کے وجود کو کھلی میں ملا دیا ہے۔ انجام اتنے مبہوت کر سکتے ہیں بیان سے باہر ہے لیکن محبت غفار کا بیان باہر سے نہیں اندر سے ہی ہمیں انمول موتی سمیٹنے کا عقدہ ساری ہیں۔ کام کی باتوں پر بھی عمل کرنا چاہیے انسانی زندگی اسی انداز میں بہتر گزاری جاسکتی ہے۔ شہزاد خان کے تبصرے کی کیلیات ہے۔ ہماری بھی شنوائی ہوگئی ہے۔ بہت شکر یہ ان کا کام حبیب "پہلی نظر" میں من موٹی داستان کو سپرد قلم کر رہی ہیں۔ وہ شریخ جنوں کو جان لڑکیوں پر حاوی کر دیا رہی ہیں، شاید پہاڑی علاقوں میں بھی ایسا ہوا ہوگا۔ عامر مشتاق سے بھی کسی نہ کسی دن ضرور ملاقات ہوگی اس بھانے سے مزید ار فالودہ بھی کھالیں گے۔ لاہور سے تصور ہمارے لئے اتنا بھی دور نہیں ہے بس دل سے دل کو راہ ہونی چاہئے، بس پھر راہیں کھلتی چلی جاتی ہیں۔ اقرا عرش کا "سایہ" حقیقی کہانی کو حقیقت کا رنگ دے رہا ہے۔ انسپکٹر جو نگرہ کا کیس لکھتے پھلتے پھلتے ہو گیا لیکن ذہن تھا اس لئے زندگی داؤ پر نہیں لگی۔ اویس خان کی کترا کر نکل گئے۔ لیکن محبت غفار کے اقوال زریں سے ہم فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ زندگی کو خوبصورت بنانا ہے تو بقول زریں پر بھی عمل کرنا ہوگا۔ "پراسرار سر" کی اشاعت کا شکر یہ۔ وہم انسان کی زندگی کی کسوٹی کی دلچسپ نگاہ لے جاتا ہے۔ لیکن ڈاکٹر کی تنگ دودھوتی ہے کہ وہ اپنے مریض کوئی زندگی دے اس لئے پڑتی ہے تبصرے کے لئے محبت حاصل کر کے کی راہیں اپنے لئے ہموار کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ محبت غفار بھی ہمارے ساتھ قدم آگے بڑھ رہی ہیں اور پیار سے حضور پاک کی تعظیم بھی ان کے ارشاد گرامی بیان کر رہی ہیں۔ رضوان علی سومرو کی "کافی پر پختیاں" بھی اہم پڑھنی ہوئی ہیں۔ قسط نمبر 14 بھی اچھی رہی ہے انسانی کو ہمارے تبصرے نے متاثر کیا۔ ہمارے لئے یہی کافی ہے۔ فوزیہ ناہید کا "دوسرا رخ" یہ بھی ہے کہ وہ ہمارے دل و دماغ پر حیرت طاری کرنے کے لئے ایک بہترین کہانی تخلیق کر سکتی ہیں۔ "ڈر" آنکھیں، "سفید گلاب" اور عثمان کی خان کی گیارہویں قسط نے رسالے کے معیار کو برقرار رکھا ان کے رائٹر حضرات مبارکباد کے مستحق ہیں۔ قوس قزح میں سب اپنے ادبی قلم کے جوہر دکھا رہے ہیں۔ جو متاثر کن ہیں لیکن محبت غفار تو یہاں بھی چھائی ہوئی ہیں۔ ہم نے سوچا ہم بھی پیچھے کیوں رہیں ان کے ساتھ اس قوس قزح کی رنگین محفل میں اپنا قدم بھی آگے بڑھانا ہے وہ سارے پرے میں ہمیں متاثر کرتی ہیں۔ لیکن ان کی غزل کے آخری شعر نے بہت متاثر کیا۔ واقعی حشر میں جانے سے پہلے ان صاحب اس دنیا میں چٹکا کر لیں تو بہتر ہے ایک پراسرار کہانی "قبرستان کا عفریت" کے ساتھ حاضر خدمت ہوں۔

☆ امان اللہ صاحب: کہانیوں کی پسندیدگی کے لئے شکر یہ، خط آپ کا خاصا طویل ہوتا ہے، تھوڑا سا ہکا بھکا بھیجیں، کہانی موصول ہو چکی ہے۔

باقدر حسین نواب شاہ سے، امید ہے مزاج گرامی بخیر ہو گئے ڈرڈا بجٹ سے کچھ ماہ غیر حاضر ہوا پوجہ مصروفیات تھی امید ہے درگزر کریں گے۔ ماہ فروری 2024 کا شمارہ سامنے ہے دیدہ زیب سرورق کے ساتھ قرآن کی باتوں سے دل کو منور کیا اور کہانیوں کی فہرست میں آئے اس ماہ مجھے کچھ نئے نام نظر آئے جن میں باجی آصف سراج تھیں جس کی کہانی سرورق کی تھی ماشاء اللہ بہت ہی خوبصورت باجی میری طرف سے مبارکباد قبول کریں۔ اس کے علاوہ کوئل یا سین، احمد حبیب، اقرا عرش، امان اللہ نیر شوکت، فوزیہ ناہید

اور شاہ اور یس شامل ہیں سب کی کوششیں اچھی ہیں میری طرف سے تمام کھداری مبارکباد قبول کریں۔ اس کے علاوہ اس ماہ جو کہانیاں مجھے پسند آئیں ان میں ”کوہ کا سایہ“ ”نئس امتیاز احمد“ ”بد شکونی“ ”رضوان قیوم“ ”سنا ہوا ہاتھ“ ناصر محمود فرہاد ” ”دہشت“ مظہر الحق علوی ” ”ایک ہی شب“ ”عاقب جاوید“ ”کالی پر چھائیاں“ ”رضوان علی سومرو“ ”ڈر“ ”سکندر حبیب اور“ ”میرے ہزار“ عثمان غنی خان کی شامل ہیں۔ میں بھی ایک کہانی لکھ رہا ہوں اللہ جلد ہی ادارے کو بھیج دوں گا اس کے ساتھ ہی میری دعا ہے کہ ڈرڈائجسٹ دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کرے آمین اس کے ساتھ ہی اجازت چاہوں گا زندگی رہی تو اگلے مہینے پھر ملاقات ہوگی تب تک کے لیے اجازت اللہ بھلائی۔

☆ باقر صاحب: چلیں اب آپ مسلسل لکھتے رہنے کا اور ہاں کوئی نئی کہانی نہیں بھیجی آپ نے ابھی تک کیا بات ہے۔ کہانوں کی پسندیدگی کے لئے شکریہ۔ امید ہے آئندہ ماہ بھی خط لکھنا بھولیں گے نہیں۔

ایاز احمد قریشی کراچی سے، جناب ایڈیٹر صاحب السلام علیکم! شاہد صاحب کے انتقال کا پڑھ کر دلی افسوس اور مصور ہوا، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ بے حساب مغفرت و بخشش فرمائے (آمین) ان کو جنت الفردوس میں حضور ﷺ کا پڑوس نصیب فرمائے۔ ان کے لواحقین کو صبر جمیل و اجر جہد عطا فرمائے۔ آمین۔ شاہد صاحب سے ان کے آفس میں چند ایک بار ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ وہ واقعی بہت محنتی، سادہ اور اچھے انسان تھے جو ہزار ہا لوگوں کے دلوں پر امانت نقوش چھوڑ گئے۔ اللہ مغفرت فرمائے۔ آمین۔

☆ ایاز صاحب: جی یا نکل شاہد صاحب ایک مختصر شخص تھے جو ہر کسی کا دل جیت لیتے تھے۔ امید ہے آئندہ ماہ بھی آپ خط ضرور لکھیں گے۔ اور کہانوں کے بارے میں اپنی رائے ضرور دیں گے۔

سرور عطاری قصور سے، السلام علیکم! تمام احباب کیسے ہیں۔۔۔ میں نے ڈرڈائجسٹ نیا نیا پڑھنا شروع کیا ہے عامر مشتاق اچھا دوست ہے اس کے توسط سے مجھے ڈائجسٹ ملتا رہتا ہے۔ آپ کی کہانیاں سبھی اچھی ہوتی ہیں خوف کا شکار اور ڈیول کیٹ پڑھی ہیں پسند آئی ہیں۔ کوئی نئی کہانی بھیجیں جو کہ خوف سے بھر پور ہو۔ اس کے بعد ایس امتیاز احمد، رضوان سومرو، شہزاد خان کی اسٹوری کا مطالعہ کیا اب اچھا لگتے ہیں۔ اب میں ڈرڈائجسٹ ریگولر پڑھتا ہوں۔ امید ہے آپ میرا پہلا خط شائع کر کے شکریہ کا موقع دیں گے۔ اللہ حافظ۔

☆ سرور عطاری صاحب: ڈرڈائجسٹ میں خوش آمدید، کہانوں کی پسندیدگی کے لئے بے حد شکریہ۔ امید ہے آئندہ ماہ بھر پور انداز میں تبصرہ کریں گے اور خط لکھتے بھی نہیں بھولیں گے۔

عثمان غنی خان پشاور سے، السلام علیکم! ادارے کی طرف سے ہمیں اس ماہ کا زیادہ دگنی خیر سننے کو ملی، ہمارے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ شاہد علی صاحب بیمار تھے۔ یہ تو ہمیں بتہ تھا۔ ہمیں امید تھی۔ ایک دن وہ جلد شفایاب ہو جائیں گے۔ مگر ادارے نے ہمیں بخیر دی۔ وہ ہمارے لیے بہت زیادہ دکھ کا باعث بن گئی۔ بے ساختہ جیسے ہمارا دل کسی نے پکڑ لیا، اور ہم خود بھی کچھ کلمات کے لیے ساکت رہ گئے۔ کچھ تک یقین ہی نہیں آیا۔ آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ پر جو اللہ تعالیٰ کی مرضی، ہر جاندار نے لوٹ کر اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ اللہ آخر خیر پیش کرے۔ آمین۔ اللہ تعالیٰ ادارے اور شاہد علی صاحب کے تمام اہل خانہ کو صبر و جمیل عطا فرمائے۔ شاہد علی صاحب کے جانے کے بعد ان کا خلا کوئی پر نہیں کر سکتا۔ پر ہم ان کی آخری دائمی زندگی کے لیے دعائیں مانگ سکتے ہیں۔ ہم دل سے دعا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ شاہد علی صاحب کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور انہوں نے جو نیکیوں کی محفل یہاں بچا رکھی تھی وہ ہمیشہ قائم و دائم رہے۔ آمین، اب ذرا فردی کے شمارے کی طرف بڑھتے ہیں۔ اس ماہ کا نائل اچھا لگا۔

سرور کی کے بعد قرآن کی باتیں پڑھیں، بہترین سلسلہ قرآن پاک کی باتیں ہیں، یہ سلسلہ ہمارے دلوں کو پُر نور کر رہی ہیں۔ بھر ہم فہرست میں چلے گئے، کافی بہترین نام فہرست میں دیکھنے کو ملے۔ جن دوستوں کی کہانیاں اس ماہ شامل اشاعت ہیں۔ ان سب کو دلی طور پر بہت بہت مبارک ہو اور جن کی رہ گئی ہے۔ انشاء اللہ اگلے ماہ لگ جائے گی۔ اس کے بعد خطوط کی محفل میں چلے آئے۔ کافی سارے خطوط تھے۔ جن کو پڑھ کر اچھا لگا اور اس ماہ کا کافی بڑے اور جامع تبصرے تھے۔ بنت خواہیں صاحبہ کو سربراہ کے طور پر دیکھ کر اچھا لگا۔ کافی اچھا اور جامع تبصرہ لکھا تھا۔ دوسرا بڑا اہم تبصرہ گنہت غفار آئی، جی کا تھا۔ ان کا خط بہت جامع تھا اور بہت محبت اور خلوص سے سب کے جوابات دیے گئے تھے۔ عرش حسین آپ کا خط بہت بہت پسند آیا کافی گہرائی سے آپ نے ڈائجسٹ پر تبصرہ کیا تھا۔ عظمیٰ بلوچ کو ڈرڈائجسٹ کی محفل میں دیکھ کر اچھا لگا۔ آصف سراج صاحب کا خط محفل میں اچھا لگا۔ آپ کی باتیں بہت اچھی ہوتی ہیں۔ آپ بھی

آج کل ڈاکر محبت میں بہت اچھی تحریریں لاری ہیں۔ شہلا کرن اور طلعت صاحبہ کا تبصرہ بھی بہت اچھا لگا اور اس ماہ تو آپ نے بہترین تبصرہ لکھا ہے۔ صاحبہ صاحبہ ایک بار بھر ہم آپ کے لیے تہ دل سے دعائی مانگ سکتے ہیں۔ دراصل آپ کی نئی زندگی کا سفر شروع ہو رہا ہے۔ آپ کو مبارک ہو اور ہاں اگر آپ ہماری محفل سے جھوٹ کر چلی جائیں، تو بھی ہم صرف آپ کو سچے دل سے دعا دے سکتے ہیں۔ اللہ آپ کی تمام مشکلات حل فرمائے آمین۔ شہزاد خان آپ کا طویل خط پڑھ کر اچھا لگا۔ آپ نے جامع تبصرے میں مکمل کر لکھا تھا۔ آپ کی محبت قابل دید ہے۔ ایس امتیاز احمد بھائی بہت اچھے انداز میں ہلکا پھلکا تبصرے کے ساتھ حاضر خدمت تھے۔ شرف الدین جیلانی صاحب کافی لمبے عرصے بعد نظر آئے اور آپ کو ہم ایک بار پھر سے دیکھ کر آیا جاتا ہے۔ شرف الدین جیلانی کا بہت بہت شکریہ، اس نے ڈر کے 2023ء کے سارے شماروں پر اپنی رائے دیں۔ ہمیں بھی اپنے پسندیدہ مضامین کی لسٹ میں رکھا۔ آپ کی محبت ہے۔ آپ خود اچھے دل کے مالک ہیں۔ ناول میرے ہم زاد کافی آگے بڑھ گیا ہے۔ عامر مشتاق آپ کا خط بھی کافی پسند آیا۔ دراصل آپ نے اپنے خط میں جو محسوس کیا۔ وہی لکھا۔ آپ بھی اب کوئی ہلکی سی جھلکی ہی تحریر لے کر آگئے۔ ایس خان، ویری گڈ کافی اچھا جامع نصیحت آموز خط تحریر کیا ہے۔ آپ اچھے دل کے مالک ہیں۔ یقیناً تو پوچھنا کہ آپ کی طرف نہیں کیا جائے گا۔ جو لوگ محسوس کرتے ہیں۔ وہی کہہ دیتے ہیں۔ اس میں برا ماننے والی بات نہیں ہے اور یقیناً یہ معاملہ جو سرد پڑ گیا ہے۔ اب پھر سے اس کو تازہ نہیں کیا جائے گا۔ کافی زیادہ باتیں ہو گئیں۔ اب ذرا کہانیوں کی طرف بڑھتے ہیں۔ پہلی کہانی آصف سراج صاحب کی عاشق جن تھی۔ جو کافی زوردار عشق کی داستان تھی۔ اس عشق محبت نے جنت کو بھی نہیں چھوڑا۔ کافی اچھی لگی۔ صحرایہ جزیل، شہزاد خان کافی زوردار اور پراثر تحریر تھی۔ اللہ آپ کو سلامت رکھے۔ اس کے بعد کالی پر چھائیاں قسط نمبر 4 رضوان علی سومرو صاحب کے ناول کی طرف بڑھنے کا کافی ڈاؤن ہے۔ جس میں شیطانی طاقتیں اب مکمل کر زہیر کے پیچھے پڑ گئی ہیں۔ ناول آگے اور تیزی سے بڑھتا دکھائی دیا۔ جس میں شیطان کی آمد نے کافی تھمک چڑایا ہے اور زیر کوششیاں مہرہ بنا کر چھوڑ دیا ہے۔ پراسرار سر، امان اللہ نیر شوکت ارے جناب تو آتے ہی چھا گئے، بھائی اس ماہ آپ نے کافی اچھا لکھا ہے، بابا کرامت، نورین زہرہ آپ بہت اچھا لکھتی ہیں، یہ آپ جتنی کافی بہترین تھی۔ جس میں گھر کے دوستیلے رشتے کافی بہترین انداز میں پیش کر دیے تھے۔ ڈر سکندر حبیب اسی طرح سے لکھتے رہتا ہے۔ بہترین تحریر آپ اس ماہ لائی ہیں۔ جس میں ہلکا پھلکا سا ڈر بھی تھا اور کافی جامع انداز میں چٹنگی بھی موجود تھی۔ عقی چہرہ، کول یاسین نے اچھی تحریر لکھی ہے، ویلڈن۔ آپ کافی بہترین جاری ہیں۔ ہمایک راز، مریم فاطمہ زبردست تحریر کے ساتھ حاضر خدمت تھی، یہ اس سلسلے کی آپ کا ایک اور بہترین تحریر رہی، سایہ اقرامش کی تحریر، خوب رہی۔ آپ تو کافی تیزی سے ترقی کی میز ہیاں چڑھ رہی ہیں۔ سفید گلاب، شاہد ایس کی تحریر دل سے بہت بہت پسند آئی۔ ویسے اس تحریر میں مجھے لگتا رہا آخر میں یثا جوزف کو ہر اوکے کی، مگر یثا کی جلی چڑھا کر اس شیطان نے دم لیا۔ قمر کی پراسرار آگ ظلیل جبار صاحب کی بہت بہترین تحریر لگی ہے، ظلیل جبار صاحب، ویلڈن، اوپر کا فیصلہ، ایس امتیاز احمد کی تحریر امتیاز بس نام دیکھ کر مجھے پتہ چل جاتا ہے۔ ایک اور گریٹ تحریر آگئی ہے۔ کنا ہوا ہاتھ، ناصر محمود فرہاد دوسر بہت اچھی اور معیاری اور سلیکھ انداز میں لکھی آپ کی تحریر آئی ہے۔ پہلی نظر، ام حبیبہ کی بہت اچھی تحریر لگائی گئی ہے۔ آپ بھی خوب محنت کر رہی ہیں۔ بد شکونی سر رضوان قیوم کی ایک بہترین تحریر رہی۔ جس میں یہ بتایا گیا تھا جاوے سے کیا گیا عمل کبھی باندھ نہیں ہوتا ہے۔ دوسرا رن، نو ذیہا یہید نے بھی بہترین آخری کہانی لکھی ہے۔ عاقب نواز کی تحریر آخری شب بھی بہترین لگی ہے۔ دشت مظہر الحق علوی صاحب کا ناول قسط نمبر دو کا تیزی سے آگے بڑھتا ہوا دکھائی دے رہا ہے۔ جس میں پرانے افریقی رسم اور ان کی کہانیاں اور تو ہم پرستی اور دشمنیاں دیکھنے کو مل رہی ہیں۔

☆ عثمان غنی صاحب: دل کی گہرائی سے لکھا گیا خلوص نامہ ملا پڑھ کر بے حد خوشی ہوئی، کہانیوں کی پسندیدگی کے لئے شکریہ، امید ہے آئندہ ماہ بھی خط لکھنا بھولیں گے نہیں۔

لغزش: جنوری 2024ء کے شمارے میں کہانی کم نصیب شائع ہوئی تھی جس کے راسخ عاقب نواز ہیں۔ فہرست میں تو نام درست ہے مگر کہانی کے اندرونی صفحہ پر سکندر حبیب کا نام غلطی سے چھپ گیا ہے۔ اس کہانی اصل راسخ عاقب نواز ہیں۔

(قارئین کسی بھی قسم کی شکایت یا کہانی کے سلسلے میں بات کرنے کیلئے ڈرڈائجسٹ کے PTCL نمبر پر رابطہ کر سکتے ہیں)

☆☆

جیب کترا

مریم فاطمہ - کراچی

اچانک ہی ٹام اپنی جگہ سے نہایت پھرتی سے اٹھا اور اپنے کوٹ کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈال کر اپنا ریوالور نکال کر اس ڈمی پر تان لیا جو کہ اصل میں ایک چور تھا اور دکان میں ڈمی بن کر کھڑا ہوا تھا۔

آلیور اور مائیکل بریز پر مشتمل ڈر و خوف سے بھرپور مریم فاطمہ کے قلم سے لکھی گئی کہانی

سخت سردی پڑ رہی تھی۔ آلیور اور مائیکل تاشے سے فراغت پانے کے بعد کچھ دیر صبح کا اخبار پڑھ کر گھر سے نکلے۔ وہ کپڑوں کی دکان پر جا رہے تھے۔ انہیں اپنے لئے دستانے خریدنے تھے۔ وہ اور کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے تیز تیز چلتے ہوئے دکان کے سامنے آئے۔

پھر پہلے آلیور اور اس کے پیچھے مائیکل دکان میں داخل ہوئے۔ اندر آ کر سر دھکی کا احساس ختم ہی ہو گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ دکان دار نے اندر زبردست ہینگ سسٹم رکھا ہوا تھا۔

دکان زیادہ بڑی نہیں تھی۔ لیکن اس دکان میں لیڈیز اور جینٹس سبھی کے کپڑے موجود تھے۔ آلیور اور مائیکل نے دیکھا کہ کاؤنٹر دکان کے بالکل آخر میں تھا اور کاؤنٹر پر ایک بوڑھا آدمی جو کہ دکان کا مالک تھا اور بظاہر ایک سمجھدار اور سلجھا ہوا شخص معلوم ہوتا تھا بیٹھا ہوا تھا۔

وہ دونوں اپنے لئے دستانے دیکھنے لگے۔ وہاں یہ لیڈیز اور جینٹس کے کپڑے لٹکے ہوئے تھے۔ آلیور اور مائیکل اس سائیڈ پر سے جہاں چٹونیں، اوور کوٹ، میٹھیں اور ہیٹ رکھے تھے، گزرے تو آلیور کو ہلکا سا

دھکا لگا۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ لیکن وہاں کوئی نہیں تھا جو اسے دھکا دینے کا ذمہ دار ہو۔ آلیور اسے اپنا دھم بھم کر مائیکل کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ انہوں نے اپنے لئے بہترین گرم دستانے لئے اور خوش خوشی کاؤنٹر کی طرف آئے۔ دکان دار نے انہیں مسکرا کر دیکھا۔ انہیں دیکھ کر انہیں لگا کہ انہوں میں ایک خاص جگہ آگئی۔

دکان دار بولا: ”جی مسٹر آلیور اور مسٹر مائیکل کیا پسند کرنے آئے ہیں۔“

آلیور اور مائیکل نے ایک دوسرے کو دیکھا اور ہلکا سا مسکرا دیئے۔

دکان دار: مجھے بڑی خوشی ہے کہ آپ کے اپنی دکان میں آنے کا شرف حاصل ہوا۔ میں آپ دونوں کو پہچانتا ہوں، آپ مسٹر آلیور ہیں۔ اس ملک انگلینڈ کے سب سے مشہور و معروف ڈیپلو اور یہ آپ کے دوست مسٹر مائیکل ہیں۔ آپ دونوں ساتھ میں مل کر مختلف معملے کرتے ہیں۔ میں کئی بار آپ دونوں کی تصاویر اخبار میں دیکھ چکا ہوں۔

آلیور اور مائیکل دکان دار کی خوش مزاجی اور اچھے اخلاق سے خوش ہو کر مسکرائے گئے اور باری باری

وہوں نے اس سے ہاتھ ملایا۔

آلیور: گڈ مارننگ مسٹر؟

دکان دار جلدی سے بولا: براؤن۔ میرا نام براؤن ہے۔ آپ کا میری دکان میں آنا میرے لئے بڑا مبارک ثابت ہوگا۔ آج جب میں گھر سے یہاں آنے کے لئے نکلتا تھا تو مجھے بار بار یوں لگ رہا تھا کہ جیسے آج میرے ساتھ کچھ بہت مبارک اور بہت ہی خوشگوار ہونے والا ہے اور یقین کیجئے کہ.....

ابھی براؤن کی بات سچ میں ہی تھی کہ ایک بوڑھی خاتون جن کی عمر کوئی 65 سال کے قریب ہوئی کا دستر کی طرف آئیں اور اپنے ہاتھ میں پکڑے ایک نہایت قیمتی گاؤں کو بڑھاتے ہوئے بولیں۔ ”یہ لیجئے بتائیے کئی رقم دوں۔“

براؤن بوڑھی خاتون کی طرف متوجہ ہو گیا۔

براؤن: 180 پاؤنڈز دے دیجئے۔

بوڑھی خاتون: ٹھیک ہے۔

براؤن: لائیے دیجئے میں اسے چیک کر دیتا ہوں۔

براؤن نے ان کے ہاتھ سے گاؤں لیا اور ابھی پیچھے کی طرف مڑا ہی تھا کہ وہ بوڑھی خاتون اپنے پرس میں دیکھ کر زور سے چلائیں۔

بوڑھی خاتون یہ کیا ہو گیا۔ میرے پانچ سو پاؤنڈز میرے پرس میں سے غائب ہیں۔

آلیور اور مائیکل نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

آلیور جیسی آواز میں مائیکل سے بولا: لوہو کیا ہمارا یہاں آنا براؤن کے لئے مبارک ثابت۔

ان بوڑھی خاتون کی آواز پر براؤن پلٹا۔ وہ کچھ حواس باختہ سا لگ رہا تھا جبکہ اس سے کہیں زیادہ وہ خاتون حواس باختہ لگ رہی تھیں اور نہایت بے چین نظر آ رہی تھیں۔

بوڑھی خاتون: ہائے میں لٹ گئی۔ کسی نے

میرے پورے پانچ سو پاؤنڈز چوری کر لئے۔ اور پھر وہ

گو یا جیسے نعرے بازی کرنے لگیں۔

بوڑھی خاتون: چور چور چور چور۔ اس دکان میں

ہے کوئی چور چور۔

مائیکل نے آلیور کے کان میں سرگوشی کی: گلت

ہے کہ یہ معاملہ ایسے ختم نہیں ہوگا۔ میں نے آج صبح

ریڈیو پر خبروں میں سنا تھا کہ رات تک طوفان آسکا

ہے۔ لیکن مجھے پورا یقین ہے کہ طوفان ابھی صبح ہی

آجائے گا۔ اور بڑا خطرناک طوفان آئے گا۔ میں تمہیں

بتا دوں۔ آلیور۔

آلیور: ویسے ایک بات کہوں مائیکل جس جگہ ہم

جائیں گے وہاں طوفان نہ آئے ایسا کافی مشکل سے ہی

ہوتا ہے۔

دوسری طرف براؤن اس اچانک افتاد پر

گھبرا گیا۔

براؤن: ایک منٹ میں آخر ہوا کیا ہے۔ آپ

کے پانچ سو پاؤنڈز پرس میں سے غائب ہیں؟

براؤن کا لہجہ سوالیہ تھا جس پر وہ بوڑھی خاتون

بھڑک اٹھیں اور براؤن کی طرف ہاتھ مارتی ہوئی بولیں:

اور کیا بتا رہی ہوں میں اتنی دیر سے۔ ارے کیا تمہیں

سنائی نہیں دیتا ہے۔

براؤن گھبرا کر پیچھے ہٹا۔ آلیور اور مائیکل سمجھ

چکے تھے کہ جو بوڑھی خاتون اب سے تھوڑی دیر پہلے

شائستہ اور مہذب نظر آ رہی تھیں۔ درحقیقت کتنی بے

وقوف اور جاہل ہیں۔

دکان میں موجود دوسرے گاہک بھی ان کی چیخ و

پکار سن کر اس طرف چلے آئے۔ سب کے چہرے سوالیہ

نشان بنے ہوئے تھے۔

آلیور اور مائیکل نے دیکھا کہ ان بوڑھی خاتون

کے علاوہ وہاں ایک خوب رو اور پرکشش نوجوان سوٹ

بوٹ میں کھڑا تھا۔ ایک لڑکی جو نہایت خوبصورت تھی اور

اس کے چہرے کی معصومیت سے یوں لگتا تھا کہ نہایت

میٹھا بولتی ہوئی کھڑی تھی۔

ایک بوڑھا آدمی جس نے پرانے فیشن کے

پکڑے اور پرانے فیشن کی ہی ہیٹ بھی سر پر پہن رکھی

تھی جس سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ اس کے علاوہ ایک بچہ

بھی منہ کھولے حیرت سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

یعنی آلیور اور مائیکل سمیت دکان میں اس وقت

سات گاہک موجود تھے۔ بوڑھی خاتون کا دادیلا کرنا

ہنوز جاری تھا۔

بوڑھی خاتون: ہائے میرے پانچ سو پاؤنڈز۔

براؤن نے آلیور کی طرف مدد طلب نگاہوں

سے دیکھا۔

براؤن: مسٹر آلیور کچھ کیجئے۔ آپ ڈیٹیکو ہیں۔

برائے مہربانی معاملہ سنبھالیے۔

آلیور: آپ پریشان مت ہوں مسٹر براؤن۔

یہ ایک چوری کا کیس ہے جسے میں نے اپنے ہاتھوں میں

لے لیا ہے اور اب کیس کو حل کئے بغیر نہیں رہوں گا۔

آلیور نے باقی تمام گاہکوں کی طرف دیکھا۔

آلیور: خواتین و حضرات میرا نام آلیور ہے۔

میں ایک ڈیٹیکو ہوں۔ یہاں ان خاتون کے پرس میں

سے 500 پاؤنڈز غائب ہو گئے ہیں۔ یعنی چوری

کر لئے گئے ہیں۔

میں یہاں یہ پتا لگانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ وہ

500 پاؤنڈز کس نے چوری کئے ہیں۔ دکان میں اس

وقت مسٹر براؤن جو کہ اس دکان کے مالک ہیں اور میں

اور میرے دوست مائیکل جو کہ میرے ساتھ مل کر مختلف

معاملے کرتے ہیں اور باقی آپ سب کو مل کر آٹھ لوگ

ہیں۔ سب سے پہلے تو آپ سب مجھے باری باری اپنا

نام بتائیے تاکہ آپ سب کو مخاطب کرنے میں مجھے

آسانی ہو جائے۔

سب لوگ آلیور کو بڑے غور سے دیکھ رہے

تھے۔ اس خوبصورت لڑکی کو دیکھ کر یوں لگ رہا تھا کہ وہ

اس سارے ڈیٹیکو والے معاملے میں نہیں پڑنا چاہتی

تھی۔ وہ بچہ بھی کچھ گھبرا یا ہوا سا لگ رہا تھا۔ وہ بوڑھا

آدمی ساٹ چہرے لئے انہیں دیکھ رہا تھا جبکہ وہ خوب رو اور

پرکشش نوجوان کسی سوچ میں غم نظر آ رہا تھا۔ اس کی

نگاہیں نہایت جاچتی ہوئی تھیں۔

آلیور سب کی نگاہیں خود پر مرکوز دیکھ کر ہلکا سا

مسکرایا۔ پھر بات شروع کی۔

آلیور: چلیے سب سے پہلے آپ اپنا نام بتائیے۔

اس نے ان بوڑھی خاتون کی طرف اشارہ کیا۔

بوڑھی خاتون میرا نام کیتھرین ہے اور میرے

پانچ سو پاؤنڈز چوری ہو گئے ہیں۔ ہائے میں لٹ گئی۔

وہ بوڑھی خاتون جس کا نام کیتھرین تھا ایک بار

پھر سے شور مچانے لگیں۔ لیکن آلیور نے انہیں ہاتھ اٹھا

کبر روک دیا۔ پھر اس لڑکی کی طرف اشارہ کیا۔

آلیور: اور آپ کا نام کس؟

لڑکی ذرا منہ بتاتے ہوئے بولی: اسمیلا۔

آلیور نے وقت ضائع کئے بغیر اس بوڑھے

آدمی کی طرف دیکھا۔

وہ فوراً سے بولا: راجر۔ میرا نام راجر ہے۔

آلیور نے بچے کی طرف دیکھا۔

آلیور: اور ختمیے بچے تمہارا نام کیا ہے؟

وہ بچہ کچھ ہچکچاتا ہوا بولا۔ میرا نام آر تھر ہے۔

آلیور: اور اب آخر میں آپ رہ گئے ہیں۔ مسٹر

آپ کا نام کیا ہے؟

آلیور نے اس لڑکے سے پوچھا۔

وہ لڑکا کچھ دیر سوچنے کے بعد بولا: میرا نام

نام ہے۔

آلیور: بہت بڑھیا۔ سب کے نام ہم جان چکے

ہیں۔ اب ہمیں ایک دوسرے کو مخاطب کرنے میں کوئی

وقت پیش نہیں آئے گی۔ تو چلیے سب سے پہلے تو آپ

سب ہی لوگ اپنے پاس اچھی طرح چیک کر لیجئے کہ

کہیں آپ میں سے کسی کے بھی پیسے چوری تو نہیں

ہو گئے۔ میں اپنے پاس بھی دیکھتا ہوں۔

آلیور نے اپنی جیب میں دیکھا اور پھر بولا: لیجئے

خواتین و حضرات میری توقع کے عین مطابق میرے

پاس سے 100 پاؤنڈز غائب ہیں۔

پھر وہ مائیکل کی طرف گھوما۔

آلیور: مائیکل اب ذرا تم بھی اپنی جیبیں

ٹٹول لو۔

مانیکل نے جلدی سے اپنی جیب دیکھی۔
مانیکل: نہیں میرے پیسے میری جیب میں ہی

ہیں۔
باقی سب کو بھی اپنی فکر پڑ گئی۔ سب نے جلدی
جلدی اپنے پاس چیک کیا۔ پھر باری باری سب بتانے
چلے گئے۔

آرتھر: میری جیب میں تو سارے پیسے ہیں۔
راج: میری جیب میں بھی سارے پیسے ہیں۔
اسٹیل: میرے پرس میں بھی سارے پیسے
موجود ہیں۔

نام کچھ چنگاٹا ہوا بولا: میرے پاس سے بھی کچھ
گم نہیں ہوا۔

آلیور: چلیے ٹھیک ہے۔ اب آپ سب ہی لوگ
ایک ساتھ کرسیاں رکھ کر بیٹھ جائیے۔

آلیور نے دکان میں رکھی 6 کرسیوں میں سے
پانچ کرسیاں وہیں ایک ساتھ قطار میں رکھ دیں جہاں
گھڑے رکھے ہوئے تھے۔ سب لوگ کرسیوں پر بیٹھتے
ہوئے کچھ چنگاڑے تھے۔

اسٹیل: اٹھتے لیجے میں بولی: لیکن آخر ہم یہاں
بیٹھ کر کریں کیا مسئلہ آلیور؟

آلیور: پہلے آپ سب لوگ بیٹھ جائیے۔ پھر
بتاتا ہوں کہ کیا کرنا ہے۔

سب لوگ آلیور کی بات مانتے ہوئے کرسیوں
پر بیٹھ گئے۔

آلیور: جیسا کہ آپ سب ہی جانتے ہیں کہ مس
کیٹھرن کے پرس میں سے پانچ سو پاؤنڈز اور میری

جیب میں سے 100 پاؤنڈز غائب ہیں یعنی چوری
کر لئے گئے ہیں۔ اب مس کیٹھرن کے پیسے چوری

ہوئے ہیں۔ اس لئے انہوں نے تو پیسے نہیں لئے ہوں
گے۔ یعنی میرے پیسے کیونکہ ان کے تو اپنے پیسے چوری

ہو گئے ہیں۔
اسٹیل: طیش میں آ گئی۔

اسٹیل: مسئلہ آلیور آپ ہمیں چور ثابت کرنا چاہ

رہے ہیں۔ یہ ایک نہایت غلط بات ہے۔ ایسی حرکت
کر کے یعنی ان بوڑھی خاتون کی بات کو جھٹک کر کے
اور ہمیں مجرم ٹھہرا کر آپ خود جرم کر رہے ہیں۔

آلیور: میں ہرگز بھی ان کو شک کے گھیرے سے
باہر نہیں نکال رہا۔ مس اسٹیل ان کے پاس پانچ سو

پاؤنڈز تھے ہر صرف ان کا خود کا بیان ہے۔ ہم نہیں
جانتے کہ یہ سچ بول رہی ہیں یا یونہی خواہ بھنگامہ

کر رہی ہیں۔
ایسا کئی کمیز میں دیکھنے میں آیا ہے کہ کوئی دیوانہ

شخص اپنی دیوانگی میں آ کر کوئی ایسا کام کر دیتا ہے۔
عین ممکن ہے کہ ان کے پانچ سو پاؤنڈز ہوں

ہی نہیں اور یہ ایک دیوانی خاتون ہوں جو یہاں سب
کے سامنے جھوٹ بول رہی ہوں۔

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایسے لوگ محض سب کا
دھیان اپنی طرف کھینچنے کے لئے ایسا کرتے ہیں اس

سے انہیں خوشی محسوس ہوتی ہے۔
بس آلیور کے یہ کہنے کی دہرائی کیٹھرن آلیور کی

طرف اپنا پرس والا ہاتھ مارتی ہوئی چیخ کر بولی:
چھپھورے لڑکے ہاں تم چھپھورے ہو۔ تمہارے جیسے ہی

نوجوان لڑکے ضعیف لوگوں پر الزام لگاتے ہیں۔ تم
اپنے مایاں باپ کے ہاتھ سے نکل گئے ہو۔ تمہاری

تر بیت صحیح نہیں ہو سکتی ہے۔
بھلا میں کیوں خواہ خواہ میں بھنگامہ کروں گی۔

میں تو کہتی ہوں بارو پکڑ کے اس لڑکے کو۔ کیا نام ہے اس
کا۔ ہاں یاد آؤ بیٹیکو آلیور۔

اسٹیل: فوراً سے بولی: مسئلہ آلیور اب مجھے یقین
ہو چلا ہے کہ یہ بوڑھی پاگل ہے۔

کیٹھرن: چیپ کرو تم بڑی ہوئی نوجوان
نسل۔

اور پھر وہ براؤن اور راجر کی طرف دیکھ کر نام،
آرتھر، اسٹیل، آلیور اور مانیکل کی طرف اشارہ کرتی ہوئی

بولی: ”چلیں سب مل کر ان لوگوں کو مارتے ہیں۔
براؤن بری طرح گھبرا گیا۔

براؤن: براہ کرم آپ سب لوگ قتل سے بیڑھ
جائیے۔ مسئلہ آلیور ایک بہت اچھے انسان ہیں۔ وہ بس

اپنے طریقے سے اس معاملے کو دیکھنے کی کوشش کر رہے
ہیں۔ آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ وہ بلا وجہ آپ پر اور کسی

اور پر الزام نہیں آنے دیں گے۔
آلیور: مس کیٹھرن، مسئلہ براؤن بالکل درست

کہہ رہے ہیں۔ میں آپ کو ہرگز بھی دیوانہ نہیں کہہ رہا۔
مس اسٹیل کو یہ بات مناسب نہیں لگی تھی کہ آپ کو شک

کے گھیرے سے نکال کر ان لوگوں کو شک کے گھیرے
میں رکھا جائے صرف اس لئے میں نے یہ سب کہا۔

میں اس جرم ہونے والی تمام ممکن باتوں کو روشنی
میں لانے کی کوشش کر رہا تھا۔

آلیور کی باتوں سے کیٹھرن کا غصہ ختم ہوا۔
آلیور: اب میں باری باری آپ سب لوگوں کی

کہانی سنوں گا۔ لیکن کہانی سچی ہونی چاہئے۔ میرا
مطلب ہے کہ آپ سب مجھے باری باری اپنے بارے

میں بتائیے گا۔ ٹھیک ہے؟
سب نے اثبات میں سر ہلا دیئے۔

آلیور: چلیں شروع کرتے ہیں۔ سب سے
پہلے مس کیٹھرن میں آپ کی کہانی سنوں گا۔ یہ بتائیے

کہ آپ کا بچپن کیسا گزرا؟
کیٹھرن: آہ! کیا بتاؤں کہ میرا بچپن کیسا

گزرا۔ میرے والد ایک معمولی کلرک کی حیثیت سے
ایک دفتر میں نوکری کرتے تھے۔ آپ اندازہ لگا ہی

سکتے ہیں کہ ان کی تنخواہ کتنی کم ہوگی۔ مجھے کبھی بچپن میں
وہ ساری خوشیاں نہیں ملیں جو کہ امیر گھرانوں کے بچوں

کو ملتی ہیں۔
مجھے ہمیشہ سے ہی امیر لوگوں سے نفرت تھی اور

آج بھی ہے۔ امیر لوگ پیسہ پانی کی طرح بہاتے ہیں
اور غریب لوگوں کو پوچھتے تک نہیں۔

نام: نہیں یہ سچ نہیں ہے۔ میں ایک امیر
گھرانے کا لڑکا ہوں۔ میں ہمیشہ غریب لوگوں کی مدد

کیٹھرن: چیپ کر دو لڑکے۔
پھر وہ فوراً سے باقی سب کی طرف دیکھ کر بولی:

میں تو کہتی ہوں کہ مارو پکڑو اس لڑکے کو۔
نام: یہ بوڑھی دانتی پاگل ہے۔

آرتھر ہنسنے لگا اور تالیاں بجانے لگا۔ اسٹیل بھی
ہنس دی۔ آلیور نے فوراً سے معاملہ سنبھالا۔

آلیور: ہاں تو میں کہاں تھا۔ اب یہ بتائیے کہ
جب آپ جوان ہوئیں تو آپ نے کیا کیا؟ میرا

مطلب ہے کہ آپ کی شادی وغیرہ کس سے ہوئی؟
کیٹھرن: آہ! کیا بات کہہ دی آپ نے مسئلہ

آلیور۔ میری شادی بھی ایک غریب لڑکے سے ہوئی
تھی۔ اور آج بھی میں اس کے ساتھ رہ رہی ہوں۔

اور پھر وہ خاموش ہو گئی۔
مانیکل اور کیا آپ اپنے شوہر کے ساتھ

خوش ہیں۔
کیٹھرن: ہاں میں اس کے ساتھ خوش ہوں

لیکن پیسے کے معاملے میں ہرگز نہیں۔
وہ غصے میں لگ رہی تھی۔

آلیور: لیکن مس کیٹھرن آج آپ اپنے ساتھ
پانچ سو پاؤنڈز لے کر 180 پاؤنڈز کا گاؤن کیوں خرید

رہی تھیں۔ میرا مطلب ہے کہ اگر آپ اتنی غریب ہیں
اور پیسوں کی اتنی ہی تنگی ہے تو یہ سب؟

کیٹھرن: پھٹ پڑی: ارے بے وقوف آج
سے ٹھیک ایک ہفتے بعد ہماری شادی کی سالگرہ ہے اور

یہ ساری رقم میرے شوہر نے بڑی مشکل سے صرف اس
دن کو خوشگوار اور یادگار بنانے کے لئے جمع کی تھی۔

اس لئے آج میں اپنی شادی کی سالگرہ کے
موقع پر پہننے کے لئے گاؤن خریدنے آئی تھی لیکن

نامعلوم کس کس نے مجھ سے پانچ سو پاؤنڈز چوری
کر لئے۔ چور چور چور اس دکان میں ہے کوئی چور۔

وہ ایک بار پھر نعرے بازی کرنے لگیں۔
نام: طنز یہ ہنسنے ہوئے: ہر جہاں رہا۔

ایک بار پھر چیخ پڑی۔
 کیتھرین چپ کرو۔ ہائے کتنے چھپورے ہیں
 یہ لوگ۔
 آلیور: ٹھیک ہے سس کیتھرین: میں نے آپ کی
 کہانی سن لی ہے۔ اب میں مسٹر راجر کی کہانی سنوں گا۔
 اسٹیل: بے زاریت سے۔ مسٹر آلیور میں دیکھ رہی
 ہوں کہ یہاں ان بوڑھی اور جی کہ آپ کی اپنی رقم چوری
 ہوئی لیکن آپ بجائے مجرم کو پکڑنے کے کہانیاں سننے
 میں لگے ہوئے ہیں۔
 آرتھر خوش ہو رہا تھا۔
 آرتھر مسکراتے ہوئے: کوئی بات نہیں۔ بھلے
 مجرم پکڑا جائے یا نہ پکڑا جائے۔ مجھے تو کہانیاں سننے میں
 بہت مزہ آرہا ہے۔
 نام: ہنس دیا۔ اسٹیل: پہلے آرتھر اور پھر نام کو
 حقارت سے دیکھا۔ آلیور نے راجر کی طرف مسکرا کر
 دیکھا۔
 آلیور بچے مسٹر راجر اب آپ مجھے اپنی کہانی
 سنائیے۔ سب سے پہلے یہ بتائیے کہ آپ کا بچپن کیسا
 گزرا؟
 راجر: میرا بچپن نہایت خوشگوار گزرا۔ میرے
 بہت سارے دوست تھے۔ میرا بچپن اپنے دوستوں کے
 ساتھ شراقتیں کرتے اور کھیلتے کودتے ہوئے گزرا۔
 راجر کافی خوش نظر آ رہا تھا۔
 آلیور بچے اپنے دوستوں کے ساتھ گزرے
 وقت کا کوئی یادگار اور خوشگوار قصہ سنائیے۔
 راجر: ہاں میرے بچپن کا ایک قصہ جو آج بھی
 مجھے اچھی طرح یاد ہے وہ سناتا ہوں۔ ایک دفعہ میں اور
 میرے سارے دوست مل کر سوئٹس کی شاپ میں
 گئے۔ ہم سب نے اپنے پیسوں سے سوئٹس خریدیں
 اور آپ یقین کیجئے کہ دکان سے باہر آکر میں نے سب
 کی سوئٹس خود کھالیں۔
 بس ایسا کرنے کی دیر تھی۔ وہ سارے کے
 سارے مجھ پر پل پڑے۔ انہوں نے مجھے بہت مارا اور

جب میں گھر گیا تو میری ماں مجھے دیکھ کر پریشان ہوئی
 کیونکہ میرا سر پٹا ہوا تھا۔ باہا بڑا مزہ آیا تھا اس دن۔
 یہی تو بچپن کی خوشگوار یادیں ہوتی ہیں جنہیں
 بعد میں انسان یاد کر کے خوش ہوتا ہے۔
 آرتھر ہنسنے لگا اور تالیاں بجانے لگا۔
 نام: ہنسنے ہوئے: واقعی بڑا مزہ آیا ہوگا۔ آف!
 میرے خدا۔ کتنا پاگل آدمی ہے یہ۔
 آخری جملہ اس نے آلیور اور مائیکل کی طرف
 دیکھ کر بڑی خوشی سے کہا۔
 راجر آگ گولا ہو گیا۔ چپ کر دو گستاخ لڑکے۔
 مائیکل بری حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔
 مائیکل: یہ بتائیے کہ بڑے ہو کر آپ نے کیا کیا؟ میرا
 مطلب ملازمت سے ہے۔
 راجر: ہاں میں نے اپنی برتن بنانے والی کمپنی
 کھول لی۔ بڑا نام ہے میری کمپنی کا۔ اس ملک کی سب
 سے مشہور کمپنی ہے۔
 آلیور دچکی سے: کیا نام ہے آپ کی کمپنی کا؟
 راجر: میری کمپنی کا نام ہے کمپنی اینڈ کمپنی۔
 مائیکل اپنی ہنسی روکنے میں ناکام ہو رہا تھا۔ نام
 ہنس رہا تھا۔
 آرتھر ہنس رہا تھا اور تالیاں بجا رہا تھا۔
 اسٹیل ہنسنے ہوئے: کیا بکواس ہے۔
 کیتھرین سوچتے ہوئے: آپ کی باتیں خاصی
 عجیب ہیں لیکن نہایت دلچسپ ہیں۔
 آلیور فوراً سے چپکے ہوئے بولا: ارے واہ! یہ تو
 بڑی مشہور کمپنی ہے۔ میں اور مائیکل بھی کمپنی اینڈ کمپنی
 کے برتنوں میں ہی کھاتے ہیں۔
 راجر نے فخر سے سینہ پھلایا۔
 راجر: تم سب لوگوں میں مسٹر آلیور اور مسٹر
 مائیکل ہی سب سے اچھے ہیں۔ تم سب تو ایسے ہو۔
 آلیور: یہ بتائیے کہ جوان ہونے پر آپ نے
 کس سے شادی کی؟
 راجر: مسٹر آلیور اب میں آپ کو کیا بتاؤں۔ آہ!

بس۔ میں نے کئی عورتوں کو اپنا رشتہ پیش کیا لیکن وہ سب
 ہی کہتی تھیں کہ تم پاگل ہو۔ اور آخر میں کوئی بھی مجھ سے
 شادی کرنے پر رضامند نہیں ہوئی۔
 نام: ہنسنے ہوئے: وہ درست ہی کہتی تھیں۔
 اسٹیل: اور تمہیں بھی خوش قسمت کہ اس خطی سے
 شادی نہیں کی۔
 آرتھر الگ فہم رہا تھا۔
 راجر: مسٹر آلیور آپ دیکھ ہی سکتے ہیں کہ یہ
 تینوں کتنے چھپورے ہیں۔
 آلیور: جی ہاں! میں سب کچھ دیکھ رہا ہوں۔
 اب آپ یہ بتائیے کہ آج آپ یہاں کیا لینے آئے
 تھے؟
 آلیور اور مائیکل بے حد لطف اندوز ہو رہے
 تھے۔
 راجر: میں یہاں اپنے لئے نئے کپڑے
 خریدنے آیا تھا کہ جب ہی اس بڑھیا نے پانچ سو پاؤنڈز
 چوری ہو جانے کا شور مچا دیا۔
 کیتھرین نے منہ بسورا۔
 آلیور: بہت بہت شکریہ۔ مسٹر راجر ہمیں اپنی
 کہانی سنانے کے لئے۔ اب میں اسٹیل کی کہانی سنوں
 گا۔
 راجر جلدی سے بولا: ارے مسٹر آلیور ایک بڑی
 اہم بات تو میں آپ کو بتانا بھول ہی گیا۔
 آلیور مسکراتے ہوئے: وہ کیا مسٹر راجر؟
 راجر: میں نے پہلی جنگ عظیم لڑی تھی اور
 دوسری جنگ عظیم بھی میں نے لڑی تھی۔ یہاں تک کہ
 تیسری جنگ عظیم بھی لڑوں گا۔ ابھی تین دن بعد شروع
 ہوگی۔ آپ نے اخبار میں پڑھا ہی ہوگا۔
 آلیور چپکے ہوئے جی بالکل میں اور مائیکل روز
 اخبار پڑھتے ہیں۔ ہمیں ہر خبر معلوم ہے۔
 نام، اسٹیل اور آرتھر زور زور سے ہنسنے لگے۔
 آرتھر ہنسنے ہوئے نام سے بولا: انکل نام کیا یہ
 پاگل ہیں یا مذاق کر رہے ہیں؟

نام: ہنسنے ہوئے: لوٹ پوٹ ہوا جا رہا تھا۔
 نام: پاگل ہے۔
 راجر کی آنکھوں سے چنگاریاں نکلنے لگیں اور
 جب وہ بولا تو اس کی آواز نہایت دعب داری تھی۔
 راجر اپنی حد میں روہم توگ۔ ذرہ میں تمہارا
 کام تمام کر دوں گا۔
 نام، آرتھر اور اسٹیل راجر کو حقارت بھری نظروں
 سے دیکھنے لگے۔ آلیور نے فوراً سے معاملہ سنبھالا۔
 آلیور: چلیے اب مس اسٹیل کی کہانی سننے ہیں۔
 یہ بتائیے مس اسٹیل کہ آپ کا بچپن کیسا گزرا؟
 اسٹیل: بچپن میرا نہایت ہی شاندار گزرا۔
 میرے والد صاحب ایک بہت بڑے بزنس میں تھے۔
 مجھے بھی کسی چیز کی محسوس نہیں ہوئی۔
 مائیکل: کیا آپ کی بچپن میں سہیلیاں تھیں؟
 اسٹیل: ہاں بالکل تھیں۔ لیکن نہایت ہی بھوکی
 تنگی تھیں۔
 آلیور، مائیکل: کیا مطلب؟
 اسٹیل: مطلب صاف ہے جناب۔ وہ ساری
 غریب لڑکیاں تھیں۔ ہر وقت میرے ہنسنے لباس اور
 میری مہنگی جیولری پر نظر رکھتی تھیں، مجھ سے اکثر کہا کرتی
 تھیں۔ اسٹیل ہمیں تھوڑی دیر کے لئے اپنی جیولری پہننے
 کے لئے دے دو۔ ابھی تھوڑی دیر میں واپس کر دیں
 گی۔
 آلیور: تو کیا آپ انہیں دے دیتی تھیں؟
 اسٹیل: سوال ہی نہیں اٹھتا۔ بھلا ایسے تھوڑی
 کوئی نچلے طبقے کے لوگوں کو لوٹ کرانی چاہئے۔ ان
 لوگوں کا کیا ہے۔ یہ تو آجاتے ہیں بھوک مانتے۔
 کیتھرین بھنا کر بولی: لڑکی تم اپنی حد میں رہو۔
 یہ بھولومت کہ میں ایک غریب عورت ہوں۔ اسکی باتیں
 کہہ کر تم میری توہین کر رہی ہو۔ میں تو کتنی ہولی مار دو پکڑ
 کے اس لڑکی کو۔
 اسٹیل: مسٹر آلیور ان بڑی بی کو چپ کر لیجئے۔
 میں اس طرح اپنی بے عزتی برداشت نہیں کروں گی۔

مان لیں.....

☆.....سڑک چاہے کالج کی کیوں نہ ہو
لیکن پیدل چلنے والوں کو تھکا دیتی ہے۔
☆.....کچھ خوشی کا نام نہیں، غم اور خوشی
دونوں سے بے نیاز ہونے کا نام ہے۔
☆.....دھند ہو یا دھندلے کرے اور
دھندلے خیالات کے لوگ، یہ زندگی میں خوشی
کے بجائے ایک نامانوس سی گھٹن اور پریشانی کا
باعث ہی بنتے ہیں اور من کو بھاتے بھی نہیں ہیں۔
☆.....ہر رابطے، رشتے اور تعلق کی ایک
متعین عمر ہوتی ہے اس پر بھی جوانی اور بڑھاپا آتا
ہے۔ مزاج ترجیح اور پسند مختلف ہو تو سارے
رشتے، تعلق اور محبتیں طبعی عمر سے پہلے اپنی عمر
پوری کر لیتے ہیں۔
☆.....جو کسی مقصد کے لئے مرتے ہیں
وہ مرتے نہیں ہیں اور جو بے مقصد جیتے ہیں وہ
جیتے نہیں۔
☆.....جب بھی اعتبار کا بوجھ پڑتا ہے
تب انسانوں کی اصل اوقات کا پتہ چلتا ہے کہ وہ
کتنا اعتبار سہہ سکتے ہیں۔
☆.....کہنے والا یقین سے محروم ہو تو سننے
والا تاثیر سے محروم رہتا ہے۔
(ایس اتیا زاحمہ..... کراچی)

آرتھر مسکراتے ہوئے: میں گیارہ سال کا ہوں
اور اب سے چھ مہینے بعد بارہ سال کا ہواؤں گا۔
آلیور: ارے واہ! آرتھر میری طرف سے
ایڈوانس میں سالگرہ کی مبارکباد قبول کرو۔
آرتھر: شکریہ مسٹر آلیور۔
مائیکل مزے لیتے ہوئے بولا: آرتھر کوئی
قصد نہ تو۔
آرتھر: دیکھ تو بہت سارے قصے ہیں لیکن ایک
قصہ جو مجھے بے حد پسند ہے وہ سناتا ہوں۔ میرے برابر
والے گھر میں ایک بوڑھی خاتون رہتی ہیں۔ ان کے گھر
کالان بہت زبردست ہے۔
مجھے وہ بہت پسند ہے لیکن وہ کبھی بھی کسی بچے کو
وہاں کھیلنے یا چہل قدمی کرنے کی اجازت نہیں دیتیں۔
ایک دن میں صبح کے وقت ان کے لان میں ورزش
کرنے چلا گیا۔
میرا ارادہ تھا کہ ان کے دیکھ لینے سے پہلے میں
واپس اپنے گھر میں چلا جاؤں گا لیکن انہوں نے دیکھ لیا
اور مجھے پکڑ کر اپنے لان میں بنے چھوٹے سے کالج میں
بند کر دیا۔ میں بہت ڈر گیا تھا۔ لیکن خوش قسمتی سے ان
کے کالج میں ایک کلباڑی رکھی ہوئی تھی۔ میں نے وہ
اٹھائی اور اس کی مدد سے کالج کا دروازہ توڑ دیا اور
بھاگ کر اپنے گھر میں گھس گیا۔
آرتھر ہنسنے لگا۔
آرتھر: یقین کیجئے ان آنٹی کو اس دن بڑے
مزے کا سبق سکھایا میں نے۔
نام: وہ آنٹی اسی قابل تھیں۔
آلیور: آرتھر ایک بات بتاؤ۔ تم صرف گیارہ
سال کے ہو۔ لیکن خود اکیلے یہاں آئے ہوئے ہو۔
تمہارے ساتھ تمہارے والدین کیوں نہیں ہیں؟
آرتھر نے ایک آہ بھری پھر اپنے ہونٹ
بھینچ لئے۔
آرتھر: مسٹر آلیور یہ سب سننے میں آپ کو بالکل
اچھا نہیں لگے گا لیکن میں نے اپنی مام کے پرس میں

امیر لڑکے سے۔ لیکن اس نے بہت جلد مجھے طلاق دے
دی اور یوں میں اس سے الگ ہو گئی۔ ہاں میرے پاس
مفتی کی انگوٹھی ہے۔ اس نے مجھے مفتی کے موقع پر
ہیرے کی انگوٹھی دی تھی۔
اسٹیل: اپنا انگوٹھی والا ہاتھ دکھایا۔ کیسٹرین کی
آنکھیں پھیل گئیں۔
کیسٹرین: کیا یہ واقعی ہیرے کی انگوٹھی ہے۔
اسٹیل: ہاں یہ ہیرے کی ہی ہے لیکن یہ اس نے
دی تھی ورنہ میری اتنی اوقات کہاں تھی۔
نام: آپ جیسی لڑکیوں کی کوئی اوقات ہوئی ہی
نہیں ہے مس اسٹیل۔
آرتھر پھر ہنسنے اور تالیاں بجانے لگا۔ اسے بنتا
دیکھ کر مائیکل کو بھی ہنسی آ رہی تھی لیکن وہ بڑی مشکل سے
اپنی ہنسی روک رہا تھا۔ جبکہ نام خوش خوش ہنس رہا تھا۔
آلیور: بس ایک آخری سوال آج آپ یہاں
کیا کرنے آئی تھیں؟
اسٹیل: صاف سی بات ہے مسٹر آلیور: بھلا
کیڑوں کی دکان پر کوئی کیوں جاتا ہے۔ کیڑے لینے
کے لئے۔
آلیور مسکراتے ہوئے: نہایت معقول جواب
ہے مس اسٹیل: مجھے آپ سے اتنی اچھی بات سن کر بے
حد خوش محسوس ہوئی۔
مائیکل آلیور کو دیکھ کر مسکرا رہا تھا اور سوچ رہا تھا
کہ آلیور بھی کتنا شریک ہے۔ بتا کر ہی نہیں دے رہا کہ
اصلی مجرم کون ہے۔ نہایت گھٹنا ہے۔
نام ہنسنے ہوئے آلیور سے بولا: مسٹر آلیور ان
محترمہ نے آپ سے بات کرتے ہوئے صرف ایک ہی
معقول بات کہی ہے۔
آرتھر ہنسنے لگا۔ مائیکل بڑی مشکل سے منہ پہ
ہاتھ رکھ کر اپنی ہنسی دبا رہا تھا جبکہ آلیور نے اپنی مسکراہٹ
فورا سے چھپائی۔ جبکہ اسٹیل منہ بسورنے لگی۔
آلیور: چلو بچے آرتھر یہ بتاؤ کہ تم کتنے سال کے
ہو؟

لیور دوسری بات یہ کہ پانچ سو پاؤنڈ وزن کے چوری
ہوئے ہیں۔ بھلا مجھے کیوں خواہ مخواہ میں یہاں روکا ہوا
ہے۔
آلیور جی ہاں مس اسٹیل میں خود بھی یہی چاہ رہا
ہوں کہ جلد سے جلد یہ معاملہ منٹ جائے۔ بہر حال آپ
میرے اگلے سوال کا جواب دیجئے۔ یہ بتائیے کہ جوان
ہونے پر آپ نے کیا کیا؟ میرا مطلب کس سے شادی
کی؟
اسٹیل: رہبانے لچھے میں بولی: ارے جوان
ہونے پر ہی تو میرا برا وقت شروع ہوا مسٹر آلیور۔
میرے والد صاحب کا انتقال ہو گیا۔
میرا خیال تھا کہ انہوں نے اپنی ساری جائیداد
میرے نام کی ہوگی۔ لیکن ان کی موت کے بعد بتا چلا کہ
انہوں نے اپنی ساری جائیداد روپے وغیرہ سب کچھ
غریب لوگوں کے نام کر دیے تھے۔
میرے نام انہوں نے صرف ایک خط چھوڑا تھا
جس میں انہوں نے لکھا تھا کہ تم نہایت ہی مغرور ہو اور
میں تمہیں ایک بھی پیسہ نہیں دوں گا۔
ساری زندگی تم نے پیسے پر جھنڈ کیا۔ عیاشی کی
اور غریبوں کو نہیں پوچھا۔ اب تم خود ایک غریب انسان
کی حیثیت سے زندگی گزارو۔ تم اسی قابل ہو۔
نام طنز سے: محترمہ آپ واقعی اسی قابل ہیں۔
آرتھر ہنسنے لگا اور تالیاں بجانے لگا۔ کیسٹرین
بھی ہنسنے لگی۔ راج کا دماغ سب زیادہ خراب تھا۔ وہ بس
مسکراتے جا رہا تھا۔ اسے اس بات کی پرواہ نہیں تھی کہ
وہاں کیا ہوا ہے۔ وہ تو بس بیٹھا ہوا تھا۔
اسٹیل: مسٹر آلیور بس بہت ہو چکا اب میں
یہاں نہیں رہوں گی۔ میں جارہی ہوں۔ آلیور نے پھر
جلدی سے معاملہ سنبھالا۔
آلیور: بس کچھ دیر مزید ٹھہر جائیے مس اسٹیل۔
اسٹیل: ٹھیک ہے۔
آلیور یہ بتائیے کہ کیا آپ شادی شدہ ہیں؟
اسٹیل: ہاں مسٹر آلیور میری شادی ہوئی تھی ایک
ہو؟

سے پچاس پاؤنڈز چوری کئے اور یہاں اپنے لئے
موزے لئے کے لئے آگیا۔
لیکن اب میرا ضمیر مجھے ملامت کر رہا ہے اور
مجھے یہ سب کرنا اب بہت برا لگ رہا ہے۔ میں نے
سوچ لیا ہے کہ بغیر کچھ خریدے خاموشی سے یہ رقم واپس
اپنی ماں کے ہاں میں رکھ دوں گا۔
کیسٹر بن: دیکھ یہ بڑی چور ہے۔
تھا چور کہیں کا۔ اس نے میری رقم چوری
کی ہے۔
آرتھر: فوراً اسے اپنی جیب خالی کر کے دکھا دی۔
آرتھر: نہیں نہیں ہرگز نہیں۔ میں نے چوری نہیں
کئے ہیں۔ بھلے دیکھ لیجئے۔ میرے پاس صرف پچاس
پاؤنڈز ہیں۔
تام: مجھے تم پر فخر ہے بچے کہ تم رقم استعمال کرنے
کے بجائے واپس کرنے والے ہو۔
آرتھر: ہاں بہت اچھی بات ہے آرتھر۔
اسٹیل: مجھے تو لگتا ہے کہ یہ لڑکا نام ہی اصل چور
ہے۔ اسی نے پانچ سو پاؤنڈز چوری کئے ہوں گے۔
جب ہی یہ اتنا اچھا بن رہا ہے۔ ہاں میں جانتی ہوں۔
ایسے مجرم ہوتے ہیں جو سب کے سامنے اچھا بننے کا
دکھاوا کرتے ہیں جبکہ درحقیقت وہ بہت بڑے چور
ہوتے ہیں۔
تام: مجرم اپنی حد میں رہے۔
اسٹیل: ہونہ!
آرتھر نے ایک بار پھر معاملہ سنبھالا۔
آرتھر: مسٹر نام اب صرف آپ رہ گئے ہیں۔
اب میں آپ کی کہانی سنوں گا۔ چلیے یہ بتائیے کہ آپ
کا بچپن کیسا گزرا؟
تام بات کرتے ہوئے ہنسیا رہا تھا۔ آرتھر اور
مائیکل نے واضح محسوس کیا کہ وہ کچھ چھپا رہا ہے۔ پھر
کچھ دیر سوچنے کے بعد نام نے جواب دیا۔
تام: یہ سچ ہے کہ میرا بچپن نہایت اچھا گزرا
ہے۔ میرا اٹلی ایک امیر گھرانے سے ہے۔

آرتھر کے چہرے پر ایک شوخ سی مسکراہٹ
آگئی۔
آرتھر: مسٹر نام بھلا میں نے کب کہا کہ یہ
جھوٹ ہے۔
تام: نفیوز ہو کر اپنے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا۔
آرتھر: یہ بتائیے کہ آپ کے والد صاحب کا کیا
آپ خود کا بزنس تھا؟
تام: جی ہاں! مسٹر آرتھر ان کا اپنا خود کا بزنس
تھا۔ وہ ایک نہایت مخفی انسان تھے۔ اب سے پانچ
سال پہلے ان کا انتقال ہو گیا۔
ان کے انتقال کے بعد ان کی ساری جائیداد
میرے حصے میں آئی۔ لیکن میں نے کبھی اپنے پیسے پہ
غور نہیں کیا اور ہمیشہ غریبوں کی مدد کی۔
آرتھر: بہت خوب ہے تو بڑی اچھی بات ہے مسٹر
تام۔ اپنے بچپن کا کوئی قصہ سنائیے۔
آرتھر اور مائیکل خوش ہوتے ہوئے نام کی
طرف دیکھنے لگے۔
تام: بچپن میں جیسا کہ میں نے آپ کو بتایا
کہ میرا اٹلی نہایت امیر گھرانے سے تھا۔ تو بس ہر لڑکی
میرے پیچھے پھرتی تھی۔
لیکن ایک دفعہ ایک ایسی مغرور اور امیر لڑکی
میرے اسکول میں آئی کہ پہلے تو وہ مجھ سے دوستی کرنے
کی کوشش کرتی رہی۔ لیکن میں نے اسے کوئی لفٹ نہیں
کرائی پھر بعد میں معلوم ہوا کہ وہ تو دراصل مجھے بے
وقوف بنا رہی تھی۔
آرتھر: کیسے معلوم ہوا؟
سب ہی لوگ متوجہ ہو گئے۔
تام: اس نے اسکول میں شریر لڑکوں سے کہہ کر
مجھے خوب پتوایا۔
آرتھر نے منہ بسورا۔ اسے اس لڑکی کی یہ حرکت
ناگوار گزری جبکہ اسٹیل ہنس دی۔
اسٹیل: آپ جیسے لڑکوں کی یہی اوقات ہوتی
ہے۔ جیسے مسٹر نام۔

تام: مس اسٹیل! اپنی حد میں رہے اور غور سے
سنیے کہ پھر کیا ہوا۔
آرتھر کے بجائے آرتھر نے فوراً اسے پوچھا۔
آرتھر: پھر کیا ہوا؟
تام ہنستے ہوئے: پھر اگلے روز میں اپنے مٹل کی
ساری لڑکیوں کو لے کر اسکول پہنچا اور اسے خوب پتوایا۔
آرتھر زور زور سے ہنسنے لگا۔
مائیکل بھی چاہنے کے باوجود اپنی ہنسی نہیں روک
پارہا تھا۔
آرتھر نے خوشی خوشی مسکراتے ہوئے اس سے
سوال کیا۔
آرتھر: کیا یہ سچ ہے مسٹر نام؟
تام: جی ہاں مسٹر آرتھر یہ بالکل سچ ہے۔ بدلہ
لئے بغیر تو میں کسی کو چھوڑتا ہی نہیں ہوں۔
تام نے فخر سے کہا۔
آرتھر شوخی سے: اور اب جوانی میں کیا حال
ہیں؟
تام دھیرے سے ہنس دیا۔
تام: مسٹر آرتھر اب جوانی میں یہ حال ہے کہ
میں کسی کو بھی کوئی غلط کام کرنے کے بعد چھوڑتا ہی نہیں
ہوں۔ مجھے اپنے ملک سے پیار ہے اور میں اپنے ملک
کے لئے بہت کچھ کرنا چاہتا ہوں۔
تام نے یہ بات آرتھر سے نظریں چراتے اور
کچھ گھبرائے ہوئے ہی۔ آرتھر اور مائیکل دیکھ رہے تھے
کہ وہ کچھ چھپا رہا ہے۔
اسٹیل: مسٹر آرتھر مجھے پورا یقین ہو چلا ہے کہ یہ
ہی لڑکا چور ہے۔ سب کے سامنے اچھا بننے کا ڈھونگ
رچا رہا ہے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ یہ ہم سے کچھ چھپا رہا
ہے۔
آرتھر نے نام کو بڑے غور سے مسکراتے ہوئے
دیکھا۔
آرتھر: مجھے بھی کچھ ایسا ہی لگ رہا ہے کہ
آپ ہم سے کچھ چھپا رہے ہیں مسٹر نام۔

تام نے دونوں ہاتھ اپنے دفاع کے انداز میں
اٹھا دیے۔
تام: نہیں مسٹر آرتھر میرے پاس چھپانے کے
لئے کچھ بھی نہیں ہے۔
لیکن وہاں آرتھر اور مائیکل سمیت سب ہی یہ
محسوس کر رہے تھے کہ وہ کچھ چھپا رہا ہے۔ آرتھر نے
ایک آہ بھری۔ اور پھر آگے بڑھا اور نام کے نزدیک
کھڑا ہو کر نام کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔
اس کے لیوں پر نہایت شریر مسکراہٹ رقص
کر رہی تھی۔ مائیکل کی سائیس تھم گئیں۔ وہ جانتا تھا کہ
اب آرتھر کچھ کرنے والا ہے۔
آرتھر: سب نے اپنی کہانی سنادی ہے لیکن مسٹر
تام نے ہم سب سے کچھ چھپایا بھی ضرور ہے۔ جسے
میں ابھی اگلاؤں گا۔
لیکن اس ڈمی نے اپنی کہانی نہیں سنائی اور لگتا
ہے کہ یہ ڈمی اپنی کہانی ایسے نہیں سنائے گی۔ اسے سبق
سکھانا ہی پڑے گا۔
پھر آرتھر نے نام کے برابر میں کھڑی ڈمی کو
گدگدانا شروع کر دیا۔ ڈمی ہنسنے لگی۔ کیسٹر بن اور اسٹیل
نے چیخ ماری۔ آرتھر حیرت سے دیکھنے لگا۔ راجر بھی منہ
کھولے دیکھ رہا تھا۔ براؤن حیرت سے چلا پڑا۔
براؤن: ارے یہ کون ہے؟
اچانک ہی نام اپنی جگہ سے نہایت پھرتی سے
اٹھا اور اپنے کوٹ کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈال کر اپنا
ریوالور نکال کر اس ڈمی پر تان لیا جو کہ اصل میں ایک
چور تھا اور دکان میں ڈمی بن کر کھڑا ہوا تھا۔ نام کے ہاتھ
میں ریوالور دیکھ کر کیسٹر بن، اسٹیل اور آرتھر نے چیخ
ماری۔ براؤن بھی ڈر گیا۔ راجر بھی گھبرا گیا۔ آرتھر اور
مائیکل نے بھی چونک کر اس کی طرف دیکھا۔
آرتھر سخت لہجے میں بولا: اور یہ کیا ہے مسٹر نام۔
آرتھر نے اس کے ہاتھ میں پکڑی ریوالور کی
طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ نام نے آرتھر کی طرف
صفائی دینے والے انداز میں دیکھا۔



ڈریکولا لڑکی

کوئل یا سین-کوسٹ

وہ شادی کے دس سال تک بے اولاد تھے اولاد کے سلسلے میں وہ امریکہ گئے اور وہاں ایک پادری نے اس کی بیوی کو کالے رنگ کے خون کی مانند لیس دار سلوشن پینے کو دیا جس کو پینے کے بعد پادری نے بتایا کہ یہ ڈریکولا کا خون ہے۔

جسم میں گردش کرتے ہوئے لہو کو بخمد اور دماغ پر لرزہ طاری کرتی خوفناک کہانی

ڈاکٹروں کو میڈیکل اسٹور کی جانب سے دوائیاں دے رہے تھے کہ اچانک انھوں نے ایک بڑی کار اپنے کلینک کے دروازے پر رک دی تھی۔ کار کی شان و شوکت بتا رہی تھی مریض امیر گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ کلینک میں ایک مرد اور دو خواتین داخل ہوئیں جنہوں نے کالے برقعے پہن رکھے تھے اور چہرے کو نقاب سے ڈھانپ رکھا تھا ڈاکٹر انور سجاد سے سلام دعا کے بعد آج معمول کے مطابق وہ رات بارہ بجے انکا

گاہکوں کے قدیم اور بڑے قبرستان سے کچھ

فاصلے پر گاؤں کی جانب جاتے مین روڈ پر دانتوں کے ڈاکٹر انور سجاد کا کلینک واقع تھا جو گاؤں کا واحد کلینک اور میڈیکل اسٹور تھا اور رات بارہ اور کبھی کبھار رات ایک بجے تک کھلا رہتا تھا۔ ڈاکٹر صاحب اپنی قابلیت اور نیک نامی کی وجہ سے مشہور تھے۔

آج معمول کے مطابق وہ رات بارہ بجے انکا

پھر نام اس جب کترے کو ساتھ لے کر دکان سے باہر گیا اور ڈرائی ویر میں واپس آ گیا۔ اسٹیل نام کا مسٹر آڑا نے کو فوراً سے بولی۔ مسٹر نام تو آخر کار آپ کی اصلیت کھل کر سامنے آ ہی گئی۔ آپ پولیس کے ایک معمولی تنخواہ دار ملازم ہیں اور امیر گھرانے سے تعلق رکھنے کا ڈرامہ کر رہے ہیں۔ نام: اسٹیل کی طرف گھوا۔

نام تختی سے: بس اسٹیل میرا تعلق واقعی ایک امیر گھرانے سے ہے لیکن میں نے آپ کی طرح بھی اپنی دولت چھمکھ نہیں کیا اور ایک بات اور بتا دوں۔ میں بدلہ لئے بغیر کسی کو نہیں چھوڑتا ہوں اس بات کو ذہن میں رکھئے اور اپنی حد میں رہئے۔

اسٹیل منہ بناتی ہوئی دکان سے باہر چلی گئی۔ باقی سب بھی اپنی مطلوبہ چیزیں لے کر چلے گئے۔ پھر نام: اسٹیل کو فوراً سے دیکھنے لگا۔

نام: مسٹر آڑا ایک بات سمجھ میں نہیں آئی۔ آئیور: وہ کیا مسٹر نام اب تو میرے خیال میں ہر بات کھل کر سامنے آ چکی ہے۔

نام: میرا مطلب یہ ہے کہ جب آپ کو معلوم تھا کہ وہ ڈی اصل میں جیب کتر ہے تو آپ نے اسے پہلے ہی کیوں نہیں پکڑ لیا۔

آئیور: مسٹر نام۔ مجرم کو پکڑنے کا میرا طریقہ کار دوسرے ڈیٹیکٹو سے بالکل الگ ہے۔

مائیکل ہنٹے ہوئے: ارے مسٹر نام یہ تو نہایت گھنا اور شریہ ہے۔ آخر تک کچھ خبر نہیں ہونے دیتا۔ یہ ایک سر پھر الکا ہے۔

نام نے ایک گہری سانس لی اور پھر آئیور کی طرف دیکھا۔

نام: مسٹر آڑا آپ کے دوست مائیکل بالکل درست کہتے ہیں آپ واقعی ایک سر پھر لڑکے ہیں۔ آئیور مائیکل اور نام تینوں مل کر ہنسنے لگے۔



نام: مسٹر آئیور میں آپ سے معافی چاہتا ہوں۔ لیکن میں نے ایک بات آپ سے واقعی میں چھپائی۔ آپ نے سچ کہا تھا کہ میں کچھ چھپا رہا ہوں تو اب میں مسٹر آئیور کہ میں کیا چھپا رہا تھا۔ میں ایک پولیس انسپٹر ہوں۔ کئی روز سے اس سڑک کی دکانوں میں ایک جیب کتر لوگوں کے پیچے چوری کر رہا ہے۔ لہذا اس لئے میں نے اس جیب کترے کو

پکڑنے کے لئے منصوبہ تیار کیا اور یہاں ایک گاہک بن کر پولیس کی یونیفارم کے بجائے عام پتروں میں یہاں آیا تھا تاکہ اگر دکان میں وہی جیب کتر کسی کے پیچھے چور کر لے تو اسے پکڑ لوں۔

آئیور اور مائیکل سمیت سب ہی نے مکھ کا سانس لیا۔

نام: مسٹر آئیور دکان کے باہر پولیس کے سپاہی ایک عام گاڑی میں موجود ہیں اس لئے تاکہ کہیں پولیس کی گاڑی دیکھ کر جیب کتر یہاں دکان میں آنے سے ہچکچائے نہیں۔

آئیور: مسٹر نام ہم بھی کئی روز سے اخبار میں اسی جیب کترے کی خبریں پڑھ رہے تھے اور آج جب میں اور مائیکل یہاں اپنے لئے دستانے لے آئے تو مجھے اسی جگہ جہاں یہ جیب کتر اکھڑا ہے ہلکا سا دھکا لگا۔ اور بعد میں میرے 100 پاؤنڈز غائب ہو گئے۔

میں تب ہی سمجھ گیا تھا کہ یقیناً وہ یہی جیب کتر اس دکان میں موجود ہے۔ لیکن دھکا لگنے پر میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تھا وہاں کوئی نہیں تھا۔ میں اسے اپنا وہم سمجھا لیکن پھر جب مس کیتھرین کے پانچ سو پاؤنڈز اور پھر میرے بھی 100 پاؤنڈز چوری ہوئے تو میں سمجھ گیا کہ یہاں یہ جو ڈی کھڑی ہے دراصل وہی جیب کتر ہے۔ جو کہ ڈی بن کر کھڑا ہو گیا ہے۔

نام: مسٹر آئیور: سب سے پہلے میں اس جیب کترے کو پولیس کی گاڑی میں بھیج دوں پھر واپس دکان میں آتا ہوں۔

آئیور: جی ہاں! بالکل مسٹر نام۔

خواتین کے ساتھ آئے آدمی نے اپنا تعارف کرایا اور بتایا کہ وہ اسلام آباد سے رشتے داروں کے ہاں چھٹیاں گزارنے آئے تھے مگر ان کی بیٹی کو دانتوں کی تکلیف کا سامنا کرنا پڑ گیا ہے۔ بتاتے ہوئے ان کے چہرے پر پریشانی کے آثار نمایاں تھے۔ آئیں اندر چل کر مریضہ کا معائنہ کرتے ہیں خواتین اور آدمی اندر کلینک میں آگئے اور سامنے رکھی کرسیوں پر بیٹھ گئے جبکہ مریضہ معائنے والی کرسی پر بیٹھ گئی۔ مریضہ نے نقاب ہٹایا تو سامنے ایک حسین و جمیل کم عمری لڑکی موجود تھی۔

ڈاکٹر انور سجاد نے مریضہ سے دانتوں کی تکلیف کا حال احوال پوچھا تو مریضہ نے منہ کھول دیا دانتوں کا معائنہ کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے دیکھا کہ مریضہ کے سائڈ کے دو دانت ڈریکولا کی مانند دوسرے دانتوں سے قدرے لمبے ہیں مگر ان کی لمبائی اتنی نہیں تھی کہ منہ سے باہر جھلکیں۔ ڈاکٹر صاحب کو مریضہ کا سارا مسئلہ سمجھ میں آ گیا۔

ان کی رگڑائی کرنی پڑے گی اور ان کو رگڑ کر چھوٹا کر کے عام دانتوں کی ساخت میں ڈھالنا پڑے گا۔ یہ کوئی اتنا بڑا مسئلہ نہیں ہے ڈاکٹر نے مریضہ کے ساتھ موجود عورت اور مرد کے چہروں پر پھیلی پریشانی اور حواس باختگی کو دیکھتے ہوئے تسلی دی مگر پریشانی کے آثار جوں کے توں رہے۔

یہ ٹریٹمنٹ کس وقت دی جائے گی عورت کی گھبرائی ہوئی آواز ڈاکٹر انور سجاد نے سنی۔ یہ ٹریٹمنٹ کل صبح آپ لوگ آنا ان شاء اللہ آدھا گھنٹہ یا پندرہ میٹ کا کام ہے عورت نے دھیمے مگر سر دلچے میں دوہرایا کل صبح!!!!

ہم صبح کے وقت نہیں آ سکتے آپ ہمیں رات کا وقت دیجئے اور لگ بھگ یہی بارہ ایک کا۔ مگر اس وقت تو ہم کلینک بند کر دیتے ہیں آپ جلدی آجائیں تاکہ دن میں ہی کام کر لیا جائے۔ کیونکہ یہ گاؤں ہے یہاں لائٹ کا مسئلہ بھی ہو سکتا بعض اوقات پوری رات لائٹ نہیں ہوتی۔

اب کی بار مریضہ کی غصیلی آواز ابھری آپ سے کہہ دیا ناں دن کو ہم نہیں آ سکتے تو مہربانی فرما کر ہمیں رات کی اپائنٹ دے دیں آخری الفاظ کی ادائیگی میں آواز میں غراہٹ عیاں تھی۔

جی ٹھیک ہے آپ کو جب بھی مناسب لگے آپ آ سکتے ہیں رات بارہ بجے اور کبھی کبھی ایک بجے میڈیکل اسٹور کو بند کرنے کے اوقات کار ہیں۔ مگر آپ جب آئیں گے تو کلینک کھول لوں گا۔

یہ خطیر رقم آدمی نے بغیر اجرت جانے ڈاکٹر کی جانب بڑھادی۔

ہم ایک بجے آئیں گے آپ کلینک نہیں بند کریں گے لڑکی نے ادائے بے نیازی سے حکم دیا اور میکا کی انداز میں چلتی ہوئی باہر کی جانب بڑھ گئی پیچھے مرد اور عورت جو غالباً لڑکی کے ماں باپ تھے تیزی سے لڑکی کے پیچھے لپکے۔

ڈاکٹر انور سجاد نے کلینک بند کیا مگر آج دماغ میں بار بار لڑکی آدمی اور عورت کا خیال گھوم رہا تھا۔

ڈاکٹر انور سجاد جانتے تھے کہ ایک دانتوں کی ساخت ہوتی ہے جو دانتوں کے مخصوص اوزار سے رگڑ کر چھوٹے اور دانت کو ساخت میں ڈھالے جاسکتے ہیں مگر یہ رات میں جو علاج نا کرنے کی ضد تھی سمجھ سے باہر تھی۔

خیر اگلی رات ایک بجے جب کلینک اور سڑک سنسان پڑے تھے تو کل والی کار آ کر کلینک کے سامنے رکی اور وہی تینوں کار سے برآمد ہوئے مریضہ کا معائنہ اور علاج جاری ہوا مگر یہ کیا رگڑائی کا اوزار تو ڈریکولا جیسے دانت سے ٹکرا کر ٹوٹ گیا اور نوٹے وقت تیزی سے گھومتے ہوئے ڈاکٹر انور سجاد کی انگلی کو تیزی سے چھوتا مگر اکت لگا تا ہوا زمین پر گر گیا اور ساتھ ہی انگلی سے خون کا فوارہ نکل کر لڑکی کے منہ میں بہنے لگا۔

ڈاکٹر انور سجاد نے اپنے دوسرے ہاتھ سے انگلی کو بوج کر خون روکنے کی کوشش کی مگر مریضہ کے منہ میں ڈاکٹر انور سجاد کا خون جا چکا تھا جس کو مریضہ نے فوراً منہ بند کر کے مزے سے چاٹ لیا۔ ڈاکٹر صاحب کی

ہاں یہ پتہ میں ہیں۔

لڑکی کے دانت تیزی سے بڑھتے ہوئے تقریباً ایک فٹ کے ہو گئے اور لڑکی نے ڈاکٹر صاحب کو سنبھلنے کا موقع دینے بغیر ڈاکٹر صاحب کی گردن میں دانت گھونپ دیئے تھے خون کے فوارے پر لڑکی نے منہ رکھ کر پینا شروع کر دیا تھا لڑکی نے ڈاکٹر کے جسم سے خون کا ایک ایک قطرہ تک چوس لیا ڈاکٹر صاحب کی رنگت پیچی ہو چکی تھی اور ڈاکٹر صاحب زمین پر بے سہ گھر پڑے۔

مہج ڈاکٹر صاحب کے کلینک سے ڈاکٹر صاحب کی لاش برآمد ہوئی پولیس کاروائی اور پوسٹ مارٹم کے بعد معلوم ہوا کہ جسم میں خون کا ایک قطرہ بھی موجود نہیں اور ساتھ ہی جسم میں خطرناک زہر پھیلا ہوا تھا جس سے لاش نیلی پڑ چکی تھی گردن پر موجود دو نوکیلے دانتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اذنی کام چوری سے کام لیتے ہوئے پولیس نے وجہ موت سانپ کے کاٹے کو قرار دیتے ہوئے کیس اور ڈاکٹر صاحب کی موت کے راز کو منوں مٹی تلے دبا دیا۔

اب یہ سلسلہ تقویت پکڑنے لگا کہ گاؤں میں آئے روز لاشیں ملنے لگیں جن کی جسم میں خون کا قطرہ بھی موجود نا ہوتا اور لاش نیلی پڑی ہوئی جب پولیس پر پریش پڑا تو پولیس نے سخت کاروائیاں کیں رات کو علاقے کی تمام پولیس گشت کرتی جس سے لاشیں ملنے کا سلسلہ ختم ہو گیا۔

رات کا وقت تھا اسلام آباد شہر کے بڑے ڈینٹل کلینک پر اس وقت رش نہ ہونے کے برابر تھا کلینک بند ہونے کا وقت قریب تھا کہ ڈاکٹر صاحب کو مریض کی آمد کی اطلاع ملی۔ یہ ایک حسین و جمیل مریضہ تھی جس کے دانتوں کی ساخت ڈریکولا نما تھی ڈاکٹر صاحب نے دانتوں کا معائنہ کرنے کے لئے جیسے سر آگے کیا مریضہ نے اپنے دانت ڈاکٹر صاحب کی گردن میں گاڑ دئے خون کے فوارے کو گھونٹ گھونٹ پیتے لڑکی کی نظری سی

ٹی وی کیمرے کی جانب بڑی لڑکی نے مسکرا کر وحشیانہ انداز میں ڈاکٹر کی گردن کو گھونٹا اور منہ میں گردن سے گوشت کا ٹکڑا اٹھ کر کیمرے کی جانب اچھال دیا۔ پولیس کی کاروائی سے خوفناک شواہد سی سی ٹی وی فوٹیج کے ذریعے منظر عام پر آ گئے سی سی ٹی وی فوٹیج میں لڑکی کے ڈاکٹر کے خون پینے اور گوشت نوچنے کی ویڈیو سوشل میڈیا پر وائرل کر دی گئی شہر کے تمام ڈینٹل کلینکس پر لڑکی کے پوسٹر آویزاں کئے گئے تاکہ اگر لڑکی دوبارہ کسی ڈاکٹر کو شکار بناتی ہے تو اسے پکڑا جا سکے مگر تمام تر کاروائیوں کے باوجود شہر کے کلینکس میں ڈاکٹر واپس پر جان لیوا حملے ہوتے رہے یہاں تک کہ سی سی ٹی وی میں ریکارڈ وڈیوز میں مختلف لڑکیاں ہوتیں جو ڈاکٹر کا خون پی چکی تھیں۔ پولیس کے لئے یہ معاملہ حل کرنا ناممکن تھا۔ آئی جی صاحب نے حکمت عملی کے تحت اس معاملہ کو حل کرنے کی کوشش کیں مگر یہ بات ثابت ہو چکی تھی کہ یہ انسان کا کام نہیں ناکامی کے باعث بات اوپر تک گئی۔

حکومت نے اعلان کیا جو شخص اس معاملہ کو حل کرنے میں کامیاب رہا اسے خطیر رقم سے نواز دیا جائے گا۔

عالموں جاوہر گردوں اور بابے سب نے ایڑی چوٹی کا زور لگالیا مگر ناکام رہے سوشل میڈیا کے ذریعے یہ معاملہ دنیا بھر میں پھیل گیا امریکہ میں ایک آدمی تھا مینس ایڈورڈ جو ڈریکولا ہنر مشہور تھا خبر دیکھ کر پاکستان آیا پولیس ریکارڈ میں موجود تمام ڈریکولا کے شکار بننے والے انسانوں کے کیسز کا مطالعہ کیا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ یہ ایک ہی ڈریکولا لڑکی ہے جس نے ہمیں اور نقوش بدل بدل کر ان سب کا شکار کیا ہے۔ اب ڈریکولا لڑکی کو پکڑنے کی حکمت عملی بنائی گئی۔

تھامینس ایڈورڈ نے شہر کے تمام کلینکس کو ہفتے کے لئے بند کر دیا اور خود ایک سنسان علاقے میں کلینک کھول کر ڈاکٹر کا روپ دھار کر بیٹھ گیا تھا مینس ایڈورڈ نے شکار پھسانے کے لئے جال پھینک دیا تھا اور ایک رات شکار خود چل کر شکاری کے پاس آ گیا تھا۔



پراسرار روم میٹس

خلیل جبار

اچانک کمرے میں زوردار قہقہہ بلند ہوا، آواز کی سمت دیکھنے پر وہی شخص نظر آیا۔ جس نے خود کشی کی کوشش کی تھی۔ وہ بالکل تندرست توانا نظر آ رہا تھا۔ جب میں نے دروازے پر گہرے ہوئے شخص کو دیکھا۔

رات کے گھٹا نوپ اندھیرے میں جنم لینے والی ذہن پر خوف کی چادر ڈالتی لرزہ بر اندام کہانی

کمرے کے دروازے پر کمرہ صورت کا شخص کھڑا تھا، اس کے ہاتھ میں ایک بڑا سا خنجر بھی تھا، مجھے اپنی جانب متوجہ پا کر وہ زور سے ہنسا اور مجھے ڈرانے کو اس نے خنجر اپنے دل میں گھسا دیا، دل کے مقام سے خون بہنے لگا اور کمرے کے فرش پر خون ہی خون نظر آنے لگا۔

اپتال کے اس کمرے میں آئے مجھے ایک ماہ

ایڈورڈ کو اپنا شکار بنا سکتی تھی مگر تھامس ایڈورڈ نے اس صورتحال سے بچنے کا راستہ پہلے سے سوچ رکھا تھا۔ تھامس ایڈورڈ نے دنیا کا پاور فل بے ہوشی کا انجکشن لڑکی کے بازو میں بھونپ دیا ڈریکولا لڑکی کو قید کر کے بے ہوشی کے بار بار انجکشن دیئے گئے اور ایک محفوظ مقام پر لڑکی کو دن کی روشنی میں آگ لگا دی گئی۔

دوران تفتیش لڑکی کے ساتھ موجود عورت مرد نے بتایا کہ وہ شادی کے دس سال تک بے اولاد تھے اولاد کے سلسلے میں وہ امریکہ گئے اور وہاں ایک پادری نے اس کی بیوی کو کالے رنگ کے خون کی مانند لیس دار سلوشن پینے کو دیا جس کو پینے کے بعد پادری نے بتایا کہ یہ ڈریکولا کا خون ہے اور اس خون کو پینے سے تمہیں اولاد ہوگی جو تمہیں مجھے دینی پڑے گی اسکے بعد تمہاری بہت سی اولادیں ہوں گی مگر پہلی اولاد مجھے دینی پڑے گی۔ جب لڑکی کی پیدائش ہوئی تھی تو لڑکی کی ماں کو انسانی خون پینے کی لت لگ گئی مگر یہ لت لڑکی کی پیدائش کے بعد ختم ہو گئی۔

بہی کی پیدائش ہوئی اور اتنی حسین بیٹی نے ماں کی نیت کو خراب کر دیا اور لڑکی کی ماں اپنے وعدے سے کمر گئی۔ پادری کی دو سال بعد ڈھتھ ہو گئی مگر پادری کی ایک ای میل لڑکی کے باپ کو مرنے سے کچھ عرصے پہلے ہی کہ وعدہ خلائی کی سزا ضرور ملے گی اور شیطان ضرور ملے گا۔

لڑکی بہت سی ایسی خصوصیات کی حامی تھی جو ناقابل یقین تھی لڑکی اپنے چہرے کے نقوش بدل سکتی تھی اور دانتوں کو اپنی مرضی سے لمبے اور چھوٹے کر سکتی تھی۔ لڑکی کو بیس سال بعد انسانوں کے خون پینے کی لت لگ گئی ماں باپ اکھوتی بیٹی سے بے پناہ محبت کرتے تھے اور اس محبت میں جائز ناجائز ہر معاملے میں ساتھ دیتے تھے۔ مگر آج خالی ہاتھ رہ گئے تھے برائی کا انجام برائی ہوتا ہے۔



آج بھی ایک مرد اور دو خواتین کلینک میں داخل ہوئے تھامس ایڈورڈ نے آپریشن روم سے پہلے ڈسکشن روم بنایا تھا جس کو سریش کی بیماری کی ہسٹری سننے کی جگہ اور معائنہ کرنے کی جگہ کو دیواروں کے کراٹک الگ کیا گیا تھا۔

مریض کے ساتھ آئے مرد نے ڈاکٹر صاحب کو بتایا کہ ان کی بیٹی دانت کے درد میں مبتلا ہے اور درواتا شدید ہے کہ کھایا پیا کچھ نہیں چاربا۔

ڈاکٹر نے مریض کو آپریشن روم میں آنے کو کہا مریض ہسپتالی اور مرد اور عورت کی جانب دیکھتے ہوئے کہا آپ دونوں بھی آئیں مگر تھامس ایڈورڈ نے باقی دونوں بیمارداروں کو ساتھ آنے سے منع کر دیا جس پر دونوں ہسپتال سے گئے مگر لڑکی نے اشارے سے دونوں کو ٹھہرنے کا کہا۔

تھامس ایڈورڈ کو اپنے تجربے سے یہ اندازہ ہو چکا تھا کہ یہ دونوں انسان ہیں ڈریکولا صرف لڑکی سے مگر یہ کیا معنہ ہے کہ ان دونوں کو شکار نہیں بنا رہی تھامس ایڈورڈ ڈریکولا لڑکی کو آپریشن روم میں لے کر گیا اور پیچھے سے قانون نافذ کرنے والے اداروں نے دونوں مرد عورت کو گرفتار کر کے بکتر بند گاڑی میں ڈالا اور لے گئے۔

تھامس ایڈورڈ نے ڈریکولا لڑکی کا معائنہ شروع کیا منہ کھولنے پر نوکیلے لمبے دانت برآمد ہونے لگے اور لڑکی کی آنکھوں کی پتلیاں سکڑ کر کالا گڑھے کی صورت ہو گئیں ڈریکولا لڑکی نے تھامس ایڈورڈ کی گردن میں نوکیلے دانتوں سے وار کرنا چاہا مگر تھامس ایڈورڈ نے معائنہ کرنے والی کرسی میں ایسے سسٹم بنوائے ہوئے تھے کہ ایک ہٹن دبانے سے کرسی سے ہتھکڑیاں نمودار ہوئیں اور لڑکی کے ہاتھوں کو جکڑ لیا اور سر رکھنے والی جگہ سے ایک لوہے کی سلاخوں سے گردن اور چہرے کو جکڑ لیا گیا نوکیلے دانتوں سے لڑکی نے لوہے کو کاٹنے کی کوشش کی جو کامیاب ہونے لگی تھامس ایڈورڈ کے پاس وقت کم تھا ڈریکولا لڑکی سلاخوں کو کاٹ کر تھامس

”ماں“

ماں تمہارے وجود کی گود ہے۔

تم ”ماں“ کے وجود کا حاصل ہو۔

”ماں“ اس زمین کی طرح ہے جو اپنے

طن میں حرارت اور برودت ایک ساتھ

چھپائے رکھتی ہے جس سے تخلیق نمود پاتی ہے

اس طرح ”ماں“ تمہیں اس وقت تک اپنی

کوکھ میں چھپائے رکھتی ہے، جب تک تمہارا

وجود نمود نہیں پایا جاتا۔

”ماں“ سرد راتوں میں گرمی کی وہ لہر

ہے جو رگوں میں دوڑتے لہو کو گرما کر فرحت

بخشتی ہے۔

”ماں“ جھلسا دینے والے گرم دن میں

نرم و لطیف چھاؤں کی مانند ہے۔ جو رگوں

میں دوڑتے سیسہ لہو میں سکون و لطف و

انسابت بھر دیتی ہے۔

یاد رکھو ”ماں“ تم پر حق رکھتی ہے۔ اور

کامل انسان ”ماں“ کی دعاؤں کا وہ ثمر ہے

جس کا قرب لوگوں کے دلی سکون کا باعث

ہوتا ہے۔“

(انتخاب: نگہت غفار، کراچی)

پھر کپڑوں پر پانی ڈال کر کسی نے گیل کر دیا۔ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیسے ہوا کرے کا دروازہ کھلا۔ عیسیٰ اندر داخل ہوا۔ وہ مجھے پریشان دیکھ کر بولا۔

”کیا ہوا کچھ پریشان لگ رہا ہے۔“

”ہاں پریشانی کی بات تو ہے۔“

”ایسا کیا ہو گیا؟“ عیسیٰ نے پوچھا۔

”کمرے میں کوئی آیا بھی نہیں اور کپڑوں پر کسی

نے پانی پھینک کر گیل کر دیا۔“

”کپڑوں پر کہیں بھی پانی نظر تو نہیں

آ رہا۔“ عیسیٰ نے غور سے میرے کپڑوں کو دیکھتے

ہوئے کہا۔

اس کی بات پر میں چونکا کیونکہ میرا چونکا

فطری عمل تھا۔ عیسیٰ بالکل ٹھیک کہہ رہا تھا۔ کپڑوں پر

پانی کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ میری حیرت کی انتہا

نہیں رہی۔ عیسیٰ کے آنے سے قبل میرے کپڑے پانی

میں بھیگ چکے تھے، لیکن اب وہ سوکھے ہوئے تھے۔

”ارے واقعی تم ٹھیک کہہ رہے ہو، میرے

کپڑے بالکل گیل نہیں ہیں۔“ میں نے کہا۔

عیسیٰ کے آ جانے پر میں دوبارہ کام میں

مصروف ہو گیا۔ میں بظاہر کام میں مصروف تھا لیکن نہ

جانے کیوں بار بار میرا ذہن اسی طرف جارہا تھا کہ

کپڑے گیلے ہوئے تھے پھر اتنی جلدی کیسے سوکھ گئے،

ضرور کوئی گڑبڑ ہے۔ دو دن گزرنے پر رات کو ایک

بچے بھی اتفاق سے آفس میں اکیلا ہی تھا۔ عیسیٰ کو میں

نے چائے لینے باہر بھیجا ہوا تھا۔ اچانک مجھے کمرے

میں کسی کے چلنے کی آواز سنائی دی۔ میں نے چونک کر

آواز کی سمت دیکھا۔ وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ میں سوچ

میں پڑ گیا۔ کمرے میں کوئی دکھائی نہیں دے رہا ہے اور

چلنے کی آواز اسی ہے۔ جب کوئی دکھائی نہیں دیا۔ میں

دوبارہ فائل دیکھنے لگا۔ آفس کا بیرونی دروازہ زور سے

بند ہونے کی آواز پر میں بری طرح چونکا۔ اسی وقت

کسی نے دروازہ زور سے بجادیا یہ دیکھنے کو میں اپنی جگہ

سے اٹھا، اور دروازے کی طرف آیا دروازہ کھول کر

”یہاں کمرہ بننے سے پہلے کیا تھا؟“ میں نے

پوچھا۔

”یہاں پرانے وقتوں کا بنا ہوا چھوٹا سا کمرہ تھا

جس میں لاشیں رکھی جاتی تھیں، ان لاشوں کی

حالت بہت خراب ہوا کرتی تھی، حادثات میں مر

جانے والے افراد کی لاشیں ہوتی تھیں اصل تو بری

طرح سے کٹی ہوئی ہوتی تھیں، جیسے کسی نے بے

دردی سے کاٹ کر جسم کے ٹکڑے کر دیئے ہوں۔“

عیسیٰ نے بتایا۔

”حادثات میں ہلاک ہو جانے والوں کی

لاشیں اس نوعیت کی ہی ہوتی ہیں۔“ میں نے کہا۔

”جب لاشیں رکھنے کو دوسرا کمرہ تیار ہو گیا تو

اس کمرے کو مسمار کر کے یہ کمرہ بنایا گیا کمرے کے ارد

گرد جگہ خالی ہونے پر اس حصے کو بھی کمرے میں شامل کر

لیا گیا۔“

”تجہی یہ کمرہ بہت بڑا بنا ہوا ہے۔“ میں

نے کہا۔

”سر یہ اچھا ہو گیا کہ ہم لوگ یہاں منتقل ہو گئے

ہیں۔“ عیسیٰ نے کہا۔

”دیکھ لو عیسیٰ ہمیں ایک ماہ ہو گیا ہے، کسی

آسیب سے ہمارا واسطہ نہیں پڑا۔ میں نے کہا۔

وہ میری بات پر مسکرا کر رہ گیا۔ ایک ماہ پورا

ہونے پر میری ڈیوٹی رات میں ہو گئی۔ رات کو آفس

میں عملہ کم ہوتا ہے۔ کام کم ہونے کی وجہ سے زیادہ عملے

کی ضرورت بھی نہیں ہوتی۔

ایک رات میں آفس میں موجود تھا۔ میرے

ساتھیوں میں عیسیٰ اور مظہر بھی آفس میں تھے، لیکن

دونوں کو آفس کے کام سے باہر جانا پڑ گیا۔ اکیلا ہونے

کے باوجود مجھے کسی قسم کا کوئی خوف نہیں تھا اچانک ایسا لگا

کہ آفس میں کوئی داخل ہوا ہے، لیکن دکھائی نہیں دیا۔

اپنا وہم جان کر میں آفس کو دوبارہ سے دیکھنے لگا۔ چند

منٹ گزر جانے پر کسی نے میرے کپڑوں پر پانی پھینک

دیا مجھے حیرت کا جھٹکا لگا۔ کمرے میں کوئی بھی نہیں ہے،

خدمت کرنے کو وہ چوس رہتا تھا۔ معمول کے مطابق

آج بھی عیسیٰ کمرے کے باہر کسی پر بیٹھا تھا۔ مجھے

قادر دیکھ کر وہ میرے پاس آیا۔

”سر آپ کی بدولت یہ کمرہ پھر سے آباد ہو

گیا ہے۔“

اس کمرے کو بند کیوں رکھا ہوا تھا۔

”میرا اس کمرے کے بارے میں عجیب و غریب

باتیں مشہور ہیں جس کی وجہ سے کمرہ بند تھا۔“

”کیسی باتیں؟“

”یہ آسب زدہ کمرہ ہے۔“

”آسب زدہ کمرہ۔“ میں چونکا۔

”ہاں سردرات میں اس کمرے میں پر اسرار قسم

کے واقعات رونما ہو چکے ہیں، جس کی وجہ سے اس

کمرے کو بند کرنا پڑا۔“

”تفصیل سے بتاؤ کس نوعیت کے واقعات

ہوئے تھے۔“

”سر چھوڑ دو باتیں ماضی کا حصہ بن چکی ہیں۔“

”پر اسرار قسم کے واقعات میں، میری دلچسپی

ہے، اس لیے جانتا چاہتا ہوں۔“

”رات میں یہاں کام کرنے والوں کا کہنا ہے

کہ مختلف قسم کے انسان یہاں چلتے پھرتے نظر آتے

ہیں، جن میں کسی کا ایک ہاتھ ہوتا ہے کسی کی ایک

ٹانگ کٹی ہوئی ہوتی ہے اور ان سے خون ٹپک رہا

ہوتا ہے۔“

”کسی نے ان سے باتیں کرنے کی کوشش کی۔“

”بات اس وقت ہو جب وہ دیر تک نظر آئے، وہ

ایک لمحے کو نظر آ کر غائب جاتے تھے۔“

”کسی کو نقصان پہنچا یا۔“

”نہیں سر نقصان تو نہیں لیکن ان کو دیکھ کر خوف

طاری ہو جاتا تھا، کبھی ایسا ہوتا کہ کمرے میں کوئی چل رہا

ہے، لیکن نظر نہیں آ رہا ہے، کبھی ایسا بھی ہوا کہ کسی کے

کندھے پر کسی کا ہاتھ رکھا ہوا ہو، دیکھنے پر کوئی بھی نہیں

ہوتا تھا۔“

باہر دیکھا۔ وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ شاید ہوا سے دروازہ بند ہوا ہے۔ میں نے خود کھڑی کی کچھ دیر ٹاکل کے مطالعے میں گزارا۔ عیسیٰ ابھی تک نہیں آیا تھا۔ کسی بچے کے رونے کی آواز پر میں حیران ہو گیا۔ بچے کے رونے کی آواز میری ٹیکل کے نیچے سے آ رہی تھی۔ جب میں نے ٹیکل کے نیچے جھانکا تو وہاں ایک چھوٹا بچہ بیٹھا ہوا تھا۔

”ارے تم کہاں سے آ گئے؟“ میں نے اس سے پوچھا۔
بچہ مجھے اپنی طرف متوجہ پا کر رونا بھول گیا اور مسکراتے لگا۔

”کیا میرے چہرے پر کوئی لطیفہ لکھا ہے، جسے پڑھ کر رونا بھول گئے ہو؟“ میں نے اس سے پوچھا۔
وہ زور سے ہنسا اور غائب ہو گیا۔ اس کے غائب ہوجانے پر میں بری طرح سے خوف زدہ ہو گیا رات کا ایک بج رہا تھا آفس میں سناٹا تھا۔ ایسے میں کوئی بچہ نظر آ کر غائب ہوجائے تو ڈر جانا فطری بات ہے۔ اسی وقت عیسیٰ آفس میں داخل ہوا اسے دیکھ کر میرا خوف کچھ کم ہوا۔ وہ یہ بات بھانپ گیا کہ میں خوفزدہ ہوں۔
”سر کیا بات ہے خوفزدہ سے لگ رہے ہو؟“
”ہاں بات ہی کچھ ایسی ہے۔“
”کیوں کیا ہوا؟“

آج بڑی بات ہوئی، پہلے بیرونی دروازہ زور سے بند ہوا جب اٹھ کر دیکھا باہر کوئی بھی نہیں تھا۔
”سر دروازہ ہوا سے بند ہو گیا ہوگا۔“
”میں بھی یہی سمجھا تھا لیکن میری میری ٹیکل کے نیچے ایک بچہ کہیں سے آ کر رونے لگا جب میں نے اس سے بات کی وہ غائب ہو گیا۔“
”اچھا!“ عیسیٰ نے کہا۔
”اس بات نے مجھے خوفزدہ کر دیا۔“ میں نے کہا۔

”سر اس کمرے میں اس نوعیت کے پراسرار واقعات ہورہے تھے، اسی لیے اس کمرے کو بند کر دیا

”گیا تھا۔“
”دن میں تو ایسا کچھ نہیں ہوا۔“ میں نے کہا۔
”واقعات رات میں ہی ہوتے تھے دن میں کچھ نہیں ہوتا۔“ اس نے بتایا۔

اس کی بات سن کر میں سوچ میں پڑ گیا، عیسیٰ کو میں خوفزدہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے اس موضوع پر پھر کوئی بات نہیں کی۔ پراسرار واقعات پر بات کرنا، دفتر کے مزید لوگوں کو خوفزدہ کرنا تھا۔ وہ پھر اس آفس کو دوبارہ پرانے کمرے میں منتقل کرنے کی بات کرتے۔ یہ بڑا اور کشادہ کمرہ تھا۔ آفس سپرینٹنڈنٹ کی حیثیت سے میں یہاں اپنے عملے کے ساتھ بہتر انداز میں کام کر سکتا تھا۔ دو رات خیریت سے گزری۔ تیسری رات اتفاق سے میں اکیلا تھا۔ عیسیٰ کو میں نے چائے لینے بھیج دیا تھا۔ میرے ذہن میں یہ نہیں رہا کہ اس وقت رات کا ایک بج رہا ہے۔ عیسیٰ کے جانے کے تھوڑی دیر بعد دروازہ زور سے بجلا۔ میں نے چونک کر دروازے کی سمت دیکھا۔ دروازے پر ایک مکروہ صورت شخص کھڑا تھا۔ مجھے اپنی طرف متوجہ دیکھ کر وہ زور سے ہنسا۔

”یہ کیا بد تمیزی ہے۔“ میں نے کہا۔
”اس نے بڑا سا منیجر نکال لیا۔ اس کے ہاتھ میں بڑا خنجر دیکھ کر میں سمجھ گیا ضرور کوئی ڈکیت ہے۔ خنجر دکھا کر لوٹنا چاہتا ہے۔“
”کیا چاہتے ہو؟“
”خالی خالی۔“
”کیا خالی تم کیا جا رہے ہو کھل کر بیان کرو۔“
”اب بھی نہیں سمجھ۔“ وہ زوردار قہقہہ لگاتے ہوئے بولا۔

”منہ سے پھونکو تو سہی۔“ میں نے غصے سے کہا۔
”میری بات سن کر ایک لمحے کو اس کے چہرے پر سنجیدگی آ گئی۔ اس نے خنجر اپنے دل کے مقام پر گھسا لیا اور دھڑام سے زمین پر گر پڑا۔ اس آدمی کے اس

عمل سے میں بری طرح سے خوفزدہ ہوا اور لپک کر اس کے پاس پہنچا۔ وہ خون میں لت پت ہو چکا تھا فرس پر بھی خون پھیل چکا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ یہ لپک جھپکتے میں کیا ہو گیا۔ یہ کون شخص ہے اور اس نے آفس کے دروازے پر آ کر کیوں خودکشی کی کوشش کی ہے۔ میں اپنے ڈیپارٹمنٹ کو کیا جواب دوں گا۔ اس واقعے کے بارے میں کیا وضاحت کروں گا۔ اچانک کمرے میں زوردار قہقہہ بلند ہوا، آواز کی سمت دیکھنے پر وہی شخص نظر آیا۔ جس نے خودکشی کی کوشش کی تھی۔ وہ بالکل تندرست تو انا نظر آ رہا تھا۔ جب میں نے دروازے پر گرے ہوئے شخص کو دیکھا۔ وہ وہاں سے غائب ہو چکا تھا۔ وہ آدمی پھر بولا۔

”خالی۔“
”تمہارے کہنے کا مطلب ہے اس آفس کو خالی کر دیا جائے، ورنہ تم ہمیں نقصان پہنچا سکتے ہو۔“ میں نے کہا۔
میری بات پر وہ مسکرایا۔

”ہاں۔“ وہ بولا۔
”دیکھو یہ سرکاری اسپتال ہے، یہ جو کمرہ ہمیں کام کرنے کو ملا ہوا ہے، ہمیں کام کرنے کو اتنا بڑا آفس کے طور پر استعمال کرنے کو اس عمارت میں کہیں اور نہیں مل سکتا۔ یہاں تمہاری مرضی نہیں چلتی، ہاں ایسا ہو سکتا ہے کہ ہم تمہیں تنگ نہیں کریں گے، نہ ہی کسی عامل کے پاس جاؤں گا کہ وہ اپنے عمل کے ذریعے تمہیں یہاں سے بھگا دے۔“ میں نے کہا۔
”اپنی بات پر قائم رہنا۔“ یہ کہتے ہوئے وہ غائب ہو گیا۔

اس واقعے کے بعد میں اسپتال میں سات سال تک کام کرتا رہا آسب نے بالکل تنگ نہیں کیا۔ میرا ٹرانسفر کراچی کے علاقے اورنگی ٹان میں ہو گیا۔ وہاں آ کر میں اپنی ذمہ داریوں میں ایسا مصروف ہوا کہ اس کمرے کو ہی بھول گیا۔ دو سال گزرنے پر میرا اتفاق

سے اپنے پرانے اسپتال میں جانے کا اتفاق ہوا۔ اس طرح پرانے ساتھیوں سے بھی ملاقات ہو گئی۔ عیسیٰ مجھے دیکھ کر بے چین ہو گیا۔ اس کے انداز سے سے محسوس ہورہا تھا۔ وہ مجھ سے کچھ بات چیت کرنا کا خواہش مند ہے۔ اسے اپنے پاس بلا کر میں نے پوچھا

”عیسیٰ خیریت ہے نا؟“
”سر دیے تو خیریت ہے لیکن وہ کمرہ دوبارہ سے بند ہو گیا ہے۔“

”اچھا وہ کیوں؟“
”آسب کی کو وہاں ٹکنے ہی نہیں دیتا، پتہ نہیں تم نے ایسا کیا جادو کیا تھا آسب نے کسی کو تنگ نہیں کیا تھا، لیکن تمہارے جاتے ہی انہوں نے اپنی کارروائیاں پھر سے شروع کر دیں جس کے سبب کمرے کو پھر سے بند کر دیا گیا۔“

”آسب نے کسی کو کوئی نقصان تو نہیں پہنچایا؟“ میں نے پوچھا۔

”تمہاری جگہ پہ جو سپرنٹنڈنٹ محمد فصیح آئے تھے وہ ایک دن بری طرح خوفزدہ ہو کر بے ہوش ہو گئے تھے، اس کے بعد کسی کو کمرے میں جانے کی ہمت نہیں رہی۔“

”حیرت ہے سپرنٹنڈنٹ کا جب یہ حال ہوگا تو عام ملازم کا کیا حال ہوگا۔“ میں نے کہا۔
”سر تمہارے ہوتے ہوئے آسب نے کسی کو تنگ نہیں کیا، اس کی کیا وجہ ہے۔“

”کوئی خاص نہیں میرے پراسرار روم منٹ سے مذاکرات کا مایاب ہو گئے تھے، اس لیے انہوں نے کسی کو تنگ نہیں کیا۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

عیسیٰ نے میری بات پر حیرانی سے مجھے دیکھا اور گرم سم سا ہو گیا، اسے سوچوں میں گم دیکھ کر میں جس کام سے اسپتال آیا تھا۔ اسے نسا کر اسپتال سے باہر نکل آیا۔



کالی پر چھائیاں

رہسواں علی سومرو - کراچی

آخری قسط

تخلیک وادی دراصل عجائبات کا خزانہ ہے۔ وہاں بڑی بڑی پرسرار قوتیں موجود ہیں۔ وہاں ایک جھیل ہے جو آب حیات کی جھیل ہے جس میں انسان نہالے اور اس پانی کو پی لے تو موت اس سے ہمیشہ کے لئے دور ہو جاتی ہے۔ اس جھیل کے آس پاس دنیا کے نلیاب ترین ہیں اور جواہرات کا خزانہ بھی موجود ہے۔

ایک ایسے جوان کی داستان عبرت جو اپنے بدلے کے حصول کیلئے شیطان کا بیماری بن گیا

میں شمشان کا لکڑی کا ٹوٹا ہوا دروازہ کھول اندر داخل ہو گیا میرے مجبور کرنے پر تیرھ داس بھی میرے ساتھ ہی اندر داخل ہو گیا تھا۔ اندر داخل ہوتے ہی میں نے ایک بات خاص طور پر محسوس کی تھی کہ شمشان میں غیر ضروری خاموشی اور سناٹا طاری ہے۔ شیطان کا بیماری ہونے کے سبب میں اندر میرے میں دیکھ پانے کے قابل تھا ہوا کے تیز چمک شمشان کی وحشت ناک اور ہول ناک فضا کو اور بھی ہول ناک بنا رہے تھے۔ شمشان میں جگہ جگہ جلی ہوئی راکھ کے ڈھیر تھے میں اس باؤلی کو تلاش کر رہا تھا جس کا آسیب تیرھ داس کی بہن پر سوار تھا۔ جلد ہی مجھے وہ باؤلی نظر آ گئی جو کہ ایک پرانے بیڑ کے نیچے چھپی ہوئی تھی۔ جیسے ہی میں اس بیڑ کے نزدیک پہنچا ایک عجیب سی خوفناک آواز سن کر چونک گیا وہ آواز ایسی تھی جیسے کہ بہت ساری خوفناک اور جہنمی رو میں مل کر چلائی ہوں۔ اس عجیب سی ہولناک آواز کو سن کر تیرھ داس تھر تھر کانپنے لگا اس کے حلق سے دل خراش چیخ نکلی اور وہ باہر کی جانب بھاگتا چلا گیا۔ تیرھ داس کے لہلہ طرح ڈر کر بھاگ جانے پر مجھے غصہ تو بے حد آیا تھا لیکن کیا کرتا اس کی بھی مجبوری تھی کمزور دل اور عام انسان واقعی بہت ڈر پوک ہوتا ہے

شیطانی قوتوں سے خوف زدہ ہونے والا۔ میں آہستہ آہستہ باؤلی کے نزدیک پہنچ گیا باؤلی (کنواں) کی منڈیر بہت ہی اونچی تھی مجھے اس منڈیر کے ساتھ دو پتھر رکھے ہوئے نظر آئے جو کہ ایک دوسرے کے اوپر تھے۔ میں منڈیر کے اوپر چڑھ کر باؤلی کے اندر جھانکا اگر اٹلیس کی دی ہوئی شیطانی قوتیں میرے ساتھ نہ ہوتیں تو شاید میں بھی اس اندھیرے کنوئیں میں دیکھ نہ پاتا وہ باؤلی امتداد زمانہ کے پیش نظر اندر سے سوکھ چکی تھی اور اس میں سانپ بچھو اور متعدد حشرات الارض کے علاوہ ردحوں کی موجودگی کو میں نے دیکھا تھا۔ یہ سب دیکھ کر میں فوراً ہی باؤلی کی منڈیر سے نیچے اتر آیا ماحول خوفناک اور آہستہ شیطانی قوتوں کا ساتھ نہ ہوتا تو شاید میں ڈر کر بھی کا بھاگ چکا ہوتا۔ میں نے اس آہستہ شمشان گھاٹ میں ادھر ادھر دیکھا شروع کر دیا جلد ہی مجھے جی ہوئی راکھ نظر آئی جس میں انسانی جسم کی ہڈیوں کے ٹکڑے جو کہ جلنے سے رہ گئے تھے اس میں موجود تھے۔ میں نے تیرھ داس کی بہن کے بال اس راکھ پر رکھ دیے دل ہی دل میں آقائے اٹلیس کو یاد کرنے لگا تھا اس کی دی ہوئی قوتیں میرے ذہن میں تازہ ہونے لگیں تھیں۔ ایک بہت ہی خطرناک شیطانی

قسم کے منتر کے پل میں بہت ہی تیز تیز دہرائے
اگھر اپنا ہوشم پیسے میں تر ہونے لگا تھا۔ میری نظریں
س باؤلی پر تھیں۔ اچانک ان بالوں نے یکدم ہی آگ
پکڑ لی تھی جو اس بات کا ثبوت تھا کہ میرا عمل کامیاب
جار بار ہے۔

اچانک میں نے سفید رنگ کا دھواں اس باؤلی
سے بھدھہ ہوتے ہوئے دیکھا اب وہ دھواں ایک انسانی
چکر کا روپ لے رہا تھا چند ہی لمحوں کے بعد وہ دھواں
کھل مرد کا روپ لے چکا تھا۔ دھوئیں کا چکر سیدھا
چکر اٹا ہو میری جانب بڑھا تھا۔

”کون ہے تو۔۔۔“ میں نے اس کو دیکھ کر

عجب کیا۔
میرے سوال پوچھنے پر مجھے گہرے گہرے
سانس لینے کی آواز سنائی۔
”میں تجھ سے آگئے اٹلیس کی نسبت سوال کرتا
ہوں تاکہ کون ہے تو۔۔۔“ اتنا کہہ کر میں نے آگ کا دیا
ہوا ایک منتر اس پر پھونکا۔

میرے چھوٹک مارنے کی دیر ہی تھی کہ فضا
غیر انسانی چیخوں سے لرز اٹھی۔

”سم۔۔۔ میرا نام شکر نارائن ہے۔۔۔ مجھے
فرنگیوں نے باغیچوں کی جاسوسی کے لئے بھیجا تھا میرے
کارن دو سو باقی مارے گئے جس کی وجہ سے مجھے وہاں
سے بھاگنا پڑا اور میں اس شمشان گھاٹ میں آ گیا
چٹاں کی مٹی پر رادھا مجھے پسند آگئی تھی اس لئے میں اس
کے ساتھ اپنی واپس پوری کرتا چاہتا تھا پر تو اس کا پتا مجھ
سے زیادہ بھٹی شائی نکلا اس نے مجھے مار کر اس باؤلی میں
پھینک دیا۔۔۔ میں نے دونوں کو مار دیا اب جو بھی عورت
اس شمشان گھاٹ میں آتی ہے میں اس کے ساتھ ہوں
خود پوری کرتا ہوں۔۔۔“

”تو تم نے تیرے بھائی کیوں پکڑا وہ یہاں
آئی بھی نہیں تھی۔۔۔“
میری بات سن کر مجھے کھٹی کھٹی ہنسی کی آواز
سنائی دی۔

”وہ اپنے یار کے ساتھ یہاں منہ کالا کر رہی
تھی۔۔۔ جیسی میں نے اس کو پکڑ لیا اور اس کے یار کو
مار دیا۔۔۔“
”بس تو اس کو چھوڑ دے بہت ہو گیا تیرا کھیل۔۔۔“
”ہرگز نہیں۔۔۔ بہت دن کے بعد کوئی ناری
ملی ہے کیسے چھوڑ دوں۔۔۔“

جواب میں بھی ہنس پڑا اور اس کو کہا۔
”دیکھ بچو جانا تو بڑے گا کیونکہ جو کیا ہم کو پسند
آجائے ہم اس کو چھوڑنے نہیں۔۔۔“
میری بات پر اس دھوئیں کے پیکر نے جواب نہ
دیا بلکہ اس کی آنکھوں میں طاعونی قوتوں کا رقص تیز
ہو گیا وہ میری طرف دیکھتا رہا اس کی آنکھوں میں ایک
رنگ آتا اور ایک کا تادوسرے ہی پل میری جانب اس
نے ہاتھ اٹھا کر جھٹکا۔ اگلے لمحے جو کچھ بھی ہوا دیکھ کر
میں بھی حیران رہ گیا میں نے اس کی انگلیوں کی پوروں
سے آگ کے شعلوں کو نکلتے ہوئے دیکھا تھا جو کہ تیزی
سے میری جانب لپکے تھے۔ پھر اچانک ہی میرے
نزدیک پہنچ کر ان شعلوں کا رخ مرکز کیا اب وہ شعلے بڑی
ہی تیزی سے اس کی طرف بڑھے تھے دوسرے ہی پل اس
دھوئیں کے پیکر کو ان شعلوں نے اپنی پلٹ میں لے
لیا تھا۔ فضا غیر انسانی چیخوں سے گونج اٹھی۔ اچانک
میں نے اٹلیس کی سرسراہٹ ہوئی آواز سنئی۔
”چلاکش کوئی میرے قبیلے سے تعلق رکھنے والا
تھے نقصان نہیں پہنچا سکتا۔۔۔ جا وہ ٹھیک ہوگئی
ہے۔۔۔“

میں وہاں سے نکل آیا تھا تیرہ داس باہر ہی
پہیل کے بیڑ کے نیچے کھڑا کاپ رہا تھا مجھے دیکھ کر اس
کی جان میں جان آئی۔
”نہارا ج بھگوان کا شکر ہے آپ واپس
آگئے۔۔۔“

بھگوان کا نام سن کر مجھے عجیب سا لگا تھا۔ ایک
پھر میری ہی جسم میں دوڑ گئی تھی۔ بہر حال میں اس کے
ساتھ واپس گاؤں آ گیا تھا اس کی بہن واقعی تندرست
سنائی دی۔

ہو چکی تھی اس کے جسم کی زردی اب غائب ہو چکی تھی
اب پہلی بار میں نے اس کی بہن کو دیکھا تھا واقعی وہ کسی
جنگلی ہرنی کی طرح تھی اس کے جسم کے ایک ایک انگ
سے مستی سی پھوٹ رہی تھی۔ وہ کسی پرانی شراب کی
مانند تھی جو برسوں سے کسی کے پیسے جانے کی منتظر ہو۔
”تیری بہن ٹھیک ہوگئی ہے۔۔۔“

میری بات سن کر وہ خوش ہو گیا اور میرے
قدموں میں گر پڑا۔ اس کے قدموں میں گرتے ہی مجھے
ایک سکون اور راحت کا سا احساس ہوا تھا میں نے ایک
شان بے نیازی سے اس کو دونوں کندھوں سے اٹھاتے
ہوئے کہا۔

”اٹھ بالک۔۔۔ ہم تیری بہن پر ایک شبہ
منظروں کا اہجاردن (درد) کریں گے جس سے تیری
بہن ہمیشہ کے لئے بری شکلیوں سے محفوظ ہو جائے
گی۔۔۔“
”مجھے کیا کرنا ہوگا مہاراج۔۔۔“

”تجھے اس چند رما سے دور اتوں کے لئے اپنی
بہن کو ہماری کٹی (جھوپڑی) میں چھوڑنا ہوگا۔۔۔ جہاں
میں دیوتاؤں کے لئے ایک منتر کا اہجاردن کروں گا جس
کے بعد ہمیشہ کے لئے ٹھیک ہو جائے گی اور دیوتا جو چیز
مجھے دیں گے وہ تجھے کھائی ہوگی۔۔۔“

میری بات سن کر اس نے عقیدت سے سر جھکا
لیا۔ اس کے جانے کے بعد میں اپنی جھوپڑی میں آ کر
چار پائی پر لیٹ گیا میرے خوابوں میں تیرہ داس کی
بہن کا سراپا گھوم رہا تھا۔ مجھے لینے ہوئے تھوڑی ہی دیر
ہوئی تھی کہ تیرہ داس نے باہر سے مجھے آواز دی تھی میں
جیسے ہی باہر نکلا تو اس کے ہاتھ میں مٹی کا ایک برتن تھا
جس میں کھانے پینے کا سامان موجود تھا اس تھالی میں
تھوڑے چاول اور سالن میں موجود تھا مجھے دیے اب
کھانے کی ضرورت بھی نہیں تھی اس کا دل رکھنے کے
لئے میں نے وہ پلیٹ لے لی۔ اور چاول بد مزہ تھے لیکن
میں نے کھالے۔ کھانے کے بعد میں نے پلیٹ ایک
طرف رکھی تھی اچانک میں ایک آواز سن کر چونک گیا

میں نے سامنے دیکھا تو میرے سامنے وہی کھڑا تھا جو
کہ اب میرا آقا تھا میں نے اس کو دیکھ کر عقیدت اور
احترام میں اپنا سر جھکا لیا۔

”اے۔۔۔ عظیم آقائے شیطان تو نے اپنے
بندے کے پاس حاضری دی بندہ تیرا احسان مند ہے۔۔۔“
جواپ اس کے کردہ ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔
”بدی اور گناہ کی راہ میں کسی کو اٹھلا چھوڑنا
ہماری شرت نہیں تو بس بدی اور گناہ پھیلانا
رہے۔۔۔ جو کوئی مکر و فریب کے میرے ان ہتھیاروں کا
استعمال کرتا ہے اور میرے قریب ہو جاتا ہے۔ کل
سے تجھے یہی کرنا ہے۔۔۔ لوگوں کو جھوٹی عقیدت میں
پھنسا کر ان کو خدا سے دور کرنا ہی تیرا مقصد ہے جیسی میرا
عہد پورا ہوگا۔۔۔“

”تو بے فکر ہو جا آقا۔۔۔ تیرا عہد تیرا غلام اپنی
جان دے کر بھی پورا کرے گا۔۔۔“
”مجھے یقین ہے تو ان بے عقیدہ لوگوں میں
ایک میجا بن کر ابھرے گا۔۔۔“

اتنا کہہ کر وہ شیطان واپس چلا گیا۔ دوسرے دن
صبح کے وقت وہاں کے لوگوں کا ایک جم غفیر جمع تھا جو کہ
ایک رشی مٹی سا دھوا کا استقبال کرنے جمع ہوئے تھے جس
نے ایک ایسے ٹھاکر کو کشت دیا تھا جس نے ان کی زندگی
اجرت کر دی تھی میں لوگوں کے لیے باہر نکل آیا مجمع میں وہ
ٹھاکر بھی موجود تھا جس کو میں نے تھوڑا سبق سکھایا تھا
ٹھاکر کے چہرے پر شرمندگی کے آثار تھے۔

”دھن باد ہمارے جو آپ تھان
پدھاریے۔۔۔“ ٹھاکر میرے قدموں میں گرنا ہوا بولا۔
اس کے بعد لوگ آتے گئے اور قدموں میں
گرتے چلے گئے لوگوں کے مختلف مسائل تھے جن کو حل
کرنا میرا کام تھا دراصل ان لوگوں کو شیطان کی مسئلہ پر
لانا تھا ان بے عقیدہ لوگوں کو شیطان کا وہ دل کھلا کر اپنی
راہ پر لانے کے لئے اتنی محنت کرنی پڑ رہی تھی دیو مگر میں
ہندو اور مسلمانوں کی کس آبادی تھی۔ یوں تو بہت سے
لوگ میرے پاس مرادیں لے کر آتے تھے میں نے

اسے لوگوں کی مدد کی کہ لوگ میرے گردیدہ ہو گئے تھے
بول کو آگے بڑھانے کے لئے صرف ایک دو واقعات کا
تذکرہ کروں گا اور پھر اس کے بعد بول میں آگے ہی
بڑھ جاؤں گا۔

یہ واقعہ ایک نئی کی جوان سالہ بیوہ کا تھا جو کہ
ساحل ہی میں اپنے شوہر کے انتقال ہو جانے کے بعد بیوہ
ہو گئی تھی بچی کے مرنے کے بعد اس نے ایک دوسرے
آدمی سے شادی کر چالی تھی وہ آدمی اب اس کو لے کر
میرے پاس آیا تھا اس کا نام رام بھلی تھا رام بھلی گادس کا
پست میں تھا اس کی آنکھوں سے آنسو رواں
تھے اس کو روٹا ہوا دیکھ کر میں نے اس سے پوچھا۔
”کیا ہوا۔“

”مہاراج میں برباد ہو گیا۔“ اتنا کہہ کر وہ
بھرونے لگا۔

اس کے یوں رونے سے مجھے الجھن ہونے لگی
تھی میں نے اس کو بھڑکتے ہوئے پوچھا۔
”رونا ہے تو باہر جا کر رو۔ بات ٹھیک سے
بتا۔“

”مہاراج۔ میری وہ بیٹھیں مر گئیں۔“ اتنا
کہہ کر وہ بھرونے لگا۔

”تو پھر میں کیا کروں۔“

”مہاراج میرے پاس یہی دو خوبصورت جتاور
تھے جن کے دودھ سے میری گزیر تھی پرنتو اس مردود
نے ہانڈی اتار کر ان کو مار دیا۔“

”کس مردود نے مار دیا۔“ میری سمجھ نہیں
آ رہا تھا۔

”مہاراج اس کا نام نئی لال ہے وہ کالی ماں کا
بیٹا ہے۔“ اس کی جگہ تیرتھ داس نے راز دارنہ
انداز میں جواب دیا۔

”اوہ۔ تو اب تم کیا چاہتے ہو۔“ میں
نے رام بھلی کو مخاطب کیا۔

”مہاراج۔ میں چاہتا ہوں میرا نقصان پورا
ہو جائے اور دھکاری (لمھون) کا انجام برا

ہو۔۔۔“ رام بھلی نے آنسو پونٹتے ہوئے کہا۔
”ضرور ہوگا اپنا ہاتھ آگے کر۔۔۔“

رام بھلی نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے اپنا ہاتھ میری
طرف بڑھا دیا میں نے اوپر اُدھر دیکھا تو زمین پر ایک
پتھر پڑا تھا جو میں نے اٹھا کر مٹی میں ڈال دیا۔ اور اس پر
کچھ پڑھ کر پھونکا تھا۔ جب میں نے مٹی کھولی تیرتھ
داس سمیت سب لوگوں کے کبے وہ گئے کیونکہ وہ پتھر
سونے کا ہو چکا تھا۔

”وہن بھاگ مہاراج۔۔۔“ یہ کہتا ہوا میرے
قدموں میں گر پڑا۔

اس کے اس طرح میرے قدموں میں گرنے
سے میری انا کو سکون ملا تھا اس کے جانے کے بعد میں
نے دوسرے سالوں کو نمنا یا اب میں نے نئی لال کو

دیکھا تھا اگر میں نئی لال کو نکلت دے دوں تو پھر میرا
بول بالا ہو سکتا ہے آج ویسے بھی چاند کی رات تھی اور

آج ہی تیرتھ داس کی بہن کی خوبصورتی کا خراج وصول
کرنا تھا چنانچہ میں نے بڑی خوبصورتی سے آج رات کا

بول دیا تھا۔

رات کو جب آسمان پر پورا چاند نکلا تو میری
جھونپڑی میں تیرتھ داس کی بہن پہلے سے موجود تھی اس

کو دیکھ کر تو میرا دل باغ باغ ہو گیا خوبصورتی اور جوانی کا
وہ بھر پور شاہکار تھی وہ رات میری زندگی کی سب سے

انمول رات تھی جب میں نے اس کا قرب حاصل کیا
دوسرے دن میں نے تیرتھ داس کو دل کھلا کر باقاعدہ طور

پر شیطان کے شاگردوں میں شمار کر لیا تھا دل کھاتے ہی
میں نے محسوس کیا تھا کہ اس کے اندر کا بھولا پن جیسے

دھت ہو گیا تھا۔ ایک شیطانی سی اس کے اندر پھیل
گئی تھی۔

ابھی اور بہت سے دل کھلانے باقی
تھے۔ شیطان کا بیروکار بننے کے بعد مجھ میں ناقابل
یقین تبدیلیاں پیدا ہو چکی تھیں گندی رنگت سیاہی مائل
ہو چکی تھی آنکھیں ہر وقت سرخ رہتی تھیں دل پر ہر وقت
ایک بوجھ سا اندھیرا محسوس ہوتا تھا۔

دوسرے دن مجھے ٹھاکر کے یہاں دعوت پر جانا
تھا جب سے اس کو سبق سکھایا تھا وہ میرا مرید بن
چکا تھا تیرتھ داس میرے ساتھ ہی تھا دل کھانے کے بعد
وہ اچھی طرح سمجھ چکا تھا۔ میں کون ہوں جیسے ہی میں
باہر نکلا مجھے رام بھلی آتا دکھائی دیا رام بھلی نے آتے ہی
میرے سامنے ہاتھ جوڑ دیے۔ اس کے چہرے پر خوشی
کے آثار نمایاں تھے۔

”سرکار وہ پتھر میں بیچ دیا سا ہو کارنے مجھے اتنی
رقم دینے کا وعدہ کیا ہے کہ میں دس بیٹھیں اور خرید
سکتا ہوں۔۔۔“

اس کی بات سن کر میں مسکرایا اور جانے لگا تھا تو
وہ پھر بولا۔

”مہاراج۔ نئی لال کو پتہ لگ چکا ہے وہ آپ
سے بدلہ لے گا۔۔۔“

”لینے دو۔۔۔ ہم بھی کسی سے کم ہیں
کیا۔۔۔“ میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

اس کے جانے کے بعد تیرتھ رام بولا۔
”چلکاش مہاراج۔۔۔ آقائے ابلیس کی قسم

نئی لال بڑا نوسر باز ہے۔ وہ سب کو ستاتا ہے اور
لوگوں کو ڈرا کر پیسے بھی وصول کرتا ہے۔۔۔“

”تجھ کو کیسے پتہ۔۔۔“

”مہاراج۔ وہ چار بار وہ مجھے بھی ڈرا کر پیسے
لے چکا ہے کچھ جانتا ہے بس۔۔۔“

”اب میں آگیا ہوں اور میرے ہوتے اس کی
دال نہیں گلے گی۔۔۔“

”آقائے ابلیس کی قسم رتنا کو اگر آپ کو دیکھ لو
ایک بار تو مہاراج آپ کا دل بھی پلسپاں تو زکر باہر

آجائے گا۔۔۔ بڑی ہی زور دار قسم کی عورت
ہے۔“ اس نے بائیں آنکھ دبا کر بڑے بازاری انداز
میں کہا۔

”کون ہے رتنا۔۔۔“ میں نے حیرت سے
پوچھا تھا۔

تیرتھ داس کے منہ سے اس عورت کی اتنی
تعریف سن کر ایک دفعہ میرا دل بھی چاہنے لگا تھا کہ اس کو
دیکھوں وہ ہے کسی۔ جب سے میں شیطان کا چہاری بنا
تھا اس کے بعد میرے دل سے دم بھر دلی کے سارے
احساسات نکل گئے تھے عورت میرے لئے صرف ایک
کھلونائی تھی اور کچھ نہیں۔

آج میں جس حال میں ہوں اپنے گناہوں کے
سبب ہوں ایک اللہ کو چھوڑ کر میں نے صرف شیطان کی
پوجا کی جس کی وجہ سے میرے جسم کا سارا گوشت تک
کل رہا ہے اور میں صرف موت کا شکر رہوں۔ خیر میں
داستان کی طرف واپس آتا ہوں۔

”کیا وہ بہت ہی حسین ہے۔۔۔“ میں نے
اشتیاق بھرے لہجے میں پوچھا۔

جواب وہ مسکرایا۔ میں تیرتھ داس کے ہمراہ ٹھاکر
کے ڈیرے پر پہنچا تو ٹھاکر نے میری آؤ بھگت میں کوئی

کسر نہ چھوڑی مہمان خاند میں ایک سے ایک کھانا
ہمارے لئے تیار تھا۔ کھانے کے بعد شراب کا دور چلا تو

اتفاقاً میری نظر اس کی نوکرانی نانہی پر پڑی۔ نوکرانی
کو دیکھ کر میں حیران رہ گیا واقعی اس بستی کی عورتیں کافی

بھرے ہوئے پرکشش جسم کی تھیں۔ میں نے اس کو
تعریفی نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”یہ کون ہے۔۔۔“ میں نے نئے میں جھومتے
ہوئے اس سے پوچھا۔

”مم۔۔۔ مہاراج۔ اس کا نام رتنا ہے۔۔۔“
ٹھاکر نشے میں جھومتا ہوا بولا۔

رتنا کا نام سن کر مجھے تیرتھ داس کی بات یاد
آگئی۔ غالباً یہ اسی نئی لال کی بیٹی تھی۔

”اچھی ہے۔۔۔“

میری بات سن کر وہ مسکرایا۔
”مہاراج۔ یہ نئی لال کی بیٹی ہے۔۔۔ ج۔۔۔

حویلی میں کام کرتی ہے۔۔۔“ ٹھاکر کا لہجہ عجیب سا تھا۔
میں نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ میرا

ہاتھ پکڑنا شاید اس کو پسند نہ آیا اس نے بڑے غصہ سے

اپنا ہاتھ چڑایا اور اس کی وحشت زدہ آنکھیں انگارے برساتے نکلیں، اس کا یہ انداز مجھے پسند آیا تھا۔
”سندری یہ جان کر تجھے خوش ہوگی، ہم تجھے اپنی سیوا میں سونپا کر رہے ہیں۔“

میری بات سن کر وہ غصہ میں بولی۔
”اپنی شکل دیکھی ہے۔۔۔ میں نئی لال کی بیٹی ہوں۔۔۔ جو جی میں کام کرنے ضرور آتی ہوں مگر اپنی عزت کا سودا نہیں کیا۔“

اس کا جواب میرے غصہ کو دیا کہ یہ بے باک جواب میرے غصہ کو بھڑکانے کے لئے کافی تھا مگر میں کبھی بھی ان پر غصہ نہیں کرتا۔
اس کا غصہ دیکھ کر کھا کر خوف سے کانپنے لگا تھا

دوسرے ہی بل وہ بولا۔
”تو نہیں جانتی یہ مہمان رشی منی سادھو۔۔۔“
اس کی بات سن کر اس نے دہاتا ہاتھ اپنی کمر پر رکھا اور بولی۔

”یہ دھکاری سادھو نہیں ڈھونگی ہے۔۔۔ مہمان رشی منی عورتوں کی عزت نہیں لوتے۔۔۔ ویسے بھی میں نئی لال کی بیٹی ہوں جو کالی کا مہمان سیوک ہے۔“
اس کے لہجے میں ایک عجیب طرح کا غرور تھا۔

اس کی بات سن کر میں چونک گیا اس کا مطلب یہ تھا کہ اس کا باپ بھی کچھ پرسرار تو تھیں رکھتا تھا۔ جیسی وہ اتنا اچھل کود کر رہی تھی۔ کوئی شیطان کے عظیم پجاری کو اتنا گرا ہوا سمجھے۔

”کیا ہے تمہارے باپ کے پاس جو تم کو بچا سکے۔۔۔“ میں نے طنز یہ انداز میں کہا۔
”وہ۔۔۔ کالی کا مہمان پجاری ہے۔۔۔“ اس نے خوفزدہ ہو کر جواب دیا۔

”کالی کا مہمان پجاری۔۔۔“ میں ہنس پڑا۔
اتنا کہہ کر میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ہاتھ پکڑتے ہی وہ بری طرح چلنی تھی ایک تو شراب کا نشا اور دوسرا میں شیطان کا پجاری۔ میں نے اس کے ہاتھ کو تختی سے پکڑ کر اپنی سمت کھینچا تھا میرے کھینچنے پر وہ نازک بدن

لوکی سیدی میری طرف آئی تھی شراب کے نشے میں مجھے وہ اور زیادہ شعلہ بدن معلوم ہو رہی تھی۔ اس کی آنکھوں سے کھارہ ہونے والا غصہ میرے نشہ کو اور زیادہ تیز کر رہا تھا۔ میرے اس طرح کلائی پکڑے جانے پر وہ بہت غصہ میں نظر آ رہی تھی اس کی خوبصورت ہر نی جھکی آنکھوں میں خون کی تمازت بڑھ گئی تھی میں نے دو تین جھپکوں میں ہی اس کے لباس کو نوج کر رکھ دیا۔ جب اس کا گدرا ہوا بدن اس کے سینے ہوئے لباس کے نیچے سے طلوع ہوا مجھ سمیت سب کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں واقعی وہ حسن کا منہ بولتا شاہکار تھی میں نے ایک جھٹکا مار کر اس کو نیچے گرا دیا۔ دونوں ہاتھوں سے تختی سے اس کا منہ دبا دیا اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں نفرت اور قہر کا جہنم دیکھ رہا تھا۔ اس نے چل چل کر میری گرفت سے نکلنے کی کوشش کی اس کی غیض وہ غضب سے بھری آنکھیں سرپا حرم بن گئیں۔ پھر ان میں مجھے بے بسی نفرت کا ملا جلا اظہار نظر آیا۔ اس کی جدوجہد زیادہ دیر تک ساتھ نہ دے سکی اپنے آئینہ کے ٹوٹ جانے پر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی میں اس کو روٹا ہوا چھوڑ کر باہر نکل آیا مجھے نہیں معلوم تھا کالی دیوی کے ایک بھگت کی بیٹی کے ساتھ ظلم کیا تھا مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ میرے ساتھ مقابلے پر آکر کھڑا ہو جائے گا جب سے میں شیطان کا پجاری بنا تھا میرے اندر خواتین کے لئے ہوں زیادہ بڑی تھی۔ اسی رات ہم دونوں کو رام بھلی کے یہاں بھی جانا تھا۔ ہم لوگ دونوں گھر سے باہر ہی نکلے تھے کہ اچانک میری نظر آسمان پر دو درویش سرخ اور متحرک دائروں پر پڑی وہ دائرے بڑی تیزی سے پرواز کرتے ہماری طرف آرہے تھے میں ان دائروں کی طرف بڑی ہی حیرت سے دیکھ رہا تھا کہ نہ جانے وہ کیا چیز ہے۔ یہی حال تیرتھ داس کا بھی تھا جیسے ہی وہ دائرہ بڑا ہوا میں نے تیرتھ داس کو بری طرح سے چوکتے ہوئے دیکھا۔ وہ دونوں دائرے دراصل دو ہانڈیاں تھیں جن کے گرد آگ کے گولے متحرک نظر آ رہے تھے۔

”ب۔۔۔ بھاگو یہ مٹھ ہیں۔۔۔“ تیرتھ داس

پلایا۔۔۔“ میں نے حیرت سے پوچھا۔
”جادو کی ہانڈی جو کہ ایک دفعہ کسی کے لئے اڑائی جائے تو شکار کر کے ہی پلتی ہے۔۔۔“
ابھی تیرتھ داس کے منہ میں یہ الفاظ تھے کہ جادو کی ہانڈی وہ دن کر کے تیرتھ داس کے سینے سے نکل گئی تھی تیرتھ داس کے حلق سے گراہ نکلی اور وہ اسی جگہ زمین پر گر پڑا دوسری ہانڈی میری سمت بڑھ رہی تھی۔ اس نے دل وہ میرے سینے سے نکلانی میں نے آقائے پس کا نام لیا تو وہ ہانڈی اسی جگہ رک کر فضا میں تیرنے لگی۔ چند لمحوں تک تیرنے کے بعد وہ واپس پلٹی تھی اور معلوم سمت کی طرف روانہ ہو گئی۔

میں تیزی سے تیرتھ داس کی طرف لپکا تھا رات کے اندھیرے میں، میں نے اچھی طرح سے دیکھ لیا تھا تیرتھ داس کا جسم جگہ جگہ سے جل چکا تھا اب وہ آخری سانس لے رہا تھا شیطان کے پجاری کو یوں مرتا دیکھ کر میرا دل کاپ اٹھا تھا، ابھی میں سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک میں نے ایک عجیب سی آواز سنی جیسے کسی کار کا اینجن جاگ گیا ہو۔

اس آواز کو میں پہچانتا تھا۔ میں چونک کر مڑا تو شیطان میری طرف حشرات بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔
”سخت نادانیاں ہو رہی ہیں تجھ سے۔۔۔“ وہ غصہ بھرے لہجے میں بولا۔

”مم۔۔۔ معاف کر دو آقا۔۔۔“ میں نے کانپتے ہوئے کہا۔

”میرے ایک پجاری کی موت میرا سب سے بڑا نقصان ہے۔۔۔ خیر تیری پہلی غلطی ہے اس لئے معاف کیا۔“

”نوازش آقا۔۔۔“ میں نے فرط مسرت سے جواب دیا۔

”یہ کام نئی لال کا ہے تو نے اس کی بیٹی کو خراب کیا تھا اس کا بدلہ لینے کے لئے اس نے مٹھ اڑائی تھی مگر

وہ بھول گیا کہ اس کے سامنے میں ہوں۔ اس ہانڈی نے الٹا اس کی اپنی بیٹی کو ہی شکار بنا دیا ہے۔ تیرتھ داس کو اس لئے مرنے دیا تاکہ نئی لال میرا پجاری بنے اس کی کالی تو تیس بڑی پھیلانے میں بہت کام آئیں گی۔“

آقا کی بات کا میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ کچھ ہی لمحوں گزرے ہوں گے کہ شیطان نے تیرتھ داس کے مردہ سینے میں ہاتھ ڈال کر اس کا دل باہر نکال لیا۔ یہ وہی دل تھا جو میں نے اس کو کھلایا تھا۔ دل جیسے ہی شیطان کے ہاتھ میں آیا تو کسی شعلے کی طرح بھڑک اٹھا۔ شیطان نے وہ دل میرے ہاتھ میں دے دیا۔ میں نے قہر کتے ہوئے دل کو اٹھا کر جیب میں رکھ لیا جب میں آتے وہ دل پر سکون ہو گیا تھا۔ تیرتھ داس کی لاش میں نے وہیں پڑی رہنے دی اور واپس اپنی جھوپڑی میں آ گیا۔

☆.....☆.....☆
دوسری صبح لوگوں کے شور شرابے کی آواز سے میری آنکھ کھلی میں نے باہر نکل کر دیکھا تو نئی لال اپنے چند کارندوں کے ساتھ کھڑا نظر آیا اس کی آنکھیں آگ اگتی ہوئی معلوم ہو رہی تھیں۔ جبکہ چہرے پر حزن و ملال کی کیفیات نمایاں تھیں میں سمجھ گیا کہ وہ اپنی بیٹی کی موت سے زنجیدہ ہے باہر نئی لال کے ساتھ ساتھ عوام کی بھی ایک اچھی خاصی تعداد تھی ان میں وہ لوگ بھی تھے جو کہ نئی لال کو چاہنے والے تھے اور وہ بھی جو میرے چاہنے والے تھے نئی لال مجھے غصہ سے دیکھ رہا تھا۔ لوگوں کی آنکھوں میں بھی میرے لئے غم و غصہ کے تاثرات تھے۔

”بالک۔۔۔ تو ایک معصوم کی موت کا ذمہ دار ہے۔۔۔“
جواب میں مسکرا دیا اور لحاتی توقف کے بعد میں نے کہا۔

”مورکھ تیری سپوٹری کو میرا شکر گزار ہونا چاہیے کہ میں نے اس کو سونپا رکھا۔۔۔“
میری بات سن کر وہ غصہ سے کانپنے لگا تھا جیسے

اس کے منہ سے کف سا اڑنے لگا تھا۔
”سور کھلنا ہے تو اپنی ہلکتیوں پر گھونڈی ہے مگر
میں بھی ماں کا بیٹا ہوں اپنی بیٹی کی موت کا بدلہ
لے بغیر نہیں جاؤں گا۔“

پانچ گزشتہ رات وہ اپنی ہانڈیوں کے انجام پر
بھی اس کو غصہ نہیں آتی تھی کہ مجھ سے گرانے کا انجام
اس کی موت کے سوا اور کچھ نہیں تھا اس کی بات پر میں
سکڑنے کے سوا اور کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

پانچ میں سکڑنے لگا تھا میری سکرابٹ نے
جھٹی پر تیل کا کام کیا تھا وہ بالکل ہی سنگ
آٹھا دوسرے ہی پل ہی اس نے جب سے کچھ نکال کر
میری جانب اچھالا تھا میں نے دیکھا کہ وہ سیاہ رنگ کے
دانے تھے جو کہ نہ جانے کس چیز کے تھے۔ وہ دانے
سیدھا میری طرف آ کر فضا میں معلق ہو گئے۔ میں حیرت
سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا کہ اچانک ان دانوں سے
آگ کے شعلوں کی برسات ہونا شروع ہو گئی۔ آگ
پوری طرح سے تھریں کر مجھ پر ٹوٹ پڑی تھی۔

آگ نے دو چار منٹ تک مجھ پر اپنی نوازشیں
قائم رکھی تھی۔ چار منٹ بعد آگ کے شعلے ختم ہوے
تو لوگوں کے منہ سے تھیر بھری آوازیں نکلتی گئیں۔

کیونکہ آگ کے شعلوں نے میرا کچھ نہیں لگاڑا
تھا یہ منظر دیکھ کر منشی لال کی بھی آنکھیں حیرت سے کھلی کی
کھلی رہ گئیں۔ اور میں سکڑنے لگا تھا چند لمحات کے بعد
میں نے منشی لال سے کہا۔

”تم اپنے سارے ترکش آزمالو پھر میری باری
ہے۔۔۔“

یہ سن کر وہ اور مزید مشتعل ہو گیا۔ دوسرے ہی
پل ہی اس نے زمین پر زور سے اپنا دایاں پیر مارا
۔ دائیں پیر کے مارتے ہی زمین پھٹی تھی اور ایک عجیب
طرح کی مخلوق زمین سے باہر نکلی۔ اس کو دیکھ کر سب کی
چینیں نکل گئیں۔ ساڑھ اور سور سے مشابہہ وہ جانور جس
کے نتھنوں سے جیسے آگ کے شعلے برآمد ہو رہے تھے
اس کے سینک ٹو کیلے تھے وہ تیزی سے میری طرف

بھاگتا آ رہا تھا اس کو دیکھ کر میں نے آنکھیں بند کر لیں
آنکھیں بند کرتے ہی میں نے دل ہی دل میں آقا کے
اپنے کو دیا کیا تھا آقا کو یاد کرتے ہی میں نے اپنی
آنکھیں کھول کر دوبارہ اس پر پھونک ماری پھونک
مارتے ہی وہ درندہ اچھلا تھا۔ اچھلتے ہی اس کی سمت بدل
گئی اب اس کا رخ منشی لال کی طرف تھا۔ یہ دیکھ کر منشی
لال کی آنکھوں میں خوف ٹاپنے لگا تھا۔ وہ اگلے قدموں
بھاگا تھا شاید اس کے پاس یہی ایک دو تو تیں تھیں جن
کی مدد سے لوگوں کو ڈرا کر وہ اپنا کام نکالتا تھا اس کو
بھاگتے ہوئے دیکھ کر اس کے سارے سیوک اُلٹے
قدموں بھاگ اُٹھے تھے۔ اس سے قبل وہ موڑی
جانور اپنے سینک اس کے پیٹ میں گھسنا تھا میں نے اس
جانور کو روک لیا۔ شاید اس کو دو چار ہی گراتے تھے جیسی
وہ اتنی جلدی ہار مان گیا تھا مجھے اپنے قریب آتا دیکھ کر
اس نے گردن جھکا لی تھی اور میری طرف دیکھنے سے بھی
گریزاں تھا۔ اب لوگوں کی نگاہوں میں اپنے لئے
خوف اور احترام کا جذبہ پایا جاتا نظر آیا لوگ ایک ایک
کر کے منتشر ہونے لگے تھے۔

”میں نے تجھے معاف کیا۔ منشی لال پر تو تجھے
شیطان کا سیوک بننا پڑے گا۔۔۔“

میری بات سن کر وہ چونک گیا اور کہنے لگا۔
”میرا یہی دس چار تھا کہ شیطان کا بچاری ہی مجھے
ٹھکست دے سکے گا۔۔۔“

”اگر تم میرے آقا کے چچے سیوک بن جاؤ گے
تو تم اس سے زیادہ طاقت حاصل کرو گے۔۔۔“

اتنا کہہ کر میں منشی لال کو اپنے ساتھ جھوپڑی
میں لے آیا تھا۔ جھوپڑی میں آنے کے بعد میں نے منشی
لال کو وہی دل دیا تھا جو کہ خون کی طرح سرخ تھا۔ منشی
لال بڑی ہی حیرت سے اس دل کو دیکھ رہا تھا پھر اس نے
وہ دل کھالیا تھا اس دل کے کھاتے ہی وہ باقاعدہ طور پر
شیطان کے پجاریوں کی فہرست میں شامل ہو گیا تھا۔

میں نے منشی لال کو باقاعدہ علاقے کے لوگوں کو
گمراہ کرنے کے لئے چھوڑا اور خود دوسری طرف نکل گیا

۴۶
اپنے کا یہی حکم تھا میں اس سے لکل کر سیدھا
ہی ریلے اسٹیشن جا پہنچا تھا میں نے اپنے لئے سیدھا
کلاس کی ایک برتھ بک کر لی تھی۔ میرا سفر دہلی تک کا تھا
میں واپس اب دہلی جا رہا تھا میں چاہتا تو اپنی پر سرار
توں کی مدد سے لڑ بڑی آسانی سے دہلی پہنچ سکتا تھا مگر
ریل کے سفر کا شوق مجھے ہمیشہ سے ہی تھا چنانچہ میں
اپنے وقت پر ہی اسٹیشن پہنچ گیا تھا جیسے ہی میں کیا ٹکٹ
میں داخل ہوا تو میرے علاوہ ایک مسافر اور بھی تھا جو کہ
مجھے پیٹا ہوا نظر آیا اس مسافر کے ہاتھ میں ایک کتاب
تھی جس کا وہ مطالعہ کر رہا تھا بہر حال میں اس کو سرسری
نگاہوں سے دیکھتا ہوا اپنی سیٹ پر جا بیٹھا تھا اور کھڑکی
سے باہر دیکھنے لگا تھا پر سرار تو میں حاصل کرنے کے بعد
بہت بار میرے دل میں خیال آیا کہ جا کر میرے اپنا
حباب برابر کروں مگر ہر بار آقا نے اپنیس نے مجھے منع
کر دیا کہ ابھی مناسب وقت نہیں آیا تھا۔ جب سے میں
نے دہلی کی پوجا شروع کی تھی مجھے اپنے اندر ایک عجیب
سایا ہوا اندھیرا محسوس ہوتا تھا۔ اچانک میں نے اپنے
سامنے کو منظر بانہ انداز میں پہلو بدلتے ہوئے
دیکھا۔ پھر اس نے کتاب کا صفحہ ایک طرف سے موڑ کر
کتاب واپس سیٹ پر رکھ دی۔ اور جب سے سگریٹ
لال کر سلگانے لگا۔ میں اس کی طرف بڑے ہی غور
سے دیکھ رہا تھا وہ ایک چالیس پینتالیس سال کا ایک قد
آرا ڈھیر عمر پر کشش انسان تھا اس کی مردانہ وجاہت
منف مخالف کے لیے پرکشش تھی۔ اس نے بلیک رنگ
کی پینٹ اور گرے ٹکڑی شرٹ پہن رکھی تھی اس کی
آنکھوں میں مجھے عجیب طرح کی سرخی نظر آتی تھی یوں
لگتا تھا کہ جیسے کسی نے پسی ہوئی مریچیں کوٹ کر اس کی
آنکھوں میں جھونک دی ہوں۔

اس کو دیکھ کر مجھے ایسا محسوس ہوا کہ جیسے کہ یہ
انسان جو نظر آتا ہے وہ یہاں نہیں ہے۔ پھر میں نے سوچا
کہ اپنی قوتوں سے اس کے بارے میں معلومات
حاصل کروں کہ یہ کون ہے لیکن پھر میں نے اپنا ارادہ
رک کر دیا۔ کیونکہ میرا دل نہیں چاہ رہا تھا کہ میں اپنی

قوتوں کا استعمال کروں۔ مجھے اس طرح غور سے
دیکھنے پر اس نے اشارہ مجھ سے سگریٹ کا پوچھا جو کہ
میں نے منع کر دیا تھا۔ اور میں دوبارہ باہر دیکھنے
لگا۔ جھوپڑی ہی دیر گزری ہوگی اچانک مجھے ایسا لگا جیسے
کوئی میرے کان میں سرگوشی کر رہا ہو۔ جیسے کہ کوئی
مجھ پر کان کے نزدیک۔ جھمکنایا ہو۔ پھر میں نے وہی
سرگوشی بڑے واضح انداز میں سنی۔ آواز اسی کی تھی جو کہ
بارگاہ الہی سے رانہ ہو کر نکلا گیا تھا۔

”یہ آواز بڑا موزوں ہے ہمارے حلقہ میں شامل
ہونے کے لئے کوشش کر رہا ہمارا پرستار بن جائے۔۔۔“
آواز کے سنتے ہی میں چونک پڑا اب میں نے
غور سے اس کی طرف دوبارہ دیکھا جو کہ بڑے ہی
لا تعلقانہ انداز میں سگریٹ کے کش لگا رہا تھا میں نے
سوچا کہ اپنی پر سرار قوتوں کا استعمال کر کے جانوں کہ یہ
کون ہے۔

”رک جا۔۔۔ ہر وقت قوتوں کا استعمال مت
کر کبھی اپنا بھی دماغ لڑا جب بات قابو سے باہر
ہو جائے تو اپنی قوتوں کا استعمال کرنا اس طرح یہ تیری
بھی تربیت ہے۔۔۔“

”حکم آقا۔۔۔“ میں نے دل ہی دل میں
جواب دیا۔

اچانک اس نے سگریٹ کو بجھایا اور پاؤں سے
مسلے ہوئے مجھے دیکھنے لگا پھر وہ مسکراتے ہوئے مجھے
کہنے لگا۔

”کیا میرے چہرے پر کچھ لگا ہوا ہے جو آپ
اتنے غور سے دیکھ رہے ہیں مجھے۔۔۔“

اس کی بات سن کر میں گڑبڑا گیا اس کے
مشاہدات بڑے ہی غصہ کے تھے۔

”نہیں۔۔۔ ایسی بات نہیں۔ آپ کا چہرہ مجھے
جانا پہچانا لگتا ہے۔۔۔“

”واقعی۔۔۔“ وہ مسکرایا۔ ”میرا نام ساجد خان
ہے اور میں دہلی جا رہا ہوں اور آپ۔۔۔“

”میں بھی دہلی جا رہا ہوں۔۔۔“ میں نے بھی

”بھائی ہم نے تو ایسا واقعہ نہیں دیکھا۔۔۔“

میں نے ہنس کر کہا۔
میری بات سن کر اس کے ہونٹوں پر پھینکی سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

”میں آپ کو ایسا واقعہ سناتا ہوں جس نے میری زندگی بدل دی۔۔۔ وہ واقعہ میں آج تک نہیں فراموش کر سکا ہوں۔۔۔“ اتنا کہہ کر وہ چند لمحوں کے لئے خاموش ہو گیا اس کے چہرے پر ایسے تاثرات در آئے جیسے اپنی یادداشت کو جمع کر رہا ہو۔

میں بغور اس کی طرف دیکھ رہا تھا شاید اس کے گل جانے کا وقت آ گیا تھا۔

”غربت اور افلاس جیسے میرے دوست اور میرے ساتھی۔۔۔ جب میں پیدا ہوا تو ان دنوں ہندوستان کی تحریک آزادی عروج پر تھی لوگ انگریزوں سے برسرِ پیکار تھے۔ ان دنوں میری عمر زیادہ نہ تھی جب ہندوستان تقسیم ہوا تو میں ملک سے باہر تھا۔ گھر کی غربت کو دیکھتے ہوئے میں ایک ایجنٹ کے قہر و غیر قانونی طور پر ملک سے باہر نکل گیا قریباً میں نے تیرہ چود برس دیا غیر میں گزارے جنوبی افریقہ کی خاک چھانی۔ لیکن جنوبی افریقہ میں بھی میرا کچھ نہ ہوا میں روز کنواں کھودتا اور پانی پیتا۔ جگہ جگہ مزدوری کرتا لوگوں کی جھڑکیاں کھاتا مگر روزگار کا مسئلہ ٹھیک طرح سے حل نہیں ہو رہا تھا۔ ایک روز میرے افریقی مالک نے میری ایک غلطی پر مجھے مار پیٹ کر گھر سے باہر نکال دیا اور میری ہنٹے بھر کی مزدوری دینے سے انکار کر دیا۔ میں نے اس ہنٹے بھر کی مزدوری ڈیمانڈ کی تو اس نے مجھے پولیس کے حوالے کرنے کی دھمکی دے کر بھگا دیا۔ غیرت مند تھا بھیک کے لئے ہاتھ نہ پھیلا یا ورنہ افریقہ کی بہت سی خواتین ایسی تھیں جو کہ ایک وقت کے کھانے کے لئے جسم فروشی پر بھی آمادہ ہو جاتی تھیں غیر میں بھوک پیاس سے لڑتا رہا آخر تین دن کے بعد میں ایک جگہ گر کر بے ہوش ہو گیا۔

آنکھ کھلی تو میں نے اپنے آپ کو ایک نہایت ہی

مسکراتے ہوئے جواب دیا۔
”اوہ۔۔۔ تو خوب بچے کی جب مل بیٹھیں گے دیوانے دو۔۔۔“

اس کی بات پر میں نے صرف مسکراتے پر اکتفا کیا تھا۔ واقعی بڑی زبردست انسان معلوم ہوتا تھا۔
تھوڑی ہی دیر گزری تھی اس نے اپنے ساتھ لایا ہوا تھرموس کھولا اور اس سے میں دو کپ انڈیلے اور ایک مجھے دیا اور دوسرا خود لے لیا۔

”ایسی کافی آپ نے زندگی میں نہیں پی ہوگی۔۔۔“

کافی سے آنے والی خوشبو کافی وافر تھی میرا بھی دل کافی پیسے کو کرنے لگا تھا۔ میں نے اس سے کپ لے لیا تھا فرین اپنی پوری رفتار سے آگے بڑھ رہی تھی کافی واقعی بڑی ہی وافر اور خوشبودار تھی اس کا ذائقہ بھی بہت اچھا تھا۔

بہت ہی جلد میرے اور ماجد کے درمیان بے تکلفی ہو گئی ہم مختلف موضوعات پر بات چیت کرنے لگے تھے۔ بات کرتے کرتے اچانک ماجد میری طرف جھک آیا اور کہنے لگا۔

”کیا آپ بھوت پریت اور جادو اور سفلی علوم پر یقین رکھتے ہیں۔۔۔“

اس کی بات سن کر میں چونک گیا کہ اچانک اس نے ایسی بات کیوں کی چند لمحوں کے بعد میں نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

”جادو وغیرہ تو ہے مگر بھوت پریت کا نہیں پتہ۔۔۔“ میں نے اس سے بھوت بولتے ہوئے کہا۔

حالانکہ میں یہ سب کچھ بھیل چکا تھا۔ میرے جھوٹ بولنے کی وجہ صرف اتنی تھی کہ میں چاہتا تھا کہ یہ کھل کر سامنے آئے کہ کون ہے یہ میری بات سن کر اس کے ہونٹوں پر برسرِ رسی مسکراہٹ دوڑ گئی اس نے مسکراتے ہوئے سرگرمیٹ سلگایا۔ اور مسکرا کر بولا

”چلکا ش صاحب اس دنیا میں ہر چیز ممکن ہے۔۔۔“

خوبصورت اور عالیشان کمرے میں پایا تھا کمرے کا فرنیچر اس کی ہر چیز صاحب خانہ کی امارت کا منہ بولتا ثبوت تھی۔ جس کمرے کے بیڈ پر میں لیٹا تھا اس کی چادر بھی میرے لینے سے میلی ہو چکی تھی۔ میں نے ادھر ادھر دیکھا شدید نقاہت کے سبب مجھ سے اٹھنا بھی دشوار ثابت ہو رہا تھا۔ اچانک کمرے کا دروازہ کھلا دروازہ کھلتے ہی اندر آنے والی کود کچھ کر میری آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔

☆.....☆.....☆

میں نے زندگی میں بڑی بڑی خوبصورت اور حسین خواتین دیکھی تھیں مگر جو بات اس میں تھی وہ کسی اور میں نہیں۔ ایک کہادت بڑی ہی مشہور تھی حسین لڑکیوں کے لئے جان دی جاسکتی ہے مگر یہ وہ پہلی لڑکی تھی جس کے لئے جان دی بھی جاسکتی تھی اور لی بھی جاسکتی تھی۔ وہ سفید رنگت کی قد آور گداز جسم کی مالک تھی اس کو دیکھ کر انگریز عورتوں کا خیال ذہن میں آتا تھا اس کے جسمانی نشیب و فراز میں بڑی ہی دلکشی و رعنائی تھی عمر کی چالیس بہاریں دیکھنے کے بعد بھی وہ کبھی طرح سے چالیس کی معلوم نہیں ہوتی تھی اس کو دیکھ کر ایسا لگتا تھا کہ آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں نے جسم روپ اختیار کر لیا ہو۔ مجھے اس کی جسمانی رعنائیوں اور حسن و جمال سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ میرا مقصد تو پیٹ کے ایندھن کو بھرنا تھا۔ وہ میری طرف بڑی ہی دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔

”بھوکے ہو۔۔۔“

میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

میری بات سن کر وہ مسکرائی اور کہنے لگی۔

”کیا کھاؤ گے۔۔۔“

”کچھ نہیں کوئی خاص ڈیمانڈ نہیں بس صرف

پیٹ بھرنے کے لئے کھانا۔۔۔“

میری بات سن کر اس نے بڑی ہی گہری نظروں

سے میرے جسم کا ناقدانہ جائزہ لیا مجھے اس کی نظریں

اپنے لئے صاف نہیں لگیں تھیں مجھے ایسا لگا کہ کوئی بوڑھی

گدھ اپنے شکار کے مرجانے کا انتظار کر رہی ہو تاکہ مرنے کے بعد اس کو کھانے کے لئے لے کر سکتے ہو۔۔۔“ اس نے معنی خیز لہجے میں مجھ سے پوچھا۔
”جو تم چاہو چوری ڈاکا تل سب کچھ۔۔۔ میں تین دن سے بھوکا ہوں۔۔۔“ میں نے قدرے بے چارگی سے جواب دیا

میری بات سن کر وہ تہقیر لگا کر ہنس پڑی اس کی ہنسی طویل ہوئی چلی گئی۔ یہاں تک کہ اس کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔

”واقعی پیٹ کی آگ جہنم کی آگ سے زیادہ خطرناک ہے۔ انسان کو کتنا تک بھادتی ہے۔۔۔“ نہ جانے اس نے مجھ پر طنز کیا تھا یا پھر فلسفہ بھجھا رہی تھی۔ میں اس کی طرف ہر تن گوش تھی چند لمحوں کے بعد وہ بولی۔

”پہلے تم نہالو تمہارے جسم سے بدبو آرہی ہے اندر شیو کا سامان اور تمہارے سائز کے کپڑے موجود ہیں۔۔۔“

اتنا کہہ کر اس نے مجھے غسل خانہ میں دھکیل دیا۔
”چلکا ش جب میں نہال کر نکلا تو وہ مجھے دیکھتی ہی رہ گئی تھی۔۔۔“

ماجد نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ قارئین ماجد خان کی داستان اتنی دلچسپ تھی کہ میں اس میں کھوسا گیا تھا خیر میں آپ کی دلچسپی کو ختم نہیں کرونگا واپس ماجد خان کی داستان کی طرف آتا ہوں۔

جب میں نہادھو کر نکلا تو وہ میرے انتظار میں بیڈ روم میں ٹہل ٹہل کر سرگرم پھونک رہی تھی مجھے دیکھ کر اس کے ہاتھ بے سگریٹ چھوٹ گئی اس نے مجھے ستائشی نظروں سے دیکھا اور پھر مسکرائے گی، نہ جانے کیوں ان نظروں میں مجھے اپنے لئے ہوس اور بھوک نظر آنے لگی تھی۔

”کھانا کھا لو پھر بات کرتے ہیں۔۔۔“

اس نے میرے سامنے کھانا لا کر رکھ دیا۔ میز پر

پکن اور بیف کے کئی طرح کے سالن موجود تھے۔ اور ساتھ میں شراب بھی تھی۔ کھانا دیکھ کر میں سر ہلکوں کی طرح ٹوٹ پڑا تھا۔ بہت دنوں بعد اتنا لذیذ کھانا نصیب ہوا تھا۔ جس سے میں نے پورا انصاف کیا تھا کھانے کے بعد اس نے مجھے شراب پیش کی تھی جس کو میں نے شکریہ کے ساتھ قبول کیا تھا۔ شراب واقعی بڑی تھیں اور تیز تھی۔

”میں چاہتی ہوں کہ تم تین دن میرے شوہر سے رہو۔ جب سے چیک نے مجھے چھوڑا ہے کوئی ایسا ملا نہیں جس سے مجھے بھرپور محبت مل سکے۔“ اس کی آواز بھرا گئی۔

اس کی بات سن کر میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا میں نے اب بھر پور طریقے سے اس کے سراپے پر نگاہ کو تو میرے جسم میں دوڑنے والے خون کی گردش یکدم ہی تیز ہو گئی۔ وہ مجھے ایسی عورت نظر آنے لگی تھی جو واقعی محبت کی بھوک ہو۔ بہر حال اندھا کیا چاہے وہ آنکھیں جس انسان نے زندگی میں کسی بھی عورت کا مت نہ دیکھا ہو اور اس انسان کے سامنے ایسی عورت آجائے سوچے کی بات ہے اس کی کیفیت کیا ہوگی بہر حال میں تین راتوں اور تین دن تک اس کا شوہر بنا رہا۔ واقعی ایسا گدرا ہوا بدن مجھے زندگی میں کبھی بھی نہیں ملے گا۔ تین دن کے بعد وہ اس ملک کو چھوڑ کر چلی گئی جاتے وقت اس نے مجھے سوڈا اردے جو اس وقت کے حساب سے بڑی رقم تھی۔ سوڈا لے کر میں اپنی زندگی دوبارہ سے شروع کر سکتا تھا لیکن ایک انقلاب اور میرا انتظار کر رہا تھا۔

سوڈا اگر تم جیسے میں اپنے آپ کو بادشاہ ہی سمجھ بیٹھا تھا جس کے قبضے میں پوری دنیا کی دولت ہو چنانچہ میں اچھا کھانا اور شراب میں ہی بیویوں کو خرچ کرتا شروع کر دیا۔ اس روز موسم نہایت ہی متھل تھا میں ایک کینے میں بیٹھا کافی کی چسکیاں لے رہا تھا اچانک میں نے ایک آدمی کو دیکھا جس کی عمر 35-40 سال کے آس پاس تھی نہ جانے کیوں میں اس

فرض کو دیکھ کر چونک گیا چہرے میرے سے وہ آدمی مجھے میرے ملک کا میرے دیس کا معلوم ہوا تھا اس کو دیکھ کر مجھے ایسا لگا کہ جیسے میں اس کو پہلے بھی کہیں دیکھ چکا ہوں۔ لیکن کہاں مجھے یاد نہیں آ رہا تھا نہ جانے کیوں میرا دل اس کی طرف کھینچنے لگا تھا میں بے اختیار ہی اٹھ کر اس کی جانب چلا گیا تھا وہ ایک میز پر بیٹھا ہوا تھا۔ وہ میز پر شراب کی چسکیاں لینے میں مصروف تھا میں سیدھا جا کر اس کے پاس بیٹھ گیا میں نے فوراً اس کی طرف دیکھا تو مجھے یاد آ گیا کہ میں نے اس کو کہاں دیکھا ہے وہ میرے بچپن کا دوست مرلی تھا جو کہ میرے ساتھ ہی کالج میں پڑھا تھا یہ دیکھ کر میں خوشی سے اچھل ہی پڑا اپنے دوست کو اتنے سالوں کے بعد دیکھ رہا تھا ابھی میں اس کو مخاطب کرنا ہی چاہ رہا تھا کہ اس نے نظریں اٹھا کر میری طرف دیکھا تو نہ جانے کیوں اس کی آنکھوں کو دیکھ کر مجھے جھرجھری سی آگئی اس کی آنکھیں نہایت ہی سرخ تھیں جیسے کسی نے لال مرچیں جھونک دی ہوں۔

”کیا کام ہے۔“ اس نے رکھائی سے کہا۔ اس نے قدر درکھائی سے پوچھا تھا کہ میں جواب نہ دے سکا اور ہٹا کر رہ گیا۔ شاید اس نے مجھے پہچانا نہیں تھا اگر پہچانا ہوتا تو میری عمر اور رکھائی سے پیش نہ آتا۔

”بھیک مانگنے کے لئے روڈ پر کھڑا ہونا ضروری ہے۔“ اس نے نہایت تحارت بھرے لہجے میں جواب دیا۔

اس کی بات سن کر مجھے قصداً گیا۔ ”مم۔ میں بھکاری نہیں ہوں اور شاید تم نے مجھے پہچانا نہیں ہے۔“ میری بات سن کر وہ حیرت زدہ رہ گیا دوسرے لمحے وہ مجھے ایسے گھورنے لگا کہ جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو پھر یکدم ہی وہ اٹھا اور مجھ سے لپٹ گیا تھا۔ پھر تو جیسے میں نے محسوس کیا کہ میرا پرانا دوست میرے سامنے آ گیا ہو۔ ایسی مذاق تھا جو کہ تم ہونے کا نام ہی نہیں لیتا تھا۔ پھر یکدم ہی اس نے مجھ سے پوچھا کہ میں کیا کام کرتا ہوں میرا جواب یہی تھا کہ میں بیکار ہوں

پھر جب میں نے اس سے کام کی بابت پوچھا تو وہ چونک گیا پھر میں نے اس کی آنکھوں میں چمک مودار ہونے کو دیکھی نہ جانے وہ کیسی چمک تھی میں جھرجھری لے کر رہ گیا مجھے ایسا لگا کہ جیسے کوئی خونی عذرت مجھے دیکھ رہا ہو۔ ان نظروں میں اس قدر عجز تھا کہ میں اس سے نظر ملا ہی نہیں سکا۔

”پارمرلی جب میں دیس سے بھاگا تو اپنے لہجہ کی تلاش میں مگر ابھی تک کچھ بھی نہیں ہوا ہے۔“ میں نے مرلی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ میری بات سن کر مرلی کی نگاہوں میں اپنے لئے ہمدردی محسوس کی پھر اس نے مجھ سے کہا۔

”تم میرے ساتھ چلو میں مستقل طور پر افریقہ میں ہی مقیم ہوں تم کو اچھا کام دے دوں گا۔“

اچانک کمپارٹمنٹ کا دروازہ کھلا اور ماجد خاموش ہو گیا۔ صاف لگ رہا تھا کہ وہ بولنے بولنے تھک گیا کمپارٹمنٹ کے اندر داخل ہونے والا ایک ٹکٹ چیکر تھا۔ ٹکٹ چیکر نے ٹکٹ چیک کئے اور چلا ہٹا۔

ماجد کی داستان ہر لحاظ سے دلچسپ تھی لیکن میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ شیطان اعلیٰ نے اس میں کیا دیکھا اس کی کہانی ایک عام سی عامیانہ کہانی تھی اگر میں اپنی قوتوں کا استعمال کرتا تو بہت جلد ہی جان بابتا کہ وہ کون ہے۔ ماجد تھرموس کھول کر اس میں سے پانی پی رہا تھا شاید اس کا مت تھک چکا تھا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد میں اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

”مسٹر ماجد داستان تو آپ کی بہت زیادہ دلچسپ ہے۔“ اس نے معنی خیز انداز میں جواب دیا۔

اس کی بات سن کر میں چونک گیا۔ اب یہ خیال میرے دل میں اور مزید جڑ پکڑنے لگا تھا کہ وہ جیسا نظر آ رہا ہے ویسا ہے نہیں ایک بار پھر میں نے اپنی پر سرار قوتوں کا استعمال کرنے کا سوچا لیکن اس خیال سے رک گیا لیکن وہ مردود پھر ناراض نہ ہو جائے پھر میں اس کی جانب بہت گش ہو گیا۔

ماجد نے پھر بولنا شروع کر دیا تھا۔

”میں نے آفر قبول کر لی تھی جہاں مجھے انوکھے حادثے دو چار ہوتا رہا تھا۔ میں مرلی کے ساتھ ہی اس کے علاقے کی طرف نکل پڑا جہاں اس کا قیام قمار مرلی کا قیام افریقہ کے پرخطر جنگلات میں تھا جہاں اس نے حکومت سے جنگلات کی کٹائی کا ٹھیکہ لیا ہوا تھا اور اس سے حاصل ہونے والی لکڑی کو منجھکے واسوں ملک کے مختلف حصوں میں پہنچا دیا جاتا تھا مجھے ان تمام کٹائی کے کام کا سپروائزر بنایا گیا تھا۔ خبر وہ تو مجھے چھوڑ کر نہ جانے کہاں نکل گیا تھا بہر حال دو دن کے سفر کے بعد میں جب مرلی کے علاقے میں پہنچا تو میں حیران رہ گیا کہ ساری دنیا کا حسن افریقہ کے ان جنگلات میں بسا تھا جو لوگ افریقہ کے جنگلات کو قریب سے دیکھ چکے ہیں وہ لوگ جانتے ہیں یہ جنگلات جتنے اپنے اندر خوبصورتی رکھتے ہیں اتنے ہی پرخطر بھی ہیں۔ مجھے مرلی کے کاروبار کو سمجھنے میں قریب دو دن لگ گئے تھے مرلی کا کاروبار کافی وسیع اور بڑا تھا یہ کافی اچھی بات تھی کہ میرے دوست نے مجھے اپنے ساتھ ہی کاروبار میں رکھ لیا تھا۔ مرلی ایک نہایت ہی خوبصورت اور حسین بیوی بھی تھی جس کا نام ریکا تھا میں نے محسوس کیا تھا کہ مرلی اپنی بیوی پر زیادہ دھیان نہیں دیتا تھا نہ جانے کیوں وہ مجھے ہر وقت چمچھی چمچھی سی محسوس ہوتی تھی ریکا حسن و جمال اور شادابی میں اپنی مثال آپ تھی۔ اس کو دیکھ کر کسی بھی طرح سے ایسا محسوس نہیں ہوتا تھا کہ وہ بچی اور کنواری نہیں بلکہ بعض دفعہ تو مجھے بھی شگ ہوئے لگتا تھا ایک رات کی بات ہے اس رات آسمان پر پورا چاند تھا میں کافی دیر تک چاند کی چاندنی سے لطف اندوز ہوتا رہا اس کے بعد میں تھک گیا تو کمرے میں جا کر سو گیا جھکن کے سبب میں تھوڑی ہی دیر میں گہری نیند میں چلا گیا کہ اچانک میرے کمرے کا دروازہ زور سے بجا۔ دروازے پر جتنے ہی میں بڑا کر میں اٹھ بیٹھا ایک بات اور واضح کر دوں کہ میں مرلی کے ساتھ اس کے ہی گھر میں رہائش پذیر تھا۔ یک بیک میری نظر گھڑی پر پڑی تھی دیوار گیر گھڑی رات کے دو بجے کا وقت

دیکھا رہی تھی۔ میں بھی سوچ رہا تھا کہ اتنی رات گئے کون آسکتا ہے بہر حال میں نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے دروازہ کھول دیا تھا۔ دروازہ کھولتے ہی مجھے حریت کا شدید جھکا لگا کیونکہ دروازے پر مرلی کی حسین بیوی شب خوابی کے لباس میں کھڑی تھی۔ شب خوابی کے لباس میں اس کا سر میری جسم جھک کر دھوٹ گناہ دے رہا تھا جس کو دیکھ کر میرے خون کی حدت تیز ہو گئی۔

”ہیم۔۔۔ آپ یہاں۔۔۔“ میں نے اس کی جانب خوف زدہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

مجھے ڈرتا کہیں ایسا نہ ہو کہ مرلی آجائے۔

”نہیں نہیں آ رہی تھی مرلی بھی ہے نہیں سوچا کہ

تمہارے ساتھ ایک دوڑ تک لے لوں۔۔۔“ اس نے

معنی خیر لہجے میں کہا۔

اس کے سے لہجے سے میرے پورے جسم پر

چونچیاں مار رہی تھیں۔

”ہم۔۔۔ مجھے نیند آ رہی ہے۔۔۔“ میں نے

گہرا کر کہا۔

میری بات سن کر وہ ہنس پڑی اس کو ہنسنے ہوئے

دیکھ کر ایک لمحے کے لئے میں چونک گیا کیونکہ وہ بہت

زیادہ خوبصورت لگ رہی تھی ہنسنے ہنسنے یکدم ہی اس نے

میرا ہاتھ پکڑ لیا ہاتھ کے پکڑتے ہی منجلی کا ایک تیز جھکا

ساتھا جو مجھے محسوس ہوا تھا۔ مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ وہ مجھے

ایسی منزل کی طرف لے جاتا چاہتی ہے جس کا آغاز تو گناہ

سے شروع ہوتا ہے اور انجام ندامت پر۔ میں پھر اس بند

کے آگے بڑھتا ہوں ہو گیا جس کے آگے بڑے بڑے عابدو

زائد بار جاتے ہیں وہ مجھے اپنے ساتھ لے کر کمرے میں

چلی آئی جیسے ہی میں کمرے میں داخل ہوا کمرے میں نے

جو کچھ دیکھا میری آنکھیں حریت و خوف سے کل گئیں

میں سنا کہ وہ جاہل اس منظر کی طرف دیکھ رہا تھا جس نے

مجھے ہوش و خرد سے بے گناہ کر دیا تھا۔ بیک کی چیخ ہی مجھے

ہوش کی دنیا میں واپس لائی تھی۔

☆.....☆.....☆

بینہ پر مرلی کی خون میں لت پت لاش پڑی تھی

اس کی گردن آدمی کی ہوئی تھی جس کے بہتے ہوئے خون نے پڑا اور اس کی ساری جاوید نگینیں کر دیا تھا مرلی کے باقی جسم کے ساتھ بھی سفاکی کا مظاہرہ کیا گیا تھا۔ اس کی لاش کو جگہ جگہ سے اویڑا ہوا تھا یوں لگتا تھا کہ جیسے کیس جنگلی درندے نے مرلی کے جسم کو بری طرح سے نوج دیا ہو۔ ربیکا تو کمر کر بے ہوش ہو گئی تھی مرلی کے جسم پر پورا لباس دیکھ کر ایسا لگتا تھا کہ جیسے وہ کہیں باہر سے واپس آیا ہو اس کی آنکھوں میں نمونہ

خوف سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس نے بہت ہی خوفناک

کوئی چیز دیکھ لی ہو۔ ذرا سی دیر بعد ربیکا کے روح فرسا

بین شروع ہو گئے تھے جلد ہی خیر جنگل کی آگ کی طرح

پھیل گئی کہ مرلی کو کسی نے مار دیا ہے۔ پولیس بھی آئی

ضروری کارروائی ہوئی لاش کو پوسٹ مارٹم کے لئے بھیج دیا

گیا پولیس نے رکی سے سوالات پوچھے اور چلی گئی سب

کا موقف تھا کہ کسی طرح کوئی درندہ گھر میں داخل ہوا

اور اس نے مرلی کو مار دیا تھا۔ لیکن یہ بات نہ جانے

کیوں مجھے ہضم نہیں ہو رہی تھی کہ کوئی درندہ کیسے گھر میں

گھس سکتا ہے یہ بات ٹھیک تھی کہ اس کا گھر جنگل میں

ہی تھا لیکن وہ درندوں کی پناہ گاہ سے بہت دور تھا دوسری

بات نہ تو کسی درندے کے پیروں کے نشان ملے تھے

نہ جانے کیوں ربیکا کے بین مجھے غیر فطری لگ رہے

تھے۔ مرلی کی چیخ کی آواز نہ سنائی دینا بھی ایک معرہ تھا۔

مرلی کی موت بہت ہی ناقابل یقین حادثہ تھا

ایک ماہ تک سارا کاروبار ہی بند رہا اس کے بعد ربیکا نے

سارے کاروبار کی باگ ڈور سنبھال لی تھی ایک ماہ تک

کوئی حادثہ نہیں ہوا تھا لیکن شاید حادثات میرے منتظر

تھے ربیکا نے مجھے کام سے نکالائیں تھا بلکہ اپنے ساتھ ہی

رکھ لیا تھا نہ جانے کیوں ربیکا کی نگاہ التفات مجھ پر پڑتی

ہی جاری تھی مجھ سے بے لگافی سے بات کرنا کاروبار

کے ہر مسئلے پر مجھے شریک بنانا ربیکا کی ایک عادت بن

چکا تھا ایک روز رات کے وقت اچانک ایک عجیب قسم کی

آواز سن کر میری آنکھ کھل گئی۔ نہ جانے وہ آواز کیسی تھی

میں کچھ سمجھ ہی نہیں پایا تھا کچھ ہی لمحے گزرے ہوں گے

کہ مجھے لگا جیسے کوئی چیز بہت زور سے فرش پر مگر رہی ہو۔ میں فوراً ہی بستر سے اٹھ بیٹھا۔ اچانک مجھے اپنے دروازے پر دستک کی آواز سنائی دی۔ دستک کی آواز کچھ اس طرح کی تھی جیسے کہ کوئی رہ رہ کر دروازے کو مار رہا ہو خوف و ہشت سے میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا میں نے جلدی سے دروازے میں سے اپنا ریوالت نکالا اور جیب میں رکھ لیا اور پھر دے قدموں چلتا ہوا دروازے تک جا پہنچا دروازے پر پہنچ کر میں نے اپنا کان دروازے پر لگا دیا تاکہ میں باہر کی سن گن لے سکوں۔ مگر باہر سے ایسی کوئی آواز سنائی نہ دی چند ساعتوں تک خاموشی رہی پھر یکدم زور سے کسی نے دروازہ بجایا۔ دروازے کی آواز اتنی زوردار تھی کہ میں پوری جان سے اچھل پڑا میں نے فوراً ہی دروازہ کھول دیا۔ دروازے کھلتے ہی میں خوف و ہشت سے اچھل کر

دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔ جو کچھ میں نے دیکھا ڈرا دینے

والا تجب انیز تھا۔

دروازے پر سیاہ اور گلابی رنگ کا کوڑیالہ ناگ

بچن پھیلاے جھوم رہا تھا اتنا خوبصورت ناگ میں نے

زندگی میں پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا اس کی بڑی بڑی

آنکھوں میں عجیب طرح کا سر تھا جو کہ مجھے اپنی طرف

کھینچے جا رہا تھا مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ سانپ مجھے

بلا رہا ہو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کر رہا ہو وہ مجھے یک یک

گھورے جا رہا تھا میرا ذہن متعدد خیالات کی آماجگاہ بنا

ہوا تھا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ مجھے ڈس لے اور میں موت

کی گہری نیند سو جاؤں میں نے جیب کے اندر ہی ہاتھ

ڈالے ڈالے اپنی گرفت ریوالت پر سخت لہجے کر لی اور

چوکنہ ہو کر اس سانپ کو گھورنے لگا کہ اس نے کوئی بھی

حرکت کرنے کی کوشش کی تو میں فائر کر دوں گا۔ اچانک

سانپ پیچھے ہٹا۔ جیسے ہی وہ پیچھے ہٹا میں نے فوراً ہی

جیب سے اس پر فائر کر دیا گولی شاید سانپ کو چھوئی ہوئی

گزرتی تھی یا اس کو گئی تھی یہ مجھے پتہ نہیں چلا سانپ تیزی

سے بھاگا تھا۔ اگر زخمی ہوا تھا تو مجھے اس کا پیچھے کر کے

اس کو پوری طرح سے ہلاک کرنا تھا کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ

مجھے کسی کے لئے نقصان دہ ہو۔ میں بھی اس کے پیچھے بھاگا مگر مجھے کوئی درد میں سنا ہی نظر آیا تھا مجھے سمجھ نہیں آیا کہ وہ سانپ کہاں گیا۔ جو کہ تیزی سے بھاگا تھا میں نے سوچا کہ ایسا نہ ہو کہ وہ سانپ تیزی سے رینگتا ہوا گھر سے باہر ہی نکل گیا ہو۔ لیکن ایسا ہوتا تو پھر خون کی لکیر گھٹ تک ضرور دکھائی دیتی۔ لیکن خون کا نام و نشان ہی نہیں تھا۔ اچانک مجھے اپنے ارد گرد کسی کی موجودگی کا احساس ہوا ایسا لگا کہ جیسے کوئی میرے بالکل قریب سے گزرا ہوا خوف کی ایک سرد لہر میرے رگ وہ پے میں دوڑ گئی۔ میں تیز تیز چلتا ہوا گھر سے باہر نکل آیا۔ جیسے ہی میں گھر سے باہر نکلا کوئی تیزی سے دوڑتا ہوا جنگل کی طرف گم ہو گیا ہو۔

آسمان پر پورا چاند روشن تھا۔۔۔ موسم خوشگوار

تھا ٹھنڈی ہوا میں چاندنی رات کا ماحول بھی رومانوی

ہو چکا تھا۔ اچانک مجھے ایک تیز قسم کی چیخ سنائی دی چیخ

سن کر میں کانپ گیا چیخ کی آواز جنگل کی سمت سے آئی

تھی چیخ کی آواز سے مجھے اندازہ ہوا کہ وہ آواز یا تو کسی

بھیڑے کی تھی یا پھر گلوں کی تھی۔ چیخ کی آواز سن

کر میں ٹھرا گیا تھا۔ خوف کی ایک سرد لہر میرے اندر دوڑ

گئی کچھ ہی لمحے گزرے ہوں کہ مردانہ چیخ کی آواز نے

مجھے قہر ادا کیا تھا۔ جس نے مجھے بھاگنے پر مجبور کر دیا تھا۔ نہ

جانے کون بد نصیب تھا جو کہ کسی درندے کا شکار ہوا تھا۔

دوسری صبح میں برآمدے میں بیٹھا تھا موسم

خوشگوار تھا ملازم ناشتہ تیار کرنے میں لگا تھا میرا ذہن

مستقل رات والے واقعے کے بارے میں سوچ رہا تھا

کہیں ایسا تو نہیں میں نے خواب دیکھا ہو۔ ساری

باتیں مجھے خواب ہی لگ رہی تھیں میرے دماغ میں اس

بد نصیب شخص کا بھی خیال تھا جو کہ کسی درندے کا شکار

ہوا تھا۔ میں سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک مجھے ربیکا آتی

دکھائی۔ ربیکا کو آتا دیکھ کر میں سیدھا ہو کر بیٹھ گیا بہر حال

وہ میرے مرحوم دوست کی بیوی اور مالکن تھی۔ جیسے ہی

وہ میرے نزدیک آئی اس کو دیکھ کر میں میری نظریں

از خود جھک گئیں۔ اس نے شب خوابی کا لباس زیب تن

کر رکھا تھا جس کا رنگ سیاہ اور گلابی تھا جس میں سے اس کے سر میں اعضا جھک رہے تھے۔ سیاہ اور گلابی رنگ دیکھ کر میرے ذہن میں وہ کوڑیالہ ناگ گھومنے لگا تھا اتفاقاً اس کی جلد کی رنگت بھی سیاہ اور گلابی تھی۔ میرے ذہن میں عجیب سا دوسرا صدارت لگا تھا۔ کس ایسا تو نہیں رہا یہی وہ کوڑیالہ ناگ ہو دوسرے ہی پل اپنے اس بے سرو پا خیال پر ہنسی آنے لگی کوئی انسان بھلا سا سب کا روپ کیسے دھار سکتا ہے۔ وہ میری طرف شوخ نظروں سے دیکھتی ہوئی کڑی پرہیزگاری۔

”ناشنے کی تیاری ہو رہی ہے۔۔۔“ وہ مسکرا کر بولی۔

”جی۔۔۔ میں نے مسکرا کر جواب دیا۔۔۔“

”آپ نے کر لیا ہے ناشتہ۔۔۔“

میری بات سن کر وہ مسکرائی اور اپنی دونوں

کھینیاں میز پر ٹکا کر ایک انداز سے بولی۔

”اب تو مجھے اکیلے ہی ناشتہ کرنا پڑے گا۔۔۔“

اس کے دونوں کھینیاں میز پر ٹکانے سے میری آنکھیں خیرہ ہو گئیں میں نے فوراً ہی اپنی نظریں چرائیں

اس کے انداز سے کہیں سے بھی یہ ظاہر نہیں ہو رہا تھا کہ

اس کو مرلی کی موت کا دکھ بھی ہے۔ اچانک میری نظر اس

کے دائیں بازو پر پڑی جس کو دیکھ کر میرے جسم میں سنسنی

کی دوڑ گئی اس کے بازو پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ میرے

ذہن میں رات والا واقعہ گھومنے لگا تھا۔ اس کا سیاہ اور

گلابی لباس بازو پر پٹی بندھی نے میرے دماغ میں دبی

بے سرو پا دوسرے دوبارہ ابھر نے لگے تھے کہیں ایسا تو

نہیں کہ رہیگا پر سر اوتھوں کی مالک ہو؟ ایسا تو نہیں کہ

اس نے ہی مرلی کو مارا ہو میرا دماغ مختلف طریقہ سے

چلنے لگا تھا۔ پھر میں نے اس سے اس کی چوٹ کے

بابت پوچھ ہی لیا تھا۔ میرا سوال سن کر وہ یکدم چونک گئی

اور پھر دوسرے ہی لمحے وہ ممتی خیر لہجے میں بولی۔

”آپ کو کیا لگتا ہے۔۔۔“

اس کی بات پر میں سوچ ہی رہا تھا کہ کیا جواب

دوں اسی لمحے ایک جیب ہمارے نزدیک پہنچ کر ایک

جھٹکے سے رک گئی جیب میں چار آدمی سوار تھے وہ چاروں مجھے دیکھ کر فوراً ہی جیب سے نیچے آتر آئے۔ ان کے چہروں پر عاری گھبراہٹ دیکھ کر میرا دل دھڑکنے لگا تھا۔ یہ چاروں لوگ مرلی کے ساتھ کام کرتے تھے یہ لوگ وہاں کے مقامی باشندے تھے۔ رہیگا کو دیکھ کر وہ موہب ہو گئے۔

”کیا ہوا۔۔۔ رہیگانے پوچھا۔

”وہ۔۔۔ وہ سائٹ پر ایک لاش ہے۔۔۔“ ایک

نے گھبرا کر پوچھا۔

لاش کا سننے ہی میں اچھل پڑا تھا۔ واقعی یہ

میرے لئے حیرت انگیز بات تھی کہ سائٹ پر کسی انسان

کا قتل ہو جانے کا شہ رات والی جگہ مجھے یاد آنے لگی گویا

کل رات کو کسی انسان کا خون ہوا تھا لیکن مجھے کیا پتہ تھا

وہ ہمارا ہی مزدور ہوگا۔

”کیسی لاش۔۔۔“ میں چونک گیا۔

”کپتان صاحب وہ لاش۔۔۔ ہماری بستی کے

مقامی آدمی کی ہے۔۔۔“

وہ لوگ ہمیشہ مجھے کپتان صاحب ہی کہہ کر

بلا تے تھے اس کی بات سن کر میں نے کہا۔

”مرنے والا کیا سائٹ کے مزدوروں میں سے

تھا۔۔۔“

”نہیں کپتان صاحب۔۔۔“

”اگر وہ ہمارا آدمی نہیں تھا تو اس کی لاش یہاں

کیسے پائی گئی۔۔۔“ اب کی بار سوال رہیگانے پوچھا تھا۔

لاش کے بارے میں سننے ہی نہ جانے کیوں

مجھے ایسا لگا کہ جیسے رہیگا کے ہونٹوں پر ممتی خیر مسکراہٹ

دوڑ گئی ہو۔

”مادام یہاں کے مقامی لوگ اکثر سائٹ پر آ جایا

کرتے ہیں اس میں ایسی بھی کوئی بات نہیں۔۔۔“ ایک

بوزھے مزدور نے دغل دیتے ہوئے کہا۔

”سائٹ پر آ جاتے ہیں مگر کیوں۔۔۔“ رہیگا

نے جھلا کر پوچھا۔

اس کی بات سن کر اسی بوزھے مزدور کی آنکھوں

میں ناگواری کا تاثر سا ابھرا اور پھر دوسرے لمحے اس نے ناگواری کو مٹاتے ہوئے مسکرا کر کہا

”مادام مرلی صاحب نے خود ہی اجازت دی

تھی کہ مقامی لوگ سائٹ پر آ سکتے ہیں۔۔۔“

اس کی بات سن کر رہیگا کے چہرے پر ناگواری

کے تاثرات در آئے۔

”دوبارہ ایسا نہ ہو۔ میں لباس تبدیل کر کے

سائٹ پر پہنچتی ہوں۔۔۔“ اتنا کہہ کر وہ تیز قدم اٹھاتی

ہوئی مگر اس کی طرف چل دی مزدور اس کو ناگواری سے

جاتے دیکھ رہے تھے۔

اچانک میرے ذہن میں ایک سوال تیزی سے

پیدا ہوا تھا۔

”کیا وہ کسی جنگلی درندے کا شکار ہوا ہے۔۔۔“

”پتہ نہیں۔۔۔ لیکن ہم نے پولیس کو انفارم

کر دیا ہے۔۔۔“

لاش کے گرد مزدور اور دوسرا اسٹاف گھیرا بنا

کر کھڑے تھے پولیس بھی اسی جگہ موجود تھی۔ جب میں

نے لاش کو دیکھا تو میری آنکھیں دہشت سے پھٹی کی

پھٹی رہ گئیں۔

☆.....☆.....☆

لاش کے ساتھ نہایت ہی سفاکی کا مظاہرہ کیا

گیا تھا اتنی درندگی شاید ہی میں نے کبھی دیکھی ہو۔ لاش

کا پورا جسم جگہ جگہ سے ادھیڑا ہوا تھا مرنے والے کی

آنکھوں میں خوف و دہشت یوں منجمد ہو کر رہ گیا تھا جیسے

کہ مرنے سے پہلے اس نے نہایت ہی کوئی خوفناک چیز

دیکھ لی ہو لاش کی حالت زار دیکھ کر صاف نظر آتا تھا کہ

بد نصیب کو جدہ جہد کرنے کا موقع بھی نہیں ملا تھا پہلی نظر

میں کام کی درندے کا معلوم ہوتا تھا۔

پولیس انچارج ہر مزدور کی طرف کھوجتی ہوئی

نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

”سب سے پہلے لاش کس نے دیکھی

۔۔۔“ انچارج نے دہنگ لہجے میں سب کو مخاطب

کرتے ہوئے کہا۔

”یہ کسی درندے کا کام لگتا ہے۔۔۔“ ایک سپاہی نے کان میں آکر کہا۔

”لگتا تو ایسا ہی ہے لیکن ان اطراف میں آج

تک ایسا نہیں ہوا کہ کسی درندے نے انسان کا شکار کیا

ہو۔۔۔“ انچارج نے اپنی موٹی توند پر ہاتھ بھیرتے

ہوئے کہا۔

اس کی بات سن کر میں حیرت زدہ رہ گیا تھا

میں نے رات میں درندے کے چلانے کی آواز ضرور سنی

تھی۔ اچانک میری نظر رہیگا پر پڑی جو کہ بیڑے ہی

لا تعلقات سا انداز میں ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔

اچانک اسی بوزھے مزدور نے انچارج کی

طرف دیکھ کر کہا۔

”آپ غلطی پر ہیں انچارج صاحب۔۔۔“

”کیا مطلب۔۔۔“ انچارج کے چہرے پر

غصہ در آیا تھا۔

”صاحب آپ اس علاقے میں نئے ہوں

سے پہلے دو خون ہو چکے ہیں اور وہ بھی درندے نے کیے

ہیں۔۔۔“ مزدور بولا۔

مزدور کی بات سن کر انچارج کے چہرے پر غصہ

در آیا تھا اس سے قبل کہ وہ کچھ کہتا میں بول پڑا۔

”اب تو چار ہو گئے۔۔۔“

میری بات سن کر وہ ہونا کر پلٹا اور بولا۔

”چار کیسے ہو گئے۔۔۔“

”مرلی کی موت کو بھول گئے کیا۔۔۔“

میری بات سن کر وہ خاموش ہو گیا بہر حال

پولیس اپنی ضروری کارروائی کر کے چلی گئی تھی۔ میری نظر

صرف اور صرف رہیگا پر پڑی پولیس والوں نے اس سے

بھی دو تین سوال کئے تھے مگر نہ جانے کیوں رہیگانے

پولیس کو ٹھیک طرح سے جواب نہیں دیے تھے یہ بات

مجھے میرے لئے چونکا دینے والی تھی اس سے پہلے بھی دو

خون ہو چکے ہیں چنانچہ میں نے اپنے طور پر معاملے

میں کودنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس کے لئے وہی بوزھا مزدور

مجھے مناسب لگا جس سے بات کر کے میں تہہ تک پہنچ

سکنا تھا۔ ربیکا آتش میں جلی گئی اور میں سانس پر کام کی عمر مرنے لگنے لگا بڑی بڑی آرائشوں کی مدد سے لکڑی کاٹنے کا کام جاری تھا۔ بوڑھا مزدور ایک دوسرے درخت کی کٹائی پر لگا تھا مجھے دیکھ کر اس نے ماتھے پر آیا ہوا پسینہ پونچھا۔ اور ایک کونے پر آ گیا۔

”میں جانتا ہوں آپ کیوں آئے ہو پاکستان صاحب۔“
جواب میں اس کی طرف دیکھتا ہی رہ گیا۔ چند لمحوں کے بعد وہ مزدور دوبارہ بولا۔
”آپ ان دوسرے والوں کے بارے میں معلوم کرنے آئے ہو جو کہ آپ سے پہلے درندے کا شکار ہوئے تھے۔“
میں نے ان بات میں سر ہلادیا۔ پھر اس مزدور نے بولنا شروع کیا۔

”یہ اس دن کی بات ہے جب مرلی صاحب نے اپنی شادی کی دعوت دی تھی گاؤں کے سارے لوگوں اور مزدوروں کو۔“
”شادی کیا مطلب۔“

”آپ کو نہیں معلوم ربیکا سیم مرلی صاحب کی دوسری بیوی ہیں۔ اس روز ان کی شادی کی دعوت تھی۔“

”اچھا۔“ میں نے حیرت سے کہا۔
جہاں تک مجھے معلوم تھا مرلی دہلی کی کسی لڑکی سے محبت کرتا تھا میں تو یہ سمجھ رہا تھا کہ ربیکا وہی ہوگی خیر مجھے کیا مزدور نے دوبارہ بولنا شروع کیا۔

”جب سے سیم ربیکا شادی کر کے صاحب کے گھر آئی ہیں ایک دفعہ بھی ان کو امی کے گھر جاتے ہوئے نہیں دیکھا گیا ہے ہمیشہ وہ مرلی صاحب کے ساتھ ہی ہوتی ہیں۔“

اس کی بات سن کر مجھے ربیکا پر شک ہونے لگا تھا نہ جانے وہ کون سی مزدور نے اپنی بات جاری رکھی۔
”یہاں رات کی بات ہے جب ہم لوگ شادی کا کھانا کھا کر جنگل سے واپس گاؤں کی طرف لوٹ

رہے تھے یہ راستہ بہت مختصر ہے خیر میں تو عادت ہے جب میں گاؤں سے تھوڑا ہی دور تھے کہ ہمیں کسی جانور کی چیخ کی آواز نے خوفزدہ کر دیا تھا پھر انسان کی آواز سن کر ہم اچھل پڑے جیسے ہی آواز کی سمت بھاگے تو ہم نے ایک لاش کو دیکھا۔۔۔۔“
اتنا کہتے کہتے اس کا لہجہ ڈرامائی ہو گیا۔
”کس کی تھی وہ لاش۔۔۔“ میرا دل دھڑک

اٹھا تھا۔
وہ چند لمحات تک میری طرف دیکھتا رہا اور پھر قدرے ڈرامائی لہجے میں بولا۔
”مرلی صاحب نے کھانا سانس پر رکھا تھا اور سانس سے تھوڑی دور ہی لاش لی تھی جو کہ سیتو کی تھی وہ بھی ایک مزدور تھا۔ جس کو کسی درندے نے فوج کھا یا تھا۔۔۔“ بوڑھے مزدور نے رساں بھرے لہجے میں جواب دیا۔

”اور دوسری لاش۔۔۔۔“
دوسری لاش کے متعلق اس نے حیرت انگیز بات یہ بتائی اس لاش کے پاس ربیکا سیم پائی گئیں تھیں۔ اور ان کا کہنا تھا کہ وہ نہ جانے کیسے اس لاش کے پاس پہنچ گئیں تھیں ان کا جسم پورا خون میں سنا ہوا تھا۔ مرلی صاحب نے پیسے کھلا کر بات رفع دفع کرادی تھی ورنہ شک کا دائرہ ان پر ضرور جاتا تھا لیکن میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ میں اس درندے کا پتا ضرور لگاؤں کہ وہ کون ہے اور معصوم لوگوں کو مارتا ہے چنانچہ میں نے اس کی تحقیقات کا فیصلہ کر لیا تھا۔

اس واقعے کو دو دن گزر چکے تھے مزدور کی لاش کے بعد سے دوسرا کوئی ہولناک واقعہ ابھی تک پیش نہیں آیا تھا ربیکا کا رویہ میرے لئے نہایت ہی حیران کن تھا جس عورت کا شوہر بھرتی پہلے انتقال کر گیا ہو وہ عورت اتنی پرسکون کیسے ہو سکتی تھی اس کے چہرے پر غم و اندہ کی تصویر ہونا چاہیے تھا مگر ایسا کچھ نہیں تھا۔ ربیکا کی ذات میرے لئے شک سے بالاتر نہیں تھی میں یہ سمجھتا تھا کہ ربیکا کسی نہ کسی طرح ان معاملات میں ملوث ہے۔ یہ

اس رات کی بات ہے کہ مجھے نیند نہیں آ رہی تھی میں اپنے کمرے میں بیٹھا ایک کتاب کا مطالعہ کر رہا تھا کتاب اتنی دلچسپ تھی کہ رات کے زیادہ گزر جانے کا مجھے احساس ہی نہیں ہوا تھا۔ اچانک مجھے ایسا لگا کہ جیسے کسی نے میرا نام لے کر پکارا ہو۔ اپنا نام سنتے ہی میں چونک گیا آواز اتنی واضح تھی کہ میں اپنی اسماعیل کا دھوکہ نہیں سمجھ سکتا تھا۔ چنانچہ میں تجسس کے پیش نظر اپنے کمرے سے باہر نکل آیا جاتے وقت اپنا رویا اور ساتھ لے جانا نہیں بھولا تھا کوری ڈور میں باہر سنا تھا اچانک میری نظر ربیکا کے کمرے کی طرف پڑی جس کی کھڑکی کھلی تھی ربیکا کا کمرہ کوریڈور میں سب سے آخر والا تھا کوریڈور میں دو کمرے اور بھی تھے ربیکا کے کمرے کی کھڑکی کھلی جس کی روشنی باہر کوریڈور کے اندھیرے کو دور کر رہی تھی۔ اچانک مجھے ایسا لگا جیسے کسی نے میرے کان میں سرگوشی کی ہو سرگوشی بہت دھیمی تھی پھر بھی میں نے صاف محسوس کیا جیسے کسی نے پکارا ہو آواز کی عورت کی تھی آواز میں درد کے بجائے غماز کی کیفیت تھی۔

”ساجد۔۔۔ کہاں ہو تم میں تم کو پکار رہی ہوں۔۔۔۔“

آواز میں اس قدر سحر تھا کہ مجھے لگ رہا تھا کہ میں اس سحر کی جانب کھینچا جا رہا ہوں میں از خود چلتا ہوا اس کھڑکی کی جانب چل پڑا جیسے ہی میں کھڑکی کے پاس پہنچا میری آنکھیں کھل گئیں کمرے کی لائٹ اون تھی لیکن ربیکا کا دور دور تک کوئی پتہ نہیں تھا۔ پورا کمرہ مجھے کھڑکی سے خالی نظر آیا تھا۔ جیسے ہی میں گھوم کر دروازے کی طرف پہنچا دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا ہی تھا کہ اسی لمحے دروازہ کھل گیا دروازہ کھلتے ہی مجھے ربیکا نظر آئی جس کو دیکھ کر میں چونک گیا اور پھر میری نظریں جھک گئیں شب خوابی کے لباس میں اس کا پورا سراپا مجسم گناہ نظر آ رہا تھا جس کا ایک ایک انگ دعوت دیتا ہوا نظر آ رہا تھا میرے جسم میں دوڑتے ہوئے لہو کی رفتار تیز ہو گئی۔ یوں لگ رہا تھا کہ میرے جسم میں خون کی جگہ آتش گیر مادہ دوڑ رہا ہو اور ربیکا پیٹرول بن کر

اس مادے کا گم لگنے چلی آئی ہو۔
اس نے مجھے دروازے پر کھڑا دیکھ کر تھوڑا سا ہلکا سا ہلکا سا کہا۔

”باہر کیوں کھڑے ہیں اندر چلے آؤ۔۔۔“ اس نے ایک ناز و داد سے مسکراتے ہوئے کہا۔

اس کی مسکراہٹ صاف طور پر مجھے دعوت دے رہی تھی کہ میں اندر چلا جاؤں اچانک اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا پھر مجھے ایسا لگا کہ میں اس کے حشر میں جکڑ چکا ہوں۔ وہ مجھے لے کر بیڈ پر چلی آئی تھی اور خود نکالوں سے مجھے گھور رہی تھی اچانک وہ اٹھی اور مل کھاتی ہوئی شراب کی بوتل لے آئی شراب کے پیلے ہی گھونٹ نے میرا دماغ ساتویں آسمان پر پہنچا دیا تھا پھر میں نے اپنے گناہ کو ساتویں آسمان پر محسوس کیا تھا جیسے جیسے میری پیش قدمی بڑھتی گئی دینے دینے اس کی ہیکٹی ہوئی غماز آوازوں میں تیزی آتی گئی۔ میں نے اپنے کو روشنی اور اندھیرے کی سرحد میں پایا تھا وقت آہستہ آہستہ سے گزرتا جا رہا تھا مجھے تو اس کے منہ کے ہونے وجود کے سوا کسی چیز کا احساس نہیں تھا اچانک ایک جھٹکے سے میری آنکھ کھل گئی۔ آنکھ کھلتے ہی میں نے اپنے کو حیرت کے سمندر میں پایا تھا میرے جسم پر پورا لباس موجود تھا میں ربیکا کے پہلو میں ہونے کے بجائے جنگل میں تھا ربیکا کا نشاط انگیز قرب اب مجھ سے دور تھا ربیکا کوئی ایسی عورت نہ تھی جس کے قرب کے بعد کوئی بھی مرد اس کو فوراً چھوڑنا چاہے گا اس کے ہر انداز میں وارفتگی تھی ایک شدت تھی جو کہ مردوں کو اپنا دیوانہ بنا دے۔ میری حیرت اور خوف بھری نظریں چاروں طرف ف. دوزر ہی تھیں رنگین ماحول سنگین ہو چکا تھا فراق وصال میں بدل چکا تھا میں اس ویران اور بیت ناک جنگل میں تھا یہ کیسے ہوا میں نہیں جانتا تھا بس میں یہی سوچ رہا تھا کہ کسی طرح یہاں سے مجھے نکلتا ہے اور اس عقدہ کو حل کرنا ہے۔

رات کا اندھیرا چاروں طرف چھایا تھا سردی کا ہلکا سا احساس مجھے محسوس ہو رہا تھا۔ اچانک وہی چیخ

میرے کانوں سے گرائی جو کہ میں نے چند دن قبل سنی تھی۔ وہ کسی درندے کی آواز تھی میرے کانوں نے سنی تھی آواز سننے ہی میں چونک گیا۔ آواز سن کر میری وہی کیفیت ہوئی خوف سے میری قمر قمری جھوٹ گئی۔ میں نے سوچا کہ مجھے اس درندے سے مقابلہ کرنا چاہیے چنانچہ میں نے جنگل میں آگے بڑھنا شروع کر دیا۔ اندر سے میں مجھے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا میں بے حد ڈر رہا تھا۔ آگے بڑھ رہا تھا۔ تاکہ میں کسی بھی مہلک چوٹ سے محفوظ رہ سکوں اب میں یہ سوچ ہی نہیں رہا تھا کہ میں جنگل میں کیسے آگیا جنگلوں میں درخت ہی سب سے زیادہ خطرناک ہوتے ہیں کوئی یہ نہیں سکتا ان درختوں کے پیچھے کیا ہے۔ اچانک میں نے جھانپوں کے پیچھے سر راہ تھی۔ میں چونک کر مڑا پھر جیسے کسی نے مجھ پر چھلانگ لگائی اور میں چیخ مار کر اس وجود کے بوجھ کے ساتھ ہی دور جا کر اچھ پر چھلانگ لگانے والا ایک بھیڑیا تھا جس کی لال سرخ آنکھیں چمکتی ہوئی آنکھیں مجھ پر گڑی تھیں وہ بھیڑیا اب مجھے گھور رہا تھا دہشت کا احساس میرے رگ و پے میں دوڑ گیا۔ اس کی سرخ آنکھیں میرے اندر خوف کے احساس کو دو چند کر رہی تھیں اچانک وہ غرا کر پیچھے ہٹا اور پھر اس نے مجھ پر ایک طویل جست لگائی اور مجھے ساتھ لیتا ہوا دور جا کر اس نے اپنے دونوں بچے میری گردن میں گاڑ دیے خون کی ایک دھار تھی جو کہ میری گردن سے پھوٹی تھی۔ دور کی ایک لہری تھی جو کہ بڑی ہی سرعت سے گردن کے اس سے آگئی تھی میں نے تیزی سے بچتے ہوئے خون کی پروا کئے بغیر ہی زمین پر سے جو بھی چیز میرے ہاتھ میں آئی تھی اس سے ہی بھیڑیے پروا کرنا وہ ایک موٹی سی شاخ تھی جو کہ میرے ہاتھ آئی تھی وہ شاخ پوری طرح اس کی آنکھ میں گھسا دی جو کہ اچھل کر میری سمت آیا تھا۔ بھیڑیا بری طرح سے ترسے لگا تھا۔ یوں لگ رہا تھا کہ اس کی آنکھوں میں اس کی جان موجود ہو۔ اچانک میں نے اپنا ہوا اور ڈھونڈ کر اس پر دو تین فائر کر دیے اب اس نے اچھل کر دو تین جھکے لیے اور

بے جان ہو کر گر پڑا۔ میری جان میں جان آئی تھی گویا انسانوں کا دکھاری بھیڑیا مارا گیا تھا اچانک میری آنکھوں نے ایک حیرت انگیز منظر دیکھا۔ وہ منظر تھا ہی اتنا خوفناک اور حیرت انگیز کہ مجھے آنکھوں پر بھر سہ ہی نہیں تھا کہ ایسا بھی ہو سکتا تھا۔

☆.....☆.....☆

بھیڑیے کا وجود انسانی روپ لیتا جا رہا تھا اب وہاں بریکائی حالت میں موجود تھی اور وہ قدرتی لباس میں موجود تھی گویا بریکائی وہ سفاک قاتلہ تھی جس نے اپنے شوہر کا خون کیا تھا۔ بریکائی کی آنکھوں میں گہرے زخم تھے۔ درخت کی وہ شاخ جس سے میں نے اس کی آنکھوں پر وار کیا تھا وہ شاخ اس کی آنکھوں میں پیوست تھی میں نے فوراً ہی آگے بڑھ کر وہ شاخ اس کی آنکھوں سے باہر نکال لی شاخ کے باہر نکلے ہی اس کے حلق سے ایک چیخ نکلی اور اور وہ اچھل کر دو جا گری اس نے اپنی نیم واہ آنکھیں کھولیں اور اس کے لبوں پر تلخی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

”مم۔۔۔۔۔“ مجھے نجات مل گئی اگر تم میری آنکھوں پر وار نہ کرتے تو میں ہر رات بھیڑیا بنتی۔ اور اب وہ بھیڑیا تم ہو گے کیونکہ تم میرے وار سے مرے نہیں۔۔۔۔۔“ اتنا کہہ کر اس کی گردن ایک طرف ڈھلک گئی۔

اس کی بات سن کر میں خوفزدہ ہو گیا میں سمجھا کہ وہ مذاق کر رہی ہے لیکن اس کا کہا جی ثابت ہوا اور میرا بہتا خون رک گیا اس کے بعد میں ہر رات بھیڑیا بننے لگا۔۔۔۔۔ اتنا کہہ کر ساجد مسکرانے لگا تھا اس کے ہونٹوں پر پراسرار مسکراہٹ دوڑ گئی۔

اس کی پراسرار مسکراہٹ کو میں نے خاطر میں نہ لاتے ہوئے کہا۔

”تو تم بھیڑیا ہو۔۔۔۔۔ مسٹر ساجد۔۔۔۔۔“

”لیس مسٹر چلاکاش۔۔۔۔۔“ وہ مسکرا کر بولا۔

”لیکن شاید میں تمہارے لئے لوہے کا چننا ثابت ہوں گا۔۔۔۔۔“

”یہ تو وقت بتاے گا۔۔۔۔۔“ ساجد نے مسکرا کر کہا۔

ساجد مجھے معمولی انسان سمجھ رہا تھا میں چلاکاش شیطان کا بھاری ایک معمولی سے بھیڑیے سے ڈر جاؤں گا ایسا نہیں سکتا تھا۔ اس کی بات پر میں ہنس پڑا اچانک میں نے ایک حیرت انگیز سین دیکھا ساجد کے چہرے کا رنگ بدلنا شروع ہو گیا تھا سیٹ پر ایک ایک انسانی شکل والا بھیڑیا بیٹھا اپنی سرخ آنکھوں سے مجھے گھور رہا تھا اس کا سر تو بھیڑیے کا تھا لیکن باقی جسم بھیڑیے کا نہ تھا۔ اچانک اس نے تھوٹھنی اٹھا کر دو شاخوں کو دیا میں بڑی ہی دلچسپی سے انسانی بھیڑیے کو روکنا دیکھ رہا تھا مجھے بڑا ہی عجیب سا لگا تھا۔ اچانک اس نے اپنی لال سرخ آنکھوں سے مجھ کو گھورا اور دوسرے ہی پل اس نے چلا کر مجھ پر چھلانگ لگادی۔۔۔۔۔ میرا یہ خیال ہے کہ وہ اپنی اس حرکت پر بعد میں پچھتا ہوا ہوگا کیونکہ میرے طاقتور گھونٹنے نے جو میں نے شیطان کا نام کے کر اس کو سرید کیا تھا اس کے منہ سے چٹھاڑی نکلی تھی وہ اڑتا ہوا ترین کی چھت سے گر آیا۔ دوسرے ہی پل وہ پینٹر تبدیل کر پھر مجھ پر حملہ آور ہوا تھا۔ وہ سیدھا مجھے لیتا ہوا ہوگی کی چھت سے گر آیا تھا اس کی پوری کوشش تھی کہ کسی بھی طرح سے میرے زخموں میں اپنے دانت گاڑ دے مگر میری مدد تو شیطان کر رہا تھا چنانچہ میں نے کچھ پڑھ کر اس پر بھونک ماری تو دوسرے ہی لمحے اس کے جسم پر ایک جال نظر آنے لگا میں نے اس کی کردہ آنکھوں میں ایک حیرت دیکھی تھی۔

”اب تم اس جال میں ہمیشہ کے لئے قید ہو جب تک میرا آقا نہ چاہے۔۔۔۔۔“ اتنا کہہ کر میں مسکرایا پھر وہ جال سکڑنے لگا اور وہ سکڑتے سکڑتے ایک دھوم کی صورت اختیار کر گیا۔ پھر میں نے آقا کے مردود شیطان کو دیکھا وہ حوال اس شیطان کے انگوٹھے میں جتا ہوا ہے۔

”میرے غلاموں میں ایک غلام اور بڑھ گیا۔۔۔۔۔“ اتنا کہہ کر وہ مسکرایا اور مجھے تیز نظروں سے

دیکھتا ہوا غائب ہو گیا۔

میری کچھ نہیں آیا شیطان نے مجھے اس کو اپنا غلام بنانے کو کہا تھا لیکن پھر وہ اس کو اپنے ساتھ کیوں لے گیا پلیٹ فارم سے باہر نکل کر میں جیسی کی تلاش میں کھڑا تھا چند ہی لمحوں کے بعد مجھے جیسی کی جیسی والے کو میں نے شہر کے ایک اچھے سے ہوٹل میں ملنے کو کہا تھا وہی شہر تھا جس میں جب میں پہلی بار داخل ہوا تھا تو میرے پاس کھانے کو بھی نہیں تھا۔ جیسے ہی جیسی سٹل پر رکی اچانک میری نظر سٹل پر کھڑی دوسری جیسی پر پڑی۔ جیسی میں دو افراد سوار تھے ایک مرد اور ایک لڑکی نہ جانے کیوں لڑکی کو دیکھ کر میں چونک پڑا اور میرے خون کی جدت تیز ہونے لگی میری آنکھوں کے سامنے میرا سارا ماضی کسی فلم کی طرح کھنسنے لگا۔ مجھے یاد آنے لگا کہ میں کس طرح ذلیل کر کے گاؤں سے نکالا گیا تھا۔ بانو میرے سامنے تھی۔ مجھے ایسا لگا جیسے کہ میں بانو کو دیکھ رہا ہوں لیکن وہ لڑکی بانو نہیں تھی کیونکہ بانو کی تھوڑی کے نیچے تل تھا لیکن چہرے میں اتنی مشابہت تھی کہ مجھے ایک لمحے کے لئے لگا کہ وہ بانو ہے۔ لیکن اتنی مشابہت حیرت انگیز تھی میں نے اس لڑکی کا چچا کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اسی لمحے مجھے آقا کی سرگوشی سنائی دی۔

”اس کے پیچھے مت جا۔۔۔۔۔ ورنہ تو پچھتاے گا۔۔۔۔۔“

آقا کی بات سن کر میں چونکا تھا۔

”آقا۔۔۔۔۔ آپ جانتے ہیں کہ میں نے انتقام لینے کے لئے آپ کو سیانایا تھا اب میری منزل میرے سامنے ہے مجھے روکیں مت۔۔۔۔۔“

میری بات پر مجھے اس کا طعنیہ قہقہہ سنائی دیا۔

”میں جانتا ہوں مگر تو تھوڑا اور صبر کرو۔۔۔۔۔ ورنہ تم اپنی طاقت بھی کھو بیٹھو گے اور میری رضا بھی۔۔۔۔۔“

اس کے لفظوں میں دھمکی پوشیدہ تھی میں سناتے میں آگیا پھر بھی میں بدلے تو لے لوں گا تو میں جانی ہوں تو جائیں مگر بدلہ تو پورا ہو جائے گا۔

”آقا۔۔۔۔۔ اب مجھے صرف اپنا بدلہ چاہیے۔۔۔۔۔“

میں نے قسمی لہجے میں کہا۔
چند لمے تک خاموشی رہی اور پھر اس کے بعد
دوبارہ میں نے اس کی آواز سنئی۔
”ٹھیک ہے تو جا۔۔۔ لیکن یاد رکھ اس کی بہن کو
مت چھیڑنا یہ اس کی بہن ہے اور ابھی پاکستان جاری
ہے۔۔۔ تجھے پاکستان ہی جانا ہوگا تاکہ تو اپنا بدلہ لے
سکے جا۔۔۔ میں تیرے ساتھ ہوں۔۔۔“
آقا کی بات سن کر میں خوش ہو گیا ہوس جا نے
کے بجائے پاکستان جانے کی فلاح پکڑ لی تھی۔

کراچی ہزاروں لوگوں کی امیدوں کا مرکز
روشنیوں کا شہر تھا، کراچی شہر کے اندر میں نے پہلی
رات ایک بہت بڑے ہوٹل میں گزاری، کچھ دن کراچی
شہر میں رہنے کے بعد میرا ارادہ گاؤں کی طرف روانہ
ہو جانے کا تھا۔ مگر شاید دوسرے ہنگامے میرے شہر تھے
اس روز میں نے اپنی قوتوں سے کام لے کر بہت سے
پیسے پیدا کئے اور اپنے لئے کپڑے خریدے کپڑے خرید کر
بازار سے نکلا اس تھا کہ میں نے پھر اسی لڑکی کو دیکھا جس کو
میں نے گٹھن پر دیکھا تھا۔ اچھے اچھے طرح یاد آ گیا تھا اس کا
نام فرزانہ تھا وہ بس اسناپ پر کھڑی شاید کسی کا انتظار کر رہی
تھی فرزانہ واقعی بہت خوبصورت تھی میں نے فرزانہ کا پیچھا
کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ کچھ ہی دیر میں فرزانہ نے ایک
رکشہ رکھوایا اور اس میں بیٹھ گئی۔ میں نے بھی ایک دوسرا
رکشہ رکھوایا اور اس میں بیٹھ گیا۔

”اس رکشے کے پیچھے چلو“ میں نے رکشے والے سے کہا۔ رکشے والے نے مجھے معنی خیز نظروں سے دیکھا اور ہنجر مسکرا کر بولا۔

”صاحب ایک سے ایک مولیٰ انفسر کی جھولی میں ہے کاہے کو اس کے پیچھے جاتا ہے کہوتلے چلوں وہ اس سے بھی زیادہ مست ہے۔“ رگشے والے کا لہجہ بہت عامیانہ تھا۔ اس کی بات نہ کر مجھے غصہ تو بہت آیا لیکن میں نے اسے جواب دیا۔

دیکھا ہے۔“
 ”ہاں سب کہتے ہیں.....“
 ”تم کو چلنا ہے تو چلو..... ورنہ میں
 اتر جاتا ہوں۔“ میں نے سخت لہجے میں کہا۔
 ”ہاں اتر جاؤ..... سارے بے غیرت میری ہی
 گاڑی میں چڑھتے ہیں۔“ اس کا لہجہ بہت خراب اور
 عامیانہ تھا۔ فرانزہ کا رکشہ نظروں سے اوجھل
 ہو چکا تھا اس رکشہ والے پر مجھے بہت غصہ آ رہا تھا لیکن
 میں چپ کر کے اتر گیا۔

اُترے وقت میں کے سرت آنا چاہئے۔
”رکشہ دھیان سے چلا نا ٹریفک کے بہت
عادات ہوتے رہتے ہیں۔“ رکشہ ڈرائیور نے میری
اتنا ہی سنی کر دی اور رکشہ آگے بڑھا دیا آگے جا کر اس
نے دوسرے مسافر اٹھائے اور گاڑی چلا دی۔ میں نے
میں کھڑے کھڑے آنکھیں بند کر لیں اپنی قوتوں کو آواز
نے لگا میں اس ڈرائیور کی موت کا خواہاں تھا، دفعتاً میرا
سرم گرم ہونے لگا مجھے اپنے اندر بجلیاں سی دوڑتی محسوس
ہوئی۔ دفعتاً ایک تیز قسم کے دھماکے کی آواز سے میں نے
آنکھیں کھول دیں میں نے اپنے سے تھوڑی دور کے
صلے پر بہت سی بھیڑ جمع دیکھی میں نے صرف اتنا دیکھا
کہ ایک بس کھڑی ہے جس کے ونڈر اسکرین کے خشے
نے بڑے ہیں فضا میں ایبویٹس کے سائرن کی
ازیں گونج رہی ہے۔ اس سے زیادہ کا منظر میں نے
نہ دیکھا میں دوسرے رکشے کی مدد سے اپنے ہوٹل
لیا۔ دوسرے دن اخبار میں، میں نے پڑھا ایک بس
رکشہ کو پھنسا دیا۔ جس میں 4 سے زیادہ لوگ مارے
تھے۔

ایک ہفتے کے دوران میں نے بہت سے چنگاے ہوئے میں کوئی رات کسی عورت کے بغیر نہ گزرتی ایک پیش امام کا بیٹا سخت مجرم اور گناہ گار بن کر مجھ سے ملنے آیا۔ اس نے کہا کہ میں نے اپنے بھائی کو دیکھا کہ اس نے ایک عورت کے ساتھ کچھ کیا تھا۔ اس نے کہا کہ اس نے ایک عورت کے ساتھ کچھ کیا تھا۔ اس نے کہا کہ اس نے ایک عورت کے ساتھ کچھ کیا تھا۔

اس لڑکی کے ساتھ شاپنگ مال میں داخل ہونے والوں کو دیکھ کر میرے سارے فخر بھر سے ہرے ہو گئے اس کے ساتھ کوئی آدمی نہیں ہوا اور میرے تھے۔ میرا دل انتقام کی آگ میں جلنے لگا وقت آ گیا تھا بدلے کی آگ کو کھنڈنا کرنے کا۔ میں تیز قدموں سے چلتا ہوا شاپنگ مال میں داخل ہو گیا شاپنگ مال اتنا بڑا وسیع تھا کہ وہ لوگ مجھے کہیں نظر ہی نہ آ سکیں میں نے ہمت نہ ہاری اور اپنی قوتوں سے کام لینے کا فیصلہ کر لیا جلد ہی وہ مجھے نظر آ گئے۔ وہ لوگ ایک جیولری شاپ میں موجود تھے۔ جیولر شاپ کے سامنے ایک کینے ٹیر یا تھا میں فوراً اس کینے میں ٹھس گیا جائے کا آواز دینے کے بعد آنکھیں بند کر لیں اور اپنی قوتوں کو آواز دینے لگا جلد ہی وہ تینوں مجھے نظر آنے لگے..... ان کی باتیں تک سمجھ میں آنے لگیں۔

”بابی آپ خوش نصیب ہیں جسے چاہا اسے حاصل کر لیا.....“ فرزانہ عمیر کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

”ہاں..... نیت سچی ہو تو منزل مل ہی جاتی ہے.....“ اس نے عمیر کے ہاتھ پر پیار سے ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

جواہر عمیر بھی مسکرایا۔

”باجی..... گاؤں واپسی کب ہوگی.....“
 ”شازیہ بولی۔“

”جب ان کا کام سہم ہو جائے گا.....“ اس نے
 عمیر کی جانب بڑے ہی پیار سے دیکھتے ہوئے کہا۔
 ”میرا کام کل تک ہو جائے گا اور پھر ہم گاؤں
 چلیں گے۔۔۔“

اس بات پر دونوں ہی ہنس پڑے تھے گویا جو بھی
 کرنا تھا مجھے آج ہی کرنا تھا۔ لیکن پھر میرے ذہن میں
 ایک خیال آیا کہ سارا خاندان ایک ہی جگہ جمع ہونا چاہیے
 کہ جب میں ان کو موت دوں تو یہ ایک دوسرے کی موت
 بلکہ کرب و عبرت حاصل کر سکیں یہ جان کر اس کی شادی مجھ سے
 ہوں ہو سکتی وہ میرے بھائی کی ہو چکی ہے غم و مصدے
 میری حالت پاگلوں جیسی ہو گئی تھی لیکن بانو کو حاصل
 تا میری زندگی کا مقصد تھا سو میں اسے پورا کر کے

رہوں گا۔ وہ دات مجھے اچھی طرح یاد ہے جس رات
 کے بعد میری زندگی میں بہت بڑی تبدیلی پیدا ہوئی اس
 رات بہت تیز بارش تھی گرج چمک اور طوفانی ہواؤں
 نے ایک قیامت پائی ہوئی جھمی میں مسلسل سائے کی
 طرح تین دن سے ان دروڑوں کے پیچھے لگا ہوا تھا، سب
 سے پہلے مجھے فرازانہ سے منما تھا۔ چنانچہ میں ہوسل سے
 نکل کر فرازانہ کے گھر کی طرف چل پڑا تھا وہ ایسے شوہر
 کے ساتھ کراچی میں بن رہی تھی۔ بارش کے سبب فرازانہ
 کے بچنے کا چوکیدار بھی کہیں جا کر سو گیا تھا وہ دروڑوں بچنے
 میں اکیلے تھے۔ چنانچہ میں موقع سے پورا فائدہ اٹھاتے
 ہوئے بچنے کے مین گیٹ کے اندر داخل ہو گیا حیرت کی
 بات یہ تھی کہ نہ مجھے کتے نظر آئے نہ ہی کوئی چوکیدار
 میں اپنی قوتوں کا استعمال کرتے ہوئے ان کی خواب
 گاہ تک پہنچ گیا۔

خواب گاہ کا دروازہ بند تھا اندر سے دسی دسی ہنسی
کی آواز سنائی دے رہی تھی۔
”تم بہت خراب ہو..... تباہی کا کوئی موقع ہاتھ
سے جانے نہیں دیتے۔“ فرزانہ کی سرگوشی کی آواز سنائی دی۔
”ہاں تم جیسی خوب صورت بیوی ساتھ ہو.....
مگر کن رکنا ہے۔“ اس کے شوہر کی ہنسی آواز سنائی دی۔

پھر ایک ساتھ دونوں کی لمبی سائی دی۔ ان دونوں
ہتے بولتے خوش دیکھ کر میری آنکھوں میں خون اتر آیا
لوگ میرے ارمانوں کے قاتل تھے ان کے رشتے دار
نہیں رہ سکتا تھا، چنانچہ میں اپنی قوتوں کی مدد سے
از سے گزر کر اندر داخل ہو گیا۔ اندر کا منظر نہایت
ترکین تھا۔ زیرواد بلب کی روشنی بھی ان کی نیم برنگی
انے میں ناکام تھی۔ مجھے یوں کمرے کے اندر خودار
تے دیکھ کر فرزند کے حلق سے چیخ نکل گئی اس نے فوراً
چادر میں خود کو چھپا لیا۔ مجھے یوں نازل ہوتے دیکھ
س کا شوہر ڈر گیا اور فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کا شوہر
ایک معقول انسان لگتا تھا۔
”کک کون ہو تم.....“

”تمہاری بیوی تو بہت خوب صورت ہے۔“ میں مسکراتے ہوئے بولا۔

”بے غیرت انسان تو ہے کون اندر گھسا کیسے۔“ اس کا لبہ سخت تھا۔ جواب میں، میں ہنس پڑا اور میں نے ہاتھ کا اشارہ کیا پورے کمرے میں مکمل روشنی پھیل گئی۔ میری صورت سامنے آتے ہی ان دونوں کے حلق سے چیخ نکل گئی۔

”توبہ!“ فراز نے زریب بڑوائی۔ اس کی آنکھوں سے خوف سا ظاہر ہونے لگا تھا دوسرے ہی پل وہ کسی بھوکی شیرین کی طرح چلائے گی۔

”کینے کتے لفظ نہ بے غیرت۔“ میں تیرا متوجہ لوں گی۔ ”وہ چلائی ہوئی بیڈ سے نیچے اتر آئی۔“

”مم۔ میں پولیس کون کرتا ہوں۔“ وہ بڑبڑایا اپنے بیڈ کی جانب بڑھا تھا۔

اس سے قبل کہ وہ اپنے بیڈ پر رکھے ہوئے انٹرمنٹ تک پہنچ پاتا میرے ہاتھ کے اشارے سے وہ فضا میں بلند ہو گیا۔ اور وہیں معلق ہو گیا یہ سب منظر دیکھ کر فراز نے حلق سے چیخ نکل گئی۔ دوسرے ہی پل میں نے

ہاتھ سے اشارہ کیا اور دل ہی دل میں آقا سے مردود کو یاد کیا تھا کہ وہ فضا میں گول گول چکرانے لگا تھا اچانک اس کا سر دیوار سے ٹکرایا سر ٹکراتے ہی وہ کسی تربوز کی طرح پھٹ گیا۔ وہ زخمی بکمرے کی طرح ڈکراتے ہوئے فرش پر گر پڑا اس کی روح قفس غصہ سے پرداز کر چکی تھی یہ منظر دیکھ کر فراز نہ حاذیں مار مار کر رونے لگی تھی۔

”میں چوہدری کے پورے خاندان کو برباد کرنا چاہتا ہوں۔“ میں نے غرا کر کہا۔

میری بات سن کر وہ سہم گئی اس کی معصوم آنکھوں میں خوف اٹھ آیا اچانک میرے کانوں نے آقا سے شیطان کی آواز سنی۔

”مثابش تو اچھا کام کر رہا ہے۔“ آقا کی بات سن کر میرے چہرے پر فخر دوڑ گیا تھا میں اس کی طرف بڑھا میری آنکھوں میں اس

کے خوبصورت سراپے کو دیکھ کر ہوس کے سارے لمبرائے لگے تھے میری آنکھوں میں ناچتی ہوس دیکھ کر اس کے چہرے پر غوغا دوڑ گیا اور وہ مجھ سے کہنے لگی۔

”کچھ تو خدا کا خوف کرو۔“ میں اپنی عزت کے لئے اپنی جان بھی دے دوں گی۔۔۔

اس کی بات سن کر میں تہمتہ مار کر ہنس پڑا اور اس کے معنی خیز نظروں سے گھورنے لگا مجھے اس طرح گھورتے ہوئے دیکھ کر وہ اندر زیادہ سہم گئی اس کی گلابی اور غزالی آنکھوں میں خوف نظر آنے لگا چند لمحات کے توقف کے بعد میں نے کہا۔

”تم میرے ساتھ چلو گی۔۔۔“ اچانک میں نے اس کی آنکھوں میں چٹانوں کے جیسی سختی دیکھی پھر اس نے وہ حرکت کی جس کو دیکھ کر میں خوف زدہ ہو گیا میری نظروں میں اس کا قد اور بلند ہو گیا۔ اس نے ڈریسنگ پر رکھا ہوا پھل تراش چا تو اٹھا کر اپنے سینے میں گھونپ لیا تھا۔ خون کی ایک دھار نکلی جس سے وہ فرش پر گر پڑی تھی اس نے تڑپتے ہوئے مجھے بدعادی جس نے واقعی مجھے غارت کر دیا تھا جس کا ذکر داستان کے آخری صفحات میں آئے گا۔

اس کی موت کے بعد میرا دل اداس ہو گیا میں چپ چاپ ہی ہوتل چلا آیا وہ بے گناہ مجھ سے ہار کر بھی جیت گئی تھی۔ دوسرے روز میں نے بانو کا شکار کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ دوسرے دن جب میں بنگلے کی طرف پہنچا میں نے چھپ کر دیکھا کہ بنگلے کے باہر پولیس ہے اور بانو اور عمیر افسردہ حالت میں موجود ہیں بانو پچھاڑیں کھا رہی تھیں بانو کو روک دیا دیکھ کر میرے دل کو بڑی سی سکون ملا تھا۔

اس کی موت کے بعد اب میرا ارادہ گاؤں جانے کا تھا لیکن مجھے یہ نہیں پتہ تھا کہ فراز نے کی بددعا میرے پیچھے ہے جیسے ہی میں وہاں سے نکلا فضا میں گھونپ لیا تھا۔ خون کی ایک دھار نکلی جس سے وہ فرش پر گر پڑی تھی اس نے تڑپتے ہوئے مجھے بدعادی جس نے واقعی مجھے غارت کر دیا تھا جس کا ذکر داستان کے آخری صفحات میں آئے گا۔

اس کی موت کے بعد میرا دل اداس ہو گیا میں چپ چاپ ہی ہوتل چلا آیا وہ بے گناہ مجھ سے ہار کر بھی جیت گئی تھی۔ دوسرے روز میں نے بانو کا شکار کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ دوسرے دن جب میں بنگلے کی طرف پہنچا میں نے چھپ کر دیکھا کہ بنگلے کے باہر پولیس ہے اور بانو اور عمیر افسردہ حالت میں موجود ہیں بانو پچھاڑیں کھا رہی تھیں بانو کو روک دیا دیکھ کر میرے دل کو بڑی سی سکون ملا تھا۔

اس کی موت کے بعد اب میرا ارادہ گاؤں جانے کا تھا لیکن مجھے یہ نہیں پتہ تھا کہ فراز نے کی بددعا میرے پیچھے ہے جیسے ہی میں وہاں سے نکلا فضا میں گھونپ لیا تھا۔ خون کی ایک دھار نکلی جس سے وہ فرش پر گر پڑی تھی اس نے تڑپتے ہوئے مجھے بدعادی جس نے واقعی مجھے غارت کر دیا تھا جس کا ذکر داستان کے آخری صفحات میں آئے گا۔

اس کی موت کے بعد اب میرا ارادہ گاؤں جانے کا تھا لیکن مجھے یہ نہیں پتہ تھا کہ فراز نے کی بددعا میرے پیچھے ہے جیسے ہی میں وہاں سے نکلا فضا میں گھونپ لیا تھا۔ خون کی ایک دھار نکلی جس سے وہ فرش پر گر پڑی تھی اس نے تڑپتے ہوئے مجھے بدعادی جس نے واقعی مجھے غارت کر دیا تھا جس کا ذکر داستان کے آخری صفحات میں آئے گا۔

اس کی موت کے بعد اب میرا ارادہ گاؤں جانے کا تھا لیکن مجھے یہ نہیں پتہ تھا کہ فراز نے کی بددعا میرے پیچھے ہے جیسے ہی میں وہاں سے نکلا فضا میں گھونپ لیا تھا۔ خون کی ایک دھار نکلی جس سے وہ فرش پر گر پڑی تھی اس نے تڑپتے ہوئے مجھے بدعادی جس نے واقعی مجھے غارت کر دیا تھا جس کا ذکر داستان کے آخری صفحات میں آئے گا۔

اس کی موت کے بعد اب میرا ارادہ گاؤں جانے کا تھا لیکن مجھے یہ نہیں پتہ تھا کہ فراز نے کی بددعا میرے پیچھے ہے جیسے ہی میں وہاں سے نکلا فضا میں گھونپ لیا تھا۔ خون کی ایک دھار نکلی جس سے وہ فرش پر گر پڑی تھی اس نے تڑپتے ہوئے مجھے بدعادی جس نے واقعی مجھے غارت کر دیا تھا جس کا ذکر داستان کے آخری صفحات میں آئے گا۔

اس کے کپڑے جگہ جگہ سے پھٹ چکے تھے فقیر سڑک پر اپنی انہماک سے لکیریں کھینچنے میں لگا تھا کہ مجھے ایسا لگا کہ عظیم ترین کائنات کا اہم ترین عقدہ حل کر رہا ہوں۔ اس کو دیکھ کر میں رک گیا اور ازراہ مذاق اس کو چھیڑنے کا ارادہ کیا۔

”اوسے بابا کیا کر رہا ہے۔۔۔“ میری بات سن کر بوڑھا چونک گیا پھر اس نے اپنی لال سرخ آنکھیں اٹھا کر میری جانب دیکھا۔ ان آنکھوں میں ایک عجیب طرح کا جلال تھا جن کو دیکھ کر میں ڈر گیا وہ فقیر چند لمحوں تک میری طرف دیکھتا رہا اور پھر بولا۔

”تیرے لئے اندھیروں میں روشنی تلاش کر رہا ہوں اب بھی وقت ہے اگر وقت چلا گیا تو کبھی لوٹ کر نہیں آئے گا۔“

نہ جانے وہ کیا بک رہا تھا میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آیا اچانک مجھے خیال آیا کہ فقیر پاگل تو نہیں۔

”اے بابا تو پاگل تو نہیں۔۔۔“ میری اس بات کو سن کر وہ فقیر ہنس پڑا اور کہنے لگا۔

”ہاں۔۔۔ ہاں میں پاگل ہوں ساری دنیا پاگل ہے اور سب سے بڑا پاگل تو ہے جو اندھیرے کو معبود بنا بیٹھا ہے۔۔۔“

اب کی بار چونکنے کی باری میری تھی۔ میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس بوڑھے کو دیکھ رہا تھا اس نے کیسے پہچان لیا کہ میں شیطان کا بچاری ہوں چند لمحات تک وہ بوڑھا مجھے دیکھتا رہا اور پھر ہذیبی انداز میں ہنس پڑا اور بولا۔

”النا لنک جا پیٹ کے سارے کیڑے جھڑ جائیں گے ساتھ میں دماغ کے بھی۔۔۔“

”پڑھے لکھے ہو۔۔۔“ میں نے کسی سوچ کے پیش نظر کہا۔

”ہاں۔۔۔ مگر فیل ہو گیا چوتھے آسمان کا امتحان دے رہا تھا لیکن نفل کرتے ہوئے پکڑا گیا ہاں سے نکال دیا گیا اور پھر اندھیرے کی پوچا شروع کر دی۔۔۔ جس نے میرے پورے وجود کو نگل لیا اور اب میں اندھیرے میں گرتا ہی چلا جا رہا ہوں۔۔۔“

وہ مسلسل دھانی تپائی بکتا جا رہا تھا مجھے یقین ہو گیا کہ وہ پاگل ہے میں اس کو اس کے حال پر چھوڑ کر جانے لگا تو اس نے پیچھے سے آواز دے کر میرا دماغی سکون دوبارہ سے غارت کر دیا۔

”اگر تو گاؤں گیا تو پیچھتاے گا۔۔۔“ اس کی بات سن کر میں بری طرح سے چونک گیا۔

میں نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا تو وہ فقیر غائب تھا اور دور تک اس کا نام و نشان نہیں تھا۔ میں حیران و پریشان چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ کہیں ایسا تو نہیں کر وہ فقیر کوئی بہت ہی پہنچا ہوا انسان ہوا اللہ کا برگزیدہ بندہ خیر مجھے کیا تھا مجھے اپنی تو توں پر پورا بھروسہ تھا۔ بانو اور عمیر ان دونوں کی لاشوں کو لے کر گاؤں کی طرف روانہ ہو گئے اس کے دو ہی دن کے بعد میں بھی گاؤں جا پہنچا۔ یہ وہی گاؤں تھا جہاں سے مجھے ذلیل کر کے نکالا گیا تھا سب سے پہلے مجھے اپنے دوست کرمو سے ملاقات کرنی تھی

میں نے پہلے ہی سوچا ہوا تھا کہ زندگی میں اگر کچھ حاصل کیا تو کرمو کی مدد ضرور کروں گا۔ گاؤں پہنچا تو مجھے کسی نے پہچانا ہی نہیں میرا چہرہ بہت بدل چکا تھا معصومیت کے آثار رخصت ہو چکے تھے۔ گاؤں کے لوگوں کے درمیان سے گزرتا ہوا میں کرمو کے گھر جا پہنچا کرمو کا گھر حسرت یا اس اور غربت کی تصویر بنا ہوا تھا۔ اس کا بوڑھا بابا ایک چار پائی پر پڑا کھانسا رہا تھا۔

”بابا کرمو کہاں ہے۔۔۔“ میری بات سن کر اس نے سر اٹھا کر میری طرف دیکھا اور پھر دوسرے ہی لمحے اس کی آنکھوں میں غصہ در آیا۔

”وہ بے حیا اور بے غیرت جبل میں ہے۔۔۔ اس نے اپنی منگ کرم دین کی بیٹی کے ساتھ منہ کالا کیا اور پھر اس کا گلابا کر مار دیا خدا ایسے نالایق بیٹے سے تو اچھا تھا بے اولاد رکھتا۔۔۔“ انا بول کر وہ رونے لگا۔

اس کے منہ سے اللہ کا نام سن کر مجھے جھرجھری سی آگئی بہت ہی عرصہ کے بعد کسی کے منہ سے اللہ کا نام سنا تھا اس لئے خود پر قابو نہیں رکھ پایا خوف کی ایک عجیب سی

میری بات سن کر اس نے سر اٹھا کر میری طرف دیکھا اور پھر دوسرے ہی لمحے اس کی آنکھوں میں غصہ در آیا۔

”وہ بے حیا اور بے غیرت جبل میں ہے۔۔۔ اس نے اپنی منگ کرم دین کی بیٹی کے ساتھ منہ کالا کیا اور پھر اس کا گلابا کر مار دیا خدا ایسے نالایق بیٹے سے تو اچھا تھا بے اولاد رکھتا۔۔۔“ انا بول کر وہ رونے لگا۔

اس کے منہ سے اللہ کا نام سن کر مجھے جھرجھری سی آگئی بہت ہی عرصہ کے بعد کسی کے منہ سے اللہ کا نام سنا تھا اس لئے خود پر قابو نہیں رکھ پایا خوف کی ایک عجیب سی

کیفیت بچہ پر سوار ہوئی تھی۔ مجھے یقین نہیں تھا کہ کرمویہ کام بھی کر سکتا تھا چنانچہ میں نے اپنی قوتوں کو آزمائے جانے لگا۔ چنانچہ میں نے دل ہی دل میں آقاؐ کے اہلیں کو یاد کرتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں آنکھیں بند کر کے ہی میں ایک آزمودہ قسم کے ستر کا چاب کرنے لگا تھا میری آنکھوں کے سامنے سے اندھیرے دور ہونے لگے تھے۔ پھر میں نے کرمو کو دیکھا اس کو دیکھ کر میں حیران رہ گیا بال بڑے ہوئے شیو اور آنکھوں کے گرد حلقے چمکے ہوئے تھے کرمو شراب کی بوتل تھا ہے ہوئے جھوٹا ہوا آگے بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ اس کی آنکھوں میں عجیب سا غم ہے وہ شراب کی بوتل تھا ہے بڑھتا ہی جا رہا ہے پھر میں نے اسی شہر کو دیکھا جہاں ہم لوگ بیٹھا کرتے تھے منظر اور واضح ہوتا چلا گیا شہر میں نے دو اور لوگوں کو دیکھا جو کہ بڑے رو مانوی انداز میں پتھر پر بیٹھے تھے۔ جیسے ہی ان دونوں کی شکلیں واضح ہوئی میں چونک گیا وہ کرم دین کی بیٹی سیکندہ تھی۔ سیکندہ کے ساتھ جو لڑکا تھا اس کا نام مجھ کو تھا جو کہ نائی کا بیٹا تھا کرمو نے ان دونوں کو دیکھا اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔

”کرمو زادی بے حیا اپنے یار کے ساتھ منہ کالا کر رہی ہے۔“
کرمو اپنی منگ کو کسی اور ساتھ دیکھ کر پاگل ہو گیا تھا میں نے دیکھا کہ سیکندہ کی آنکھوں میں خوف ظاہر ہونے لگا اور اس کی جی ٹھنک گئی۔ لیکن مجھ کو اس کے برعکس بے خوف نظر آ رہا تھا۔

”میرے جیسے شرابی سے شادی کرنے سے اچھا ہے سیکندہ مجھ سے شادی کر لے۔“ مجھ کو نے غرا کر کہا۔
جواباً کرمو نے ہاتھ میں پکڑی بوتل بگڑ دے سر پر دے ماری۔ بوتل کے ٹپتے ہی اس کا سر پھٹ گیا خون کی دھار اس کے سر سے بہنے لگی تھی وہ زمین پر گر کر تر پنے لگا تھا۔

”میں تجھ سے نفرت کرتی ہوں کرمو۔۔۔“ اتنا کہہ کر سیکندہ نے کرمو کے منہ پر قہقہہ دیا۔

”تو میری منگ ہو کر اس کے ساتھ منہ کالا کرتی“

پھر رہی ہے اب میں تجھ کو نہیں چھوڑوں گا۔۔۔“ اتنا کہہ کر اس نے سیکندہ کو دھکا دیا دھکا لگتے ہی وہ گر پڑی۔ مگر دور در کی شدت سے بے ہوش ہو چکا تھا۔ پھر کرمو نے وہی سب کچھ کیا جو ایک مرد کی مجبور عورت کے ساتھ کرتا ہے اپنا بدلہ لینے کے بعد کرمو ہاپتا ہوا اٹھا اور برہنہ پڑی شہر پہنچا ہوش سیکندہ کا گلا دبا دیا۔ مجھے اس کے ساتھ ہمدردی تھی کیونکہ کم و بیش میرے ساتھ بھی یہی ہوا تھا بانو نے مجھے ٹھکرا کر میرے بھائی سے نکاح کر لیا تھا۔

منظر اچانک تبدیل ہونے لگا اگلا منظر تھا نے کا تھا میں نے لاگ اب میں کرمو کو دیکھا۔ وہ گھٹنوں میں سر دے بیٹھا تھا اچانک میں نے دیکھا کرمو نے سر اٹھایا تو اس کو دیکھ کر چونک گیا اس کی آنکھوں میں ایسا جھوٹا طاری تھا جو کہ سب کچھ ہار دینے والے انسان کا ہوتا ہے اچانک میں نے اس کو جب سے کچھ لگتے ہوئے دیکھا۔ جو چیز اس نے نکالی اس نے منہ میں ڈال لی چند ہی لمحوں کے بعد اس کے ناک اور منہ سے نیلے رنگ کا پانی نکلنے لگا تھا۔ پھر وہ تر پنے لگا کرمو نے زہر کھایا تھا بڑل تھا جو اس طرح موت کو گلے لگایا میں نے آنکھیں کھولیں اس کے رونے ہوئے باپ کو عبرت کی تصویر بنا دیکھ کر میری آنکھیں نم آلود ہو گئیں جب اس کو اپنے بیٹے کی موت کا پتہ چلے گا تو کیا ہوگا۔ میں نے وہاں کچھ رقم چھوڑی جوتی تھی کہ بڑوڑا اپنی باقی زندگی گزار سکتا تھا۔

اب میرا رخ چوہدری کی حویلی کی طرف تھا ان سب کو نشانے کے بعد ہی میں اپنے باپ کی قبر پر جاؤں گا جیسے جیسے میں حویلی کی جانب بڑھتا جا رہا تھا دیے دیے میری آنکھوں میں خون اترتا جا رہا تھا جیسے ہی میں حویلی کے پاس پہنچا تو دربان نے مجھے اندر داخل ہونے سے روک دیا۔

”کون ہے تو بھیک چاہے باہر کھڑا ہوا آج دیے بھی چوہدری صاحب کی بیٹی کا سوگم ہے۔۔۔“ دربان کا لہجہ نہایت خراب تھا۔

ایک تو میں بہت پہلے ہی غصہ میں تھا اس کے بعد ”تو دربان کے خراب لہجے نے میرے تن بدن میں آگ

لگا دی تھی۔ میں نے اس کی طرف غصہ سے دیکھا۔
”جئے اپنی جان پیاری ہے تو مجھ سے مت الگ۔۔۔“
کیا کرے گا تو بھکاری سالے۔۔۔“ دربان نے ہیڑی بڑی جواب دیتے ہوئے کہا۔

وہاں کا جواب میرے غصہ کو ہوا دینے کے لئے کافی تھا۔ میں نے آقاؐ کے اہلیں کا نام لینے ہوئے ایک آزمودہ منتر کو پڑھ کر پھونکا تھا جس سے دربان کے جسم میں آگ لگ گئی اس کی فلک شکاف چیخیں آسمان سے باتیں کر رہی تھیں۔ منظر دیکھ کر عمیر بانو اور چوہدری صاحب اور دوسرے لوگ بھی حویلی سے باہر آگئے تھے۔ مجھے دیکھ کر سارے لوگ بی پچانے کی کوشش کر رہے تھے دوسرے ہی میں پل عمیر کی آنکھوں میں شناسائی چمک ابھری۔

”تم زہر ہونا۔۔۔“
مجھے پہچانتے ہی میں نے دیکھا کہ بانو کی آنکھوں میں نفرت دوڑنے لگی تھی۔

”نہیں وہ زہر تو مر گیا جو تمہارے ہاتھوں ستم کا پھار ہوا تھا جس نے اپنے باپ کا چہرہ تنک نہیں دیکھا۔۔۔“

”میرا بھائی۔۔۔ میرا بھائی۔۔۔“ عمیر یہ بولتا ہوا میری طرف لپکا تھا۔

لیکن میں نے ہاتھ کا اشارہ کیا تھا کہ عمیر اور چوہدری فضائیں معلق ہو گئے تھے اب ان کے چہروں پر دہشت ناچنے لگنے لگی تھی وہ مجھے بے حد خوف بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

”میں تم دونوں کو مارنا چاہوں تو یہ میرے ہاتھیں کا تھکا کھیل ہے مگر میں تمہاری بیوی کو لے جا رہا ہوں۔۔۔“

”بے حیا وہ تیری بھابی ہے۔۔۔ عمیر نے غصہ سے کہا۔

جواب میں مسکرانے لگا۔

”میں تم کو بھائی نہیں سمجھتا تو یہ بھابی کیسے ہوئی۔۔۔“

عمیر اور چوہدری دونوں ہی نیچے آنے کے لئے

زور لگا رہے تھے مگر کام ہو رہے تھے۔
”میں اپنی محبت کو اپنے ساتھ لئے جا رہا ہوں عمیر یہ میرا قسم ہے انتقام ہوگا۔۔۔“

اتنا کہہ کر میں نے بانو کا ہاتھ پکڑا ہاتھ کے پکڑتے ہی بانو کے حلق سے مختلفات کا طوفان جھانکا۔
”کتے۔۔۔ ذلیل چھوڑ دے مجھے۔۔۔“ وہ چل رہی تھی۔

چوہدری کی بیٹی کا یہ حال دیکھ کر اس کے بہت سے تنک خوار میری جانب بڑھے ان کی آنکھوں میں میں نے اپنے لئے نفرت اور حقارت دیکھی تھی مگر اس سے قبل وہ کچھ کر پاتے۔ ان کے اور میرے گرد ایک سفید رنگ کا دبیز دھواں پھیلنا چلا گیا۔

☆.....☆.....☆
اپنی قوتوں کے سہارے میں اس کو لاہور کے ایک چھوٹے درجے کے ہوٹل میں لے آیا تھا جہاں کوئی یہ بھی نہیں پوچھتا تھا کہ تمہارے ساتھ جو عورت ہے وہ کون ہے ہوٹل والوں کو میں نے صرف اتنا ہی بتایا تھا کہ وہ میری بیوی ہے اور میں اسکے علاج کے غرض سے لے آیا ہوں چنانچہ اس رات کو میں نے خوب ساری شراب پی اور لڑکھڑاتا ہوا بانو کے کمرے کی طرف چل پڑا۔

”رک جا۔۔۔ چلا کاش کہاں جا رہا ہے۔۔۔“ یہ آقا کی آواز تھی جو کہ بہت دن کے بعد مجھ سے مخاطب ہوئی تھی۔

آقاؐ مردود شیطان اعظم کی آواز سننے ہی میں سجدے میں گر پڑا۔ مجھے احساس ہی نہیں تھا کہ میں کیا کر رہا ہوں سجدہ جو صرف اور صرف اللہ کے لئے ہے کسی اور کے لئے نہیں لیکن میں گمراہ ہو چکا تھا گمراہی اور اندھیرے میں رہ کر اپنے معبود حقیقی کو بھول چکا تھا۔

”میں کہتا ہوں رک جا چلا گاش۔۔۔ اس لڑکی کو چھوڑ دے ورنہ بہت بچھتاے گا۔۔۔“

”یہ کیا کہہ رہے ہو آقا۔۔۔“ میں نے حیرت سے کہا۔
”وہ لڑکی میری محبت ہے میں اپنی عبرت ناک شکست کو فتح میں بدلنا چاہتا ہوں۔۔۔“

”یکو اس مت کر۔ واپس چاہ۔“
”نہیں آقا۔ میں ہاں نہیں مانوں گا آقا۔“

میں نے ضد کرتے ہوئے کہا۔
”اگر کچھ الٹا سیدھا ہوا تو اپنے حالات کا ذمہ دار تو خود ہے۔“ شیطان نے مجھے دھمکی دیتے ہوئے کہا۔
جس بدلے کی خاطر میں شیطان کا چکاری بنا تھا اب اس کو کیسے چھوڑ دیتا تھا؟ میں اس کی بات کو ان سنی کر کے اپنے ذہن و دل میں داخل ہو گیا یا تو مسلسل بے ہوش تھی۔ میرے خوابوں کی دیوی میرے سامنے موجود تھی۔

بے ہوشی میں اس کے چہرے کی مصویت بوزیادہ گھبرائی تھی۔ میں کمرے میں داخل ہو کر اسے اپنی قوتوں کی مدد سے اسے ہوش میں لے آیا۔ ہوش میں آتے ہی وہ خوف زدہ انداز میں بستر سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کی مصویم نگاہوں میں خوف کے ساتھ خاموش انتہا بھی تھی میں مسکراتا ہوا آگے بڑھا وہ ہم کر پیچھے ہٹ گئی۔

”آج مجھے اپنا بیارل گیا۔ جسے میں نے چاہا آج میں اسے حاصل کر لوں گا۔“ میں کامیابی کے نشے سے بولا۔

”نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔ ایسا نہیں ہو سکتا میں اپنی عزت کی خاطر جان دے دوں گی۔“ اس کے لہجے میں غصہ اور آہنی چٹانوں جیسی سختی موجود تھی۔

”مجھے تمہاری زندگی کی کوئی پروا نہیں میرا بدلہ پورا ہو جائے تو جہاں چاہے چلی جانا دیسے بھی تمہاری بہن کی موت کا ذمہ دار میں ہوں میں نے ہی اس کو مارا۔“ میں نے لاپرواہی سے مسکرا کر کہا۔

میری بات سن کر اس کی آنکھیں غیظ و غضب سے سرخ ہو گئیں۔

”کتنے تم میری بہن کے قاتل ہو۔۔۔“ وہ چلا کر میری طرف بڑھی تھی لیکن میرے ایک دھکے نے اس کو بیڈ پر گرادیامیں نے فوراً ہی اپنی ٹھیس اتار دی میرا ارادہ محسوس کر کے وہ سہم گئی۔

”کچھ تو شرم کرو۔۔۔ میں تمہاری بھابی ہوں۔“ وہ آنکھوں میں آنسو لاکر بولی۔

اس کے آنسو دیکھ کر میں ہنس پڑا میرے دل کو بہت سکون مل رہا تھا۔

”جان من۔۔۔ میں تو اس الزام کو جیج ثابت کرنا چاہتا ہوں جو تم نے مجھ پر لگایا تھا وہ الزام جیج ثابت ہو جائے تو تم طم طم جانا۔“

میں اسے اپنا بنانے کی نیت سے آگے بڑھا تو وہ یکدم پھر گئی۔

”رک جا۔۔۔ مردود قبر الہی سے ڈر تیرا حشر خراب ہوگا۔“ اس کی نظروں میں خوف اور بے بسی دونوں موجود تھیں۔

میں نے اسے گھبرنے کی کوشش کی کچھ دیر تک وہ خود کو بچاتی رہی پھر بے بس ہو کر بیڈ پر گر پڑی۔

میں طاقت کے نشے میں سرشار اس کی جانب بڑھنے لگا۔ میرے تیور بھانپ کر وہ اور خوف زدہ ہو گئی اس کی غزلی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور وہ چھپتے کی جانب دیکھنے لگی بانو کے آنسو دیکھ کر مجھے برا سکون مل رہا تھا۔

وہ کسی بے بس پرندے کی طرح بیڈ پر پڑی ہانسی رہی تھی مجھے بیڈ پر چڑھتے دیکھ کر اس نے اٹھ کر بھاگنے کی کوشش کی لیکن میں نے اس کی ٹانگ پکڑ کر کھینچ لی اور لڑکھڑا کر گری اور اس کا سر بیڈ کے سر ہانے سے ٹکرایا اور بے سدھ ہو گئی۔

میرا نشہ تیز ہو رہا تھا اس کو بے ہوش دیکھ کر میرا دل جیسے بارغ بارغ ہو گیا میرے سینے میں ہوس کے طوفان اٹھنے لگے۔ میں نے اس کے جسم کو پامال کرنے کے لئے پہلا قدم اٹھایا ہی تھا کہ ایک کرخت آواز میرے کانوں میں گونجی۔

”رک جا۔۔۔ زہر ایک مظلوم کی بے بسی پر طاقت کا مظاہرہ کر رہے ہو۔ شرم کرو۔۔۔ یہ تمہارا بھائی کی بیوی ہے۔“

میں نے اس آواز کو واضح طور پر سنا تھا مگر میرے اور بانو کے سوا وہاں کوئی تھا ہی نہیں پھر یہ آواز کس کی ایک لمحے کو دوبارہ سوچا پھر بانو کے جسم کو بے نقاب کرنے کے لئے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ میرا ہاتھ تن ہو گیا۔

لگ رہا تھا کہ میرا ہاتھ فلیج زدہ ہو میں نے آٹھا مردود کو آواز دی مگر آواز نہ آئی نہ جواب ہی نہیں دیا شاید اس نے جیج ہی کہا تھا کہ اگر کچھ الٹا سیدھا ہوا تو میں اپنے حالات کا خود ذمہ دار رہوں گا۔ اپنی قوتوں کو آواز دینی شروع کی مگر ہاتھ ٹھیک نہ ہوا میں جھلا کر بیڈ سے نیچے اتر آیا بیڈ سے اترنے ہی ہاتھ ٹھیک ہو گیا، ہاتھ ٹھیک ہوتے دیکھ کر میں بیڈ پر چڑھ گیا بانو کی جانب ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ ہاتھ پھر تن ہو گیا میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے میرے ساتھ۔

”زہر تم جتنی چاہے کوشش کرو۔۔۔ مگر اپنے ناپاک ارادے میں کامیاب نہ ہو سکو گے۔۔۔ یہ لڑکی پاک اور معصوم ہے اس نے ایسی طاقت کو آواز دی ہے جو بہت پاک اور عظیم ہے۔“

میں بیڈ سے نیچے اتر آیا اور حلق کے بل چلا کر بولا۔

”مرد ہو تو سامنے آؤ۔۔۔ پھر میں تم کو بتاتا ہوں میں کون ہوں۔“

”افسوس۔۔۔ صد افسوس۔۔۔ تم شیطان کی عبادت کرتے کرتے اپنے اللہ اور رسول کو بھی بھول گئے سدھر جاؤ اب بھی وقت ہے توبہ کے دروازے تم پر بند نہیں ہوئے۔“

”میں اس لڑکی کو چھوڑوں گا نہیں، جب تک میں اسے برباد نہیں کروں تا چین سے نہیں بیٹھوں گا۔“ میں نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

”لگتا ہے تم سبق حاصل کئے بغیر نہیں مانو گے۔۔۔“ وہ آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔

میں نے بیڈ پر چڑھ کر بانو کی جانب ہاتھ بڑھایا تھا کہ مجھے زور کا جھٹکا لگا میں بیڈ سے فرش پر جا گرا میں نے اٹھنے کی کوشش کی تھی کہ مجھے دوبارہ جھٹکا لگا میں پھر فرش پر جا گرا۔ پھر جیسے کسی نے میری جوتوں سے پٹائی شروع کر دی ہو ہر پر پڑنے والی جوتوں کی ضربیں بہت شدید تھیں۔ پھر مجھے کچھ ہوش نہ رہا۔

☆ ☆ ☆

میرا احتساب شروع ہو چکا تھا جتنے ظلم میں نے اب تک کئے شاید ان کے یوم حساب کا وقت آ گیا تھا۔ ہوش آیا تو میں نے خود کو کڑے کے ذمیر پہ پایا۔ میرے جسم سے عجیب طرح کا قلعن اٹھ رہا تھا۔ جیسے کہ میں سالہا سال کوڑے کے ذمیر پہ پڑا رہنے کا عادی ہوں میرے جسم پر چینی کپڑوں کی جگہ پٹا پٹا جالیکہ جو کہ ستر پوشی میں مٹی پوری طرح سے ناکام تھا۔

میں نے اٹھنے کی کوشش کی تو ایک دل دوزر حقیقت مجھ پر منکشف ہوئی کہ میرے پورے جسم پر بڑے بڑے آبلے تھے جن سے پیپ اور خون رس رہا تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ میرے ساتھ یہ کیا ہو گیا؟ وہ کون تھا جس نے مجھے اس حال میں پہنچایا ہے؟ میں نے آنکھیں بند کر کے اپنی قوتوں کو آواز دینا شروع کر دی تو دوسری تلخ اور خطرناک حقیقت مجھ پر منکشف ہوئی کہ میری قوتوں نے میرا ساتھ چھوڑ دیا ہے میں نے آقا کو بھی آواز دی لیکن اس نے بھی مجھے جواب نہیں دیا میں کچھ چکا تھا جس طاقت کے حصول کے لئے میں نے شیطان کی بوجا کی وہی طاقت میرا ساتھ چھوڑ چکی تھی وہ یقیناً کوئی عظیم قوتیں تھیں؟ جو مجھے گناہ سے روکنا چاہتی تھیں میرے تمام سابقہ گناہوں کی یاداش نے مجھے اس حال میں پہنچا دیا تھا؟ میری آنکھوں کے گوشے بھیگنے لگے کہ مجھ سے کیا ہو گیا، مجھے اپنی گزشتہ زندگی کے سارے بے سیاہ نظر آنے لگے میں نے اپنے بھائی کے ساتھ ظلم کیا تھا بھی کسے ساتھ ظلم کرنا چاہا؟ میرے گناہ ناقابل معافی تھے میں نے سرعام روڈ پر ہی سجدے شروع کر دیے تھے مجھے سجدے کو تے دیکھ کر شریر بچے پتھر لے کر میرے پیچھے لگ گئے جب انہوں نے پتھروں سے میری تواضع کی تو لوگوں کی نظروں میں اپنے لئے نفرت اور حقارت پانچ پتھروں کے وہ دار مجھے یاد ہیں آج تک میں بھولا نہیں کہ کس بری طرح سے میری پٹائی ہوئی تھی بچوں سے جان چھڑانا دشوار ہو چکا تھا میں زخمی ہو چکا تھا۔ میرے سر اوڑھاری کے بال بڑے بڑے ہو چکے تھے جسم پر آبلے جن پر ہر وقت



شیطانی مگر مجھ

شہزاد خان سادق آباد

شیطانی مگر مجھ پانی کی سطح کے نیچے گہات لگائے بیٹھے تھے ان کے جوش سے ظاہر ہو رہا تھا کہ کشتی کے الٹے ہی وہ ان پر حملہ آور ہو جائیں گے

جسم و جاں پر لڑ رہا تھا کہ کشتی کی نوبت کی شہزاد خان کے قلم سے لکھی گئی عجیب کہانی

ہمارے مریم زینر لینڈ میں موجود ان خطرناک جہازوں میں سے ایک ایسی جہاز تھی جاتی ہے جس میں دنیا کے انواع و اقسام کے موڈی اور زہریلے آبی جانور پائے جاتے ہیں۔ ان میں ایسے مگرچھوں کی موجودگی کے متعلق عجیب کہانیاں ہیں جن کی جسامت تقریباً بیس تا پینتالیس فٹ تک ہے۔ یہ مگرچھ اپنی دیوبہ کی جسامت کے ساتھ ساتھ اپنی جلد پر پائے ہوئے عجیب شکل کے ٹکونی گوشت کے ٹکڑوں جن کا رنگ نیلی یا سرخ ہے کی وجہ سے بھی پوری دنیا میں مشہور ہیں۔!!

ان مگرچھوں کی انہی خوبصورتی یا عجیب نوعیت کی ساخت کی وجہ سے بہت سے متکبران نے انہیں پکڑنے کی نیت سے اس جہیل کا رخ کیا لیکن ناکام ہونے پر بہت سے ان کے پیٹ میں پہنچ چکے ہیں ایک مختلا اندازے کے مطابق ان مگرچھوں کی نسل سوائے اس جہیل کے کسی تک

کھیاں، بھینٹاتی رہتی تھیں۔ سارا دن میں سڑکوں پر بھٹکتا اور بھیک مانگتا راتوں کو فٹ پاتھ پر سو جاتا تھا میرے جسم پر بڑے آبلے سوکھ چکے تھے۔ ایک روز میں ایک فٹ پاتھ پر بیٹا بھیک مانگ رہا تھا میرے سر اور ڈاڑھی کے بال بہت حد تک بڑھ چکے تھے جا بیک ایک کار میرے سامنے آ کر رکی فٹ پاتھ پر بالکل سامنے ایک شاپنگ مال تھا کار سے جو لوگ اترے ان کو دیکھ کر میں چونک گیا وہ لوگ کوئی اور نہیں بانو اور میرے تھے دونوں کے چہروں پر خوشی دیکھ کر میرا دل اندر سے جیسے کسی نے جکڑ لیا پھر مجھے اپنے گناہ یاد آنے لگے واقعی وہ دونوں خوش خوش شاپنگ مال کے اندر چلے گئے کافی دیر کے بعد وہ لوگ واپس آئے بانو نے مجھے دیکھا تو اس کی آنکھوں میں کسی بھی قسم کی شناسائی کا تاثر نہیں ابھرا تھا اچھا ہے وہ مجھے نہیں پہچانتی تھی۔ اچھا تھا میں ان دونوں کی زندگی سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جا چکا تھا بانو نے ایک دن کا نوٹ میری جانب اچھالا اور کار میں بیٹھ گئی۔ اچھا تھا بانو نے مجھے پہچان نہیں تھا اچھا تھا اس نے اپنی زندگی کے اس سیاہ باب کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا تھا اس کو خوش دیکھ کر مجھے دلی مسرت ہوئی تھی۔ ان دونوں کے جانے کے بعد میری آنکھوں کے گوشے بھجک گئے اور میں نے پھر بھجک مانگنا شروع کر دی۔ میرے جسم پر موجود آبلے سوکھ چکے تھے لیکن شاید میرا احتساب ختم نہیں ہوا تھا۔ ایک روز میں فٹ پر چل رہا تھا کہ میں کسی سے ٹکرا گیا۔

”اندھے تیری آنکھیں پھوٹ گئیں ہیں کیا۔۔۔“

میں نے غور سے گالی دینے والے کو دیکھا تو مجھے ایسا لگتا کہ میں نے اس کو کہیں دیکھا ہے۔ وہ بھی مجھے کھوجتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا اچانک میں نے اس کی نظروں میں اپنے لئے شناسائی پائی پھر وہ شناسائی نفرت اور حقارت میں بدلنے لگی تھی۔

”کون ہو تم۔۔۔“

میرا سوال سن کر وہ ہنس پڑا۔

”تم تو آقا ہے ابلیس کی دی ہوئی مہمان کشی کے

کچھ اور نہیں دیکھی مٹی ہے۔ اس لیے یہ نسل پوری دنیا کے لیے ایک معرینہ ہوئی ہے کہ آخر اس جیل میں کیسی کیا چارہ رو بات پر مشورہ ہے کہ یہ نسل سوائے اس جیل کے کہیں نہیں پائی جاتی؟

مگر چھوٹوں نے ان پر حملہ کر دیا تو وہ چوہوں کی طرح ان کا شکار ہو سکتے تھے۔

پھر اچانک انہیں یوں محسوس ہونے لگا جیسے کشتی پانی کی سطح پر گول گول گھومنے لگی ہو۔ پہلا احساس تو یہی ہوا کہ جیسے وہ ایک گھومنے والی چرخی پر بیٹھ گئے ہوں اور وہ ایک دائرے میں گھومنے لگی ہو۔ پھر ایک زوردار جھٹکا کشتی کے نیچے لگا اور کشتی چند منٹ اور برقی جانب اچھلی اور دوبارہ پانی کی سطح پر آن گئی۔ پھر انہیں یوں لگا جیسے کشتی کے نیچے کچھ ہے جو اسے یوں گھما رہا ہو اور وہ تھو تھوے سے اس کے پینڈے سے ٹکرا کر اسے الٹنے کی کوشش کر رہا ہو۔

یہ احساس ہوتے ہی جیسے ان کے سانس رک گئے۔ بے شک وہ سب ماہر شکاری ہی تھے لیکن اس وقت جو پیش مختلف تھی کیونکہ ان کے چاروں طرف گہری دھندلی اور انہیں اپنے بچاؤ کے لیے کوئی راستہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ایک دوسرے کو آوازیں دیتے اکٹھے ہو چکے تھے۔ لیکن کشتی بھی کہ مسلسل جھٹکے لگنے کی وجہ سے ہر بار پانی کی سطح پر اچھل رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

مگر کچھ سطح کے نیچے موجود تھے۔ ان کے جوش سے ظاہر ہو رہا تھا کہ کشتی کے الٹنے ہی وہ ان سب پر حملہ آور ہو جائیں گے۔ ایک پوشیدہ پھندہ تھا کہ ان سب کے گرد جکڑ تاجرا تھا۔

پھر وہی ہوا جس کا ذکر تھا۔ کشتی غیر متوقع طور پر یکدم لرز گئی اور ان سب کے چہرے خوف سے سفید پڑ گئے۔ پھر یوں لگا جیسے ابھی چند ہی لمحوں میں کشتی کے پرچے اڑ جائیں گے اور وہ پانی میں گرے۔ یہی ان خونی مگر چھوٹوں کا شکار بن جائیں گے۔

اب تھوڑی تھوڑی دھند بھی چھٹنے لگی تھی جس سے تقریباً بیس پچیس فٹ تک دکھائی دینے لگا تھا اور پھر ان کی آنکھیں خوف سے پھیل کر کپٹیوں سے جا لگیں جب انہوں نے کشتی کے آس پاس بہت سے مگر چھوٹوں کو تیرتے ہوئے دیکھا ان سب کی ٹیلی آنکھیں ان کی کشتی پر ہی لگی ہوئی تھیں۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ ان سب کے پانی میں گرے

کا بڑی بڑی چرخی سے انتظار کر رہے ہوں۔ ہم اس وقت موت کے دہانے پر کھڑے ہیں اس سے پہلے کہ یہ شیطانی مگر چھوٹے ہیں انہیں تو الہ بنا میں نہیں اپنے بچاؤ کے لیے بھرپور کوشش کرنا ہوگی۔ ایک لمبے ترنگے نوجوان نے انہیں خبردار کرتے ہوئے کہا۔

اس کی بات سننے ہی جیسے ان سب کے بدن میں بجلیاں دوڑ گئیں اور دو افراد بھاگتے ہوئے کشتی کے نچلے حصے میں گھس گئے اور وہاں سے مٹی کے تیل کے دو کنسترو اٹھا کر اوپر عرشے پر پہنچے اور جلدی سے انہیں کشتی کے آس پاس دکھائی دینے والے مگر چھوٹوں پر تیل پھینکنے لگے۔ پھر ایک نے جلدی سے ماچس کی تیلی جلا کر پانی کی سطح پر پھینک دی۔ مٹی کے تیل نے یکدم آگ پکڑ لی اور مگر چھوٹے ناگہانی آفت پر پھٹا کر ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ سطح پر آگ جل رہی تھی اور وہ کشتی کو جلدی سے وہاں سے بہت آگے لے گئے۔ ظاہر ہے کشتی میں لکڑی کا استعمال بھی کیا گیا تھا اور اگر وہ وہاں سے نہ ہٹتے تو وہ بھی آگ کی وجہ سے جل سکتی تھی۔ انہیں وہاں سے ہٹتے دیکھ کر ان میں سے دو تین مگر چھوٹے جلدی سے ان کی جانب لپکے۔ ظاہر ہے وہ ہاتھ آئے اپنے شکار کو یوں آسانی سے فرار ہوتا کیسے دیکھ سکتے تھے۔

وہ تیزی سے پانی کے اندر تیرتے ہوئے کشتی کی جانب بڑھنے لگے۔ انہیں یوں اپنی جانب آتے دیکھ کر انہوں نے ان کے ساتھ بھی دوبارہ وہی حربہ استعمال کیا اور اس بار بھی پانی کی سطح پر آگ دیکھتے ہی وہ واپس بھاگ گئے۔ اس ساری صورتحال میں وہ ان مگر چھوٹوں سے پیچھا تو چھڑا رکھے تھے لیکن ان میں سے کسی ایک مگر چھوٹے کو پکڑنے کی ناکام کوشش میں ہاتھ ملتے رہ گئے تھے۔ ان کا تو یہی خیال تھا کہ وہ خاموشی سے وہاں پہنچ کر کسی ایک مگر چھوٹے کے نیچے کوداؤ کر کے خاموشی سے واپس لوٹ آئیں گے۔ لیکن وہ مگر چھوٹے ان کی توقع سے کہیں زیادہ ہوشیار اور تیز نکلے جو جھٹ پٹ ان کی کشتی کے قریب پہنچ کر انہیں گھیر چکے تھے۔ یہ تو بھلا ہو کہ کشتی میں ہر وقت مٹی کے تیل کے کنسترو موجود رہتے تھے جو اکثر سیر دیا ساحت کے لیے جانے والے لوگوں کی ضرورت

سے لیے رکھے جاتے تھے جہاں وہ لوگ اپنے کھانا پکانے کے لیے انہی کنستروں سے مدد لیتے تھے۔ درنہ آج تو وہ ان مگر چھوٹوں کے پیٹ کے اندر کچھ چکے ہوتے۔!!

ان سب کو مگر چھوٹے نہ پکڑنے کا غصہ تو تھا ہی لیکن اس کے ساتھ ساتھ اپنی جانیں بچ جانے کی بھی خوشی تھی۔ لیکن یہ خوشی اس وقت ہوا ہوئی جب اچانک ایک زوردار ٹکر سے ان کی کشتی الٹ گئی اور وہ سب عرشے پر کھڑے خوش چہلوں میں مصروف تھے یکدم لہرا کر پانی کے اندر جا کرے اور دوسرے لمحے ان کے نزدیک وہی خوفناک مگر چھوٹے موجود تھے اور انہوں نے یکدم ان پر حملہ کر دیا اور پھر پانی کی سطح پر موت کا ایک وحشت ناک رقص شروع ہو گیا جس سے بچنے کا کوئی راستہ نہ تھا۔ مگر چھوٹوں کے ہاتھ جو لگا وہ انہیں اپنے طاقتور جبروں میں دو بوج کر ادھر ادھر بھاگنے لگے۔!!

حیرت انگیز بات یہ تھی کہ جھیل کا پانی انتہائی ٹھنڈا تھا اور یوں لگ رہا تھا جیسے ہڈیوں میں اس کی ٹھنڈک سرایت کرنی جا رہی ہو۔ وہ سب غوطے کھاتے ان ظالم مگر چھوٹوں کا شکار بننے جا رہے تھے۔ مگر چھوٹے کہ اپنے ہاتھ آئے شکار کو اپنے مضبوط جبروں میں دو بوجے واپس پلٹ کر یوں بھاگ گئے تھے جیسے اگر وہ ایک لمحہ بھی مزید وہاں ٹھہرتے تو کہیں ان کے شکار بچ کر نہ نکل جاتے۔!!

ان کے جبروں میں وہ سب مایہ بے آب کی مانند ترپ رہے تھے اور آہستہ آہستہ دور دور جانی ان سب کی پیچیں دم توڑنے لگیں اور پھر یکدم پانی کی سطح پر ایک گھمبیر خاموشی طاری ہو گئی۔

ان سب بد نصیب افراد میں صرف اکبر زندہ بچ جانے والا ایک نوجوان کیسے ان مگر چھوٹوں کی نظروں میں نہ آیا۔

اس نے پانی میں ڈبکیاں کھاتے ہوئے پیچھے مڑ کر دیکھا لیکن اسے دور دور تک ان مگر چھوٹوں کے علاوہ اپنا کوئی بھی اور ساتھی دکھائی نہ دیا تھا۔ یہ دیکھ کر اس نے جلدی جلدی ہاتھ پاؤں مارنا شروع کر دیئے اور تیزی سے اس جانب تیرنے لگا جس طرف اسے وہی خشکی والا راستہ دکھائی دے رہا تھا جہاں سے وہ اس منحوس جھیل کے اندر داخل

ہوئے تھے۔ پانی کی ٹھنڈک تھی کہ اس کی ہڈیوں میں موجود گودے تک گوجائے دے رہی تھی۔ لیکن اپنی جان بچ جانے کی خوشی میں وہ اتنی تکلیف تو برداشت کر ہی سکتا تھا اس لیے وہ بڑی تیزی سے وہاں سے دور بھاگ جانا چاہتا تھا اس سے پہلے کہ وہ شیطانی مگر چھوٹے دوبارہ اس تک پہنچیں وہ اس جھیل سے باہر نکل جانا چاہتا تھا۔ ابھی وہ کچھ ہی دور تھا کہ اچانک اسے یوں محسوس ہوا جیسے یکدم پانی کی سطح پر ایک بھونچال سا آنے لگا ہو۔ پھر وہ خوفناک منظر اسے صاف دکھائی دینے لگا جب اسے پانی کی سطح پر بہت سی آنکھیں بڑی تیزی سے تیری ہوئی اس کی سمت آئی دکھائی دیں۔ آف خدایا۔ کیا وہی شیطانی مگر چھوٹے دوبارہ اس کی بوسہ کھینچے ہوئے اس کی جانب بڑھے چلے آ رہے تھے۔

یہ سوچ کر جیسے اسے اپنا لبو گلوں میں منجمد ہوتا محسوس ہونے لگا۔ اسے اپنی بھیاں اور دردناک موت صاف دکھائی دینے لگی۔ اس نے اپنی رہی سہی ہمت جمع کرتے ہوئے بڑی تیزی سے اس خشک راستے کی جانب تیرنا شروع کر دیا۔ پھر لمحہ بہ لمحہ اس کے انور شیطانی مگر چھوٹوں کے درمیان فاصلے سننے لگے۔ پھر اس سے پہلے کہ وہ مگر چھوٹے تیزی سے تیرتے ہوئے اس تک پہنچتے وہ اس خشک راستے کے قریب پہنچ کر تیزی سے اٹھا اور دوڑنا ہوا وہاں سے بہت دور جا کر کھڑا ہو گیا۔ اس کا سانس کسی دھوکے کی طرح چل رہا تھا اور یوں نہ بخندے پانی سے نکلنے کے باوجود اس کے ہاتھ پر پسینے کے قطرے چک رہے تھے۔ مگر چھوٹے اپنے شکار کو یوں ہاتھ سے نکلے دیکھ کر تھلا تے ہوئے واپس لوٹ گئے۔ انہیں ناکام لوٹنے دیکھ کر اس نے ایک گہرا اور طویل سانس لیا اور کچھ دیر وہیں رک کر حسرت بھری نگاہوں سے اپنے دوستوں کی قاتل جھیل کی جانب دیکھتے رہنے کے بعد اپنے پیارے ساتھیوں کی موت پر غصوں کرتے ہوئے واپس اپنے گھر کی جانب لوٹ گیا جہاں اس کی بیوی اس کی اور اس کے لاپٹی دوستوں کی بیوقوفی پر ہنسنے کے لیے موجود تھی۔!!



شمنستان گھاٹ کی چڑیلیں

ایمان اللہ میر شوکت - سلاہور

میں نے دیکھا اس شخص کا چہرہ دھواں اور چہرے پر خوف کی علامت پیدا ہو گئی اور کچھ دیر بعد ہم گھر لوٹ آئے اور پھر آج کی رات میں نے پورے ہوش و حواس میں ایک چڑیل کو دیکھا۔

ایک روح کی دہشت ناک اور بھیانک رواد جس نے گاؤں والوں کو خوف زدہ کر دیا تھا



ہو رہا تھا ابھی سینہ بھاڑ کر باہر نکل آئے گا۔ کانوں میں شائیں شائیں ہونے لگی تھی اور پھر اچانک میرا ہاتھ سر ہانے کیل کے ساتھ لگی ہوئی سیج پر پڑا۔ اور میں نے سیج کو پکڑ لیا۔ بس پھر کیا تھا اس چڑیل کے منہ سے ایک بھیانک چیخ نکلی اور وہ ملک جھپکتے ہی چگاڑ کا روپ دھار کر روشن دان سے نکل بھاگی اور میرے حواس آہستہ آہستہ بحال ہونے لگے۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔ میری عادت تھی سونے سے پہلے ہی چار یا پانچ تبلیعیں پڑھ کر سویا کرتا تھا۔ اس طرح مجھے سکون مل جاتا تھا۔

میں بی اے کا طالب علم ہوں۔ اس مکان میں آئے ہوئے مجھے تیس دن ہوئے تھے۔ میں گاؤں سے بڑھنے کے لئے شہر آیا تھا۔ میرا تعلق کھاتے پیتے گھرانے سے تھا مگر میں بچپن سے ہی کجوس واقع ہوا تھا۔ اگر چاہتا تو شہر میں کالج کے قریب ہی کوئی اچھا سا مکان کرائے پر لے سکتا تھا۔ مگر میں نے بچت کی اور دوسری بات یہ تھی میرے ساتھ اورنگ زیب بھی گاؤں سے آیا تھا جو مہنگے مکان کا بوجھ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے مجبور کرنے پر ہی ہم نے شہر سے کچھ فاصلے پر اس بستی میں یہ مکان پسند کیا تھا۔ ویسے مکان کشادہ

یہ خواب نہیں تھا میں نے جاگتی آنکھوں کے ساتھ اسے سامنے کے روشن دان میں سے روشن ذروں کی شکل میں کمرے میں آتے ہوئے دیکھا تھا۔ یہ سچ ہے اس وقت میں بستر پر دراز تھا مگر میری آنکھیں وا تھیں پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس کا وجود انسانی روپ دھار گیا اور نہایت خوبصورت لڑکی کے روپ میں میرے سامنے موجود تھی، مگر اس کے خوبصورت جسم سے نفیض اٹھ رہا تھا کہ مجھے مجبوراً سر ہانے کے نیچے سے رومال نکال کر ناک پر رکھنا پڑا۔ اس نفیض نے ہی مجھے اس بات کا احساس دلا دیا تھا کہ رات کے وقت چڑیلیں چگاڑوں کا روپ دھار کر اپنے ٹھکانوں سے نکلتی ہیں۔ گو وہ چگاڑا کا روپ لے کر کمرے میں نہیں آتی تھی اور پھر میں نے دیکھا وہ حسین چہرہ آہستہ آہستہ بد صورتی اور بھیانک پن میں تبدیل ہونے لگا تھا۔ اس کی موٹی موٹی آنکھیں اندر کو دھنسنے لگی تھیں اور دانت کسی خنجر کی شکل میں نمایاں ہو رہے تھے۔ چہرے کی رنگت سیاہ پڑنے لگی تھی۔ یہ سب دیکھتے ہوئے کون ہوگا جو اپنے حواس پر قابو رکھ سکے۔ میرا حال بھی اس وقت قابل دید تھا۔ خوف کے مارے منہ کھلا پڑ رہا تھا اور دل کی دھڑکن اس حد تک بڑھ گئی تھی کہ مجھے یوں محسوس

صاف ستھرا اور ہوا دار تھا۔ جس کا یہ مکان تھا وہ کوئی بازوئی انسان ہی تھا اور پھر کالج آنے جانے میں کوئی دشواری نہ تھی۔ بستی سے کوئی ڈھائی تین سو گز کے فاصلے پر بڑی سڑک تھی جہاں سے ہر پانچ منٹ کے بعد بس مل جاتی تھی اور یہ خوشگوار سفر سب کے لئے آسان ہو جاتا تھا۔

بستی کے قریب سے ہی ایک ندی بھی گزرتی تھی اور وہاں سے ذرا ہٹ کر ندی کنارے ہندوؤں کا شمنستان گھاٹ بھی تھا جہاں وہ اپنے مردوں کو لاکر جلایا کرتے ہوں گے۔ میرے کمرے کا روشن دان اس شمنستان گھاٹ کی طرف تھا۔ کل چھٹی کا دن تھا۔ میں اور اورنگ زیب گھر پر ہی تھے اور دوپہر کا کھانا کھا کر ٹہکتے ہوئے اس طرف نکل گئے جہاں شمنستان گھاٹ تھا۔ وہاں پرانے کھنڈر بھی تھے۔ مگر اب اس شمنستان گھاٹ میں کسی مردے کو لاکر نہیں جلایا جاتا تھا۔ شاید مدیوں پہلے ہی ہندوؤں نے کسی وجہ سے اپنے مردے یہاں لانا چھوڑ دیئے تھے۔ اس کی واقعی ایک مقتول بچہ بھی جو سامنے آئی۔

شمنستان گھاٹ سے ذرا دور ایک دھوبی سے ہمیں یہ بات معلوم ہوئی تھی جو اس طرف دوسرے

دھوبیوں کے ساتھ لوگوں کے کپڑے دھو رہا تھا۔ یہ ایک عمر رسیدہ مگر مضبوط قد کا ٹھکانہ تھا۔ اس نے ہمیں اس طرف جانے سے منع کیا تھا مگر ہم نے اس کی نصیحت پر توجہ نہیں دی تھی اور شمنستان گھاٹ میں داخل ہو گئے جس کی چار دیواری ٹوٹی پھوٹی شکل میں اب بھی موجود تھی۔ اس شمنستان گھاٹ میں داخل ہوتے ہی ہمیں ایک بوڑھے برگلہ کے درخت پر جو شاید آٹھ نو سو برس سے بھی زیادہ پرانا ہوگا ہمیں سیکڑوں کی تعداد میں چگاڑوں کی الٹی نظر آئیں۔ ہم دونوں کو شرارت سوچھی اور ہم نے پتھر اٹھا اٹھا کر ان پر برسائے شروع کر دیئے جس کے ساتھ ہی ایک شور طوفان کی مانند اٹھا اور ہم لوگ خوفزدہ ہو گئے چگاڑوں اتنی تعداد میں ہمارے سروں پر شور مچاتے ہوئے اڑ رہی تھیں کہ ان کے وجود نے سورج کی کرنوں کو بھی ڈھانپ لیا تھا اور پھر ہم اگلے قدموں بھاگ اٹھے اور شمنستان گھاٹ کے باہر آ کر ہی دم لیا۔ ہمارا سانس بری طرح پھول رہا تھا اور دل کی دھڑکن بے قابو ہوئے جارہی تھی۔ ہمیں چگاڑوں پر غصہ بہت آیا اور ہم نے دل ہی دل میں اس بات کا فیصلہ کر لیا کہ اگلی اتوار کو چھروں والی ہندوئی لے کر آئیں گے اور ان چگاڑوں کو ایسا مزہ چکھائیں

کے کہ وہ شمشان گھاٹ کو چھوڑ بھاگیں گی۔ ہمیں
واپس آنا دیکھ کر اس دھوبی نے تسخّر اڑانے والے
انداز میں کہا۔

”کیوں بابو جی: کیا ہوائی جلدی کیوں واپسی
چلے آئے۔ خیریت تو گزری ناں؟“

اس کی باتوں کی چیم کو ہم نے بری طرح
محسوس کیا اور کچھ دیر بعد اسے میں نے جواب دیا۔

”ہم اگلے اتوار کو پھر آئیں گے اور جن
چڑیلوں سے تم نے ہمیں ڈرایا ہے ان کا مزاج بھی
دوست کروں گے۔ ہم بھی ہمت ہارنے والے نہیں
ہیں اور یہی گھبرانے والے۔“

میری اس بات کو سن کر وہ شخص سنجیدہ ہو گیا اور
چند لمحوں کے بعد بولا۔

”بابو جی! ہماری مانو تو اپنے دل سے شمشان
گھاٹ کی طرف دوبارہ جانے کا خیال نکال دو۔
وہاں داخل ہوتے ہوئے تو اچھے اچھوں کا پتا پانی
ہو جاتا ہے۔“

”وہ لوگ بزدل ہوتے ہوں گے ہم بزدل
ہرگز نہیں۔ تم دیکھ لو گے اگلی اتوار کو ہم آئیں گے اور
شمشان گھاٹ میں درختوں کے ساتھ لٹکی ہوئی جتنی
چمکاوڑیں ہیں جنہیں تم چڑیلیں کہتے ہو، مجھ کو رکھ
دیں گے۔“ میں نے ذرا غصیلے لہجے میں کہا۔

میں نے دیکھا اس شخص کا چہرہ دھواں اور
چہرے پر خوف کی علامت پیدا ہو گئی اور کچھ دیر بعد ہم
گھر لوٹ آئے اور پھر آج کی رات میں نے پورے
ہوش و حواس میں ایک چڑیل کو دیکھا اور پھر رات بھر
میں اچھی طرح نہیں سو سکا۔ دن چڑھنے پر جب میں
اٹھا اور اپنے کمرے سے نکلا تو میں نے دیکھا اورنگ
زیب بیدار ہو چکا تھا۔ ہم نے وضو کیا اور گھر کو تالا لگا کر
مسجد چلے گئے۔ راستے میں بس ادھر ادھر کی باتیں ہوتی
رہیں۔ واپسی پر بھی ہمارے درمیان کوئی خاص بات نہ
ہوئی۔ دراصل اگر میں رات والی بات اورنگ زیب
سے کرتا تو وہ میری بات کا کبھی یقین نہ کرتا اور اسے

میرے خواب سے تعبیر کرتا۔ مجھے بزدل سمجھنے لگتا۔ لہذا
کے بعد واپس گھر آئے اور ہم کپڑے بدل کر کال
جانے کی تیاری کرنے لگے۔ ناشتہ ہم شہر کے ایک
مشہور ہوٹل سے کیا کرتے تھے۔ وہاں کا کھانا بہت
لذیذ اور مزیدار ہوتا تھا۔

اورنگ زیب بڑی بے چینی سے چھٹی کے دن
کا انتظار کر رہا تھا کہ میں کچھ خوفزدہ تھا اس لئے میں
نے اورنگ زیب پر اس بات کو ظاہر نہیں ہونے دیا اور
جب ایک دن اس نے مجھ سے چہرے والی بندوق
خریدنے کی فرمائش کی تو میں نے بلا جھجک اسے پیسے
دے دیے لیکن وہ مجھے اپنے ساتھ لے گیا اور پھر اس
نے اسلحہ کی ایک دکان سے کارتوس والی بندوق خرید لی
تو میں کچھ حیران ہوا کیوں کہ یہ بندوق بہت قیمتی اور
مہنگی تھی۔ میرا خیال نہیں تھا کہ وہ یہ خریدے گا۔ میں
اس سے بولا۔

”اورنگ زیب، یہ تم نے اتنی مہنگی بندوق
کیوں خریدی؟“ اس پر اس نے جواب دیا۔

”چمکاوڑوں کو مارنے کے لئے چھروں والی
بندوق کافی نہیں تھی اس لئے میں نے کارتوس چلانے
والی یہ بندوق خرید لی ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ
چمکاوڑوں کا خاتمہ ممکن ہو سکے۔“

اب میں اسے کیسے سمجھا تا کہ ہمارا واسطہ بچ بچ
چڑیلوں سے پڑنے والا ہے۔ خیر ہم نے دو شکاری چاقو
بھی خرید لئے تاکہ بوقت ضرورت کام آسکیں، میری
اس تیاری پر اورنگ زیب کو حیرت ہو رہی تھی مگر وہ
خاموش تھا یا پھر وہ سمجھ گیا تھا کہ میں اندر سے خوفزدہ
ہوں۔ ابھی ہم گھر پہنچے ہی تھے کہ مکان کے دروازے
کے قریب دیوار کے ساتھ کی کوئیٹھٹھ ہوئے دیکھا۔ اس
شخص نے کالا کبلا اڑھا ہوا تھا اور چہرہ بھی کبلا میں
چھپا تھا۔ نہ جانے کیا بات تھی کہ میں گھبرا یا اور خوفزدہ
ہو گیا۔ اورنگ زیب نے اس شخص کی طرف زیادہ
دھیان نہ دیا اور تالا کھول کر دروازے کو دھکیلتے ہوئے
مکان میں داخل ہو گیا۔ اس کبلا پوش شخص کو دیکھتے ہی

نہ جانے کیا ہوا کہ میں اورنگ زیب سے کچھ پیچھے رہ گیا
اور جب میں نے دروازے میں قدم رکھا تو اچانک
اس شخص نے کبلا میں سے اپنا منہ باہر نکال لیا تو مجھے
ہاں لگا پیچھے میرے قدم زمین میں گڑ گڑ کر رہ گئے ہوں۔
اس کے ساتھ ہی سردی کی ایک لہر میری ربڑھ کی ہڈی
سے گزرتی۔ اس خوفناک شخص کا رنگ، کالے کبلا سے
کچھ بکھلا ہوا تھا۔ اتنے کالے جتنی بھی نہیں ہوتے۔
اس کی سیاہ رنگت پر سرخ انگارہ جیسی آنکھیں تھیں اور
باد چہرے پر ہونٹ کسی کبوتر کے لہو جیسے تھے۔ یوں لگتا
تھا جیسے وہ ابھی ابھی کسی کا خون پی کر آیا ہو۔ مکان کے
اندر قدم بڑھانا میرے بس میں نہیں تھا۔ وہ تو اورنگ
زیب کا بھلا ہو مجھے یوں خوفزدہ دروازے میں کھڑا
رکھ کر میری طرف چلا آیا تھا۔ مگر اس کے ساتھ ہی اس
شخص نے جلدی سے اپنے چہرے کو ڈھانپ لیا اور اٹھ
کر تیز چلن ہوا نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ یہ کیفیت
دیکھ کر اورنگ زیب بھی پریشان ہو کر پوچھنے لگا۔

”کیوں کیا ہوا ابھی اور یہ تمہارا چہرہ دھواں
دھواں کیوں ہو رہا ہے۔ کون تھا وہ کبلا پوش جس کی
طرف میں نے کچھ زیادہ دھیان نہیں دیا تھا جو مکان کی
دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھا ہوا تھا اور تم مجھ سے کچھ
در پیچھے رہ گئے تھے۔ میرے پیچھے کیا بقی تم پر۔“

اورنگ زیب کی باتیں سن کر میں اس کے
ساتھ ہی خاموشی سے مکان کے اندر چلا آیا۔ اسے کوئی
جواب نہیں دیا۔ ان چند گھنٹیوں میں ہی برسوں کا پیار
لگ رہا تھا۔ اورنگ زیب نے جب میری یہ حالت
دیکھی تو گھڑے میں سے ٹھنڈے پانی کا گلاس لا کر
مجھے بکڑا دیا۔ پانی پینے کے بعد میری حالت کچھ
سدرھ کر اب میں اورنگ زیب سے کچھ چھپانا نہیں
چاہتا تھا کسی وقت بھی کچھ ہو سکتا تھا مگر اس نے مجھ سے
اپنی باتوں کا جواب طلب نہیں کیا۔ رات کو جب ہم
عشاء کی نماز پڑھ کر آئے اور اپنے اپنے کمروں میں
جانے لگے تو مجھے فوراً خیال آیا میرے کمرے میں
انکے سونے سے مجھے مزید ڈر محسوس ہوگا تو میں اس

سے بولا۔

”یار اورنگ زیب ایسا کرو آج رات تم
میرے کمرے میں ہی سو جاؤ۔“

”ہاں ہاں کیوں نہیں میں بھی تم سے یہی کہنا
چاہتا تھا کیوں کہ میں محسوس کر رہا ہوں آج تمہاری
طبیعت کچھ زیادہ ٹھیک نہیں لگ رہی ہے۔ رات آرام
سے بیت جائے گی۔“

اورنگ زیب اپنا سر ہاندا اور کبلا اٹھا کر میرے
پیچھے چلا آیا۔ ہم لوگ ساتھ ساتھ لیٹ گئے۔ کچھ دیر تو
ہم خاموش رہے لیکن مجھے اس بات کا احساس تھا کہ وہ
بولے گا۔

”ہاں ابھی اب بتاؤ تم کیا کہنا چاہتے ہو۔ مجھے
کچھ کچھ سمجھ آ گئی ہے کہ اب تک مجھ سے کچھ چھپانے
آ رہے تھے اور اب وہ باتیں مجھے بتانا چاہ رہے ہو۔“
اورنگ زیب نے اسے کر دیا۔

”ہاں دوست میں اندر ہی اندر بڑے کرب
میں مبتلا ہوں۔“ ”کیا ہوا؟“ اس نے پوچھ لیا
میں مجھ سے پوچھا اس پر میں نے اسے تمام واقعہ سن دیا
عن کہ سنایا۔ میری باتوں کو سن کر وہ گہری سوچ میں گم
ہو گیا اور پھر چند لمحوں کے بعد اس نے مجھ سے کہا۔

”میرے دوست تم نے اسی وقت مجھے
کیوں نہیں بتایا۔ میں دیکھتا، آخر وہ کبلا پوش شخص
تھا کون جو ہمارے مکان کی دیوار کے ساتھ ٹیک لگا
کر بیٹھا ہوا تھا۔“

”اس نازک لمحات میں میری جان طلق میں
انکی ہوئی تھی۔ شاید اس کی آنکھوں کے سحر نے میری
قوت گویائی سلب کر لی تھی۔ میں تم سے کیا بات کرتا۔“
میں نے جواب دیا۔

”خیر اب اگر وہ کبھی کہیں نظر آئے تو مجھے تم
ضرور بتانا۔ اب سو جاؤ اور ہاں سونے سے پہلے میں بار
چاروں قلی ضرور پڑھ لو۔ خدا نے چاقو ہر شر سے محفوظ
رہو گے۔ گھبرانے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔“ اس
نے کہا۔

میں نے اس کی بات پر فوراً عمل کیا اور پھر ساری رات خوب گہری نیند سویا۔ اس دوران مجھے کوئی پریشانی لاحق نہیں ہوئی۔ صبح ہوئی تو ہم معمول کے کاموں میں مشغول ہو گئے اور جب کالج جانے کے لئے گھر سے نکلے تو میں نے دیکھا راستے میں ایک درخت کے نیچے جو موچی جوتوں کی مرمت کیا کرتا تھا وہ اشاروں سے ہمیں اپنی طرف بلا رہا ہے۔ یہ شخص کوئی ساٹھ بیسٹھ برس کا ہوگا۔ داڑھی کے بال تقریباً سفید ہو چکے تھے مگر چہرے پر کوئی خاص جھریاں نہیں تھیں۔ قد کاٹھ بھی مضبوط تھا۔ میں نے اورنگ زیب کو موچی کی طرف متوجہ کیا اور پھر ہم دونوں اس کی طرف بڑھے اور قریب پہنچ کر اورنگ زیب نے پوچھا۔

”باباجی کیا بات ہے۔ تمہیں ہم سے کوئی کام ہے خیریت تو ہے ناں؟“

اس کی بات پر اس شخص نے فوری طور پر کچھ نہ کہا۔ ہمیں یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ کسی گہری سوچ میں ہو۔ معلوم ہو رہا تھا کہ وہ ہم سے کوئی خاص بات کہنا چاہتا ہے۔ وہ کافی دیر اپنا سر جھکائے بیٹھا رہا اور ہم گم گم اسے دیکھتے رہے۔ اس کی بات سننے کے لئے ہم بے تاب تھے۔

”کل کوئی شخص کالا کیل اوڑھے آپ لوگوں سے ملتا تھا؟“ اس نے سنجیدہ لہجے میں پوچھا۔

”ہاں کل ایک ایسا ہی شخص ہمارے مکان کے دروازے کے پاس بیٹھا تھا۔ اس کا چہرہ نہایت ہمایک تھا کہ اسے دیکھتے ہی میرا دل ہول کھانے لگا تھا۔“ میں نے اسے جواب دیا۔

”تو میرا انداز درست نکلا۔“ یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گیا۔ اس پر اورنگ زیب بولا۔

”باباجی: آپ اس شخص کے بارے میں کیا جانتے ہیں۔ آخر کون تھا وہ اور اسے ہم سے کیا غرض تھا۔ وہ ہمارے مکان کے پاس کیوں بیٹھا ہوا تھا؟“

”اس بات کا جواب میں بعد میں بتاؤں گا اس وقت صرف اتنا کہنا ضروری ہے کہ اس سے ہوشیار

رہیں۔ احتیاط بہت ضروری ہے۔“ موچی نے کہا۔ ہم عیش و عشرت میں پڑ گئے اور ایک دوسرے کا منہ دیکھتے ہوئے وہاں سے چل دیئے۔ ابھی ہم بڑی سڑک پر پہنچے ہی تھے کہ ایک بس آگئی اور ہم جلدی جلدی اس پر سوار ہو گئے۔ میں اورنگ زیب کے بارے میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔ البتہ مجھے کسی انجانے سے خطرے کا احساس ہونے لگا تھا۔ میں موچی کی باتیں سن کر اندر سے خوفزدہ ہو گیا تھا۔ اس نے مزید کچھ بتانے سے وقتی طور پر گریز کیا تھا۔ کالج میں بھی کسی پتھر کو سننے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ کوئی بیڑیڈ میں نے قوت سے نہیں لیا۔ دوپہر کھانا کھاتے ہوئے اچانک ہی اچھل پڑا۔ میرے پاؤں کے ساتھ ایک سیاہ بلی اپنا جسم کھانے لگی تھی۔ مجھے اس طرح گھبرا کر کھڑے ہوتے دیکھ کر اورنگ زیب میری طرف متوجہ ہو گیا۔ ”کیا ہوا؟“ اس نے پوچھا۔ میں نے اسے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس سیاہ بلی کو خوفزدہ نظروں سے دیکھتا رہا۔ مجھے یوں لگا جیسے اس کی آنکھیں ہو ہواس کالے کیل والے شیطان جیسی تھیں۔ میرے جواب نہ دینے پر اورنگ زیب اٹھا اور میری طرف آیا اور پھر اس نے سیاہ بلی کو ایک زوداڑھو کر سید کی گردہ چوٹ کھا کر بھی بھاگی نہیں بلکہ دانت نکالتے ہوئے اپنے منہ سے خوفناک آوازیں نکالنے لگی۔ اورنگ زیب نے ایک زوردار ٹھوکر اور سید کردی جس پر سیاہ بلی نے غراتے ہوئے اس کے پاؤں پر اپنا پنجہ مارا مگر اس نے تیسری ٹھوکر اس زور سے ماری کہ سیاہ بلی خاصی دور جاگری اور وہاں سے بھاگ گئی۔ ہوٹل میں موجود لوگ اس طرف متوجہ ہو گئے تھے مگر اورنگ زیب نے پرواہ نہ کی اور اطمینان سے جا کر اپنی کرسی پر بیٹھ گیا اور کھانا کھانے لگا۔ میں نے تو نوالہ تو ذکر منہ میں ڈالا اور اسے چبانے لگا مگر نوالہ میرے حلق سے نہیں اتر رہا تھا کھانا کھا کر ہم نے بل دیا اور ہوٹل سے باہر نکل آئے اور پھر بس پکڑ کر گھر کی طرف چل دیئے۔ جب بس سے اتر کر اس گلی میں داخل ہوئے جہاں ایک درخت تھا تو ہم نے محسوس کیا

موسمی کام کاج چھوڑ کر جیسے ہمارا ہی انتظار کر رہا ہو۔ ہم لوگ بھی سیدھے اس کی طرف بڑھے۔ جب ہم اس کے قریب جا کھڑے ہوئے تو اس نے تھوڑی دیر کے لئے اپنا سر جھکا لیا جیسے وہ کچھ سوچ رہا ہو۔ پھر فوراً بولا۔

”آج وہ سیاہ بلی کے روپ میں تم دونوں کے پاس ہوٹل میں آیا اور حملہ بھی کیا۔ اب اس کا کچھ کرنا پڑے گا ورنہ وہ تمہارے لئے خطرہ بن سکتا ہے۔“

”باباجی! وہ آخر ہے کون؟ اور ہمارے پیچھے کیوں پڑا ہے۔“ اورنگ زیب نے پوچھا۔

”وہ اس لئے کہ تم لوگوں کو شیشاں گھاٹ کی طرف جانے سے روکے۔ وہ ایک شیطان ہے۔ کسی زمانے میں اسے ایک بہت بڑی جاگیر ورثے میں ملی تھی۔ اسے جادوؤں کا بہت شوق تھا۔ اس نے اپنی تمام دولت اور جاگیر اس کام میں لگا دی۔ بڑے بڑے جادوگروں سے اس نے کالاعلم سیکھا۔ کئی چلے کئے اور اپنی طاقت بڑھا تا رہا۔ اس کمروہ کام میں ماہر ہونے تک اس کی تمام جمع پونجی ختم ہو چکی تھی۔ جاگیر بیک بچکی تھی۔ مگر اسے کوئی پرواہ نہیں تھی۔ وہ بہت خوش تھا۔ اس نے اپنے گرد اپنے جیسے کئی مرد اور عورتیں جمع کر لئے تھے۔ یہ شیطان تو لہ ایسے ایسے کام کرتا کہ لوگوں کی زندگی اجیرن کر چھوڑی تھی۔ لوگ ان سے خوفزدہ رہنے لگے تھے۔ کسی کی عزت محفوظ نہیں تھی۔ سیکڑوں معصوم بچے ان کے عملیات کی بھینٹ چڑھ چکے تھے۔ اور پھر ان لوگوں نے شیشاں گھاٹ میں ڈیرے جمائے جس کی وجہ سے اس علاقے میں رہنے والوں نے اس شیشاں گھاٹ پر مردے جلانے چھوڑ دیئے اور وہ دیران ہو گیا۔ پھر ان پر اسرار قوتوں نے خود کو ہلاک کر لیا تاکہ بدروہیں بن سکیں۔ تم دونوں نے شیشاں گھاٹ میں اس برگد کے درخت پر جن چمکاؤروں کو دیکھا تھا وہ سب ہی شیطان تھے جو دن کے وقت چمکاؤں کے روپ میں اٹھ لٹکے رہتے ہیں اور رات کے وقت اپنے شیطانی کاموں میں مصروف رہتے

جسمانی بیماریوں کا بہترین حل صرف پھل قبض سے نجات کیلئے

شوگر کنٹرول کرنے کیلئے

اسر کے زخم دور کرنے کیلئے

یرقان کا مرض دور کرنے کیلئے

دل کی بیماریاں دور کرنے کیلئے

ہائی بلڈ پریشر نارمل لانے کیلئے

کولیسٹرول کنٹرول کرنے کیلئے

امروہ

جامن

کھجور

گنے کا رس

بہی

آلو بخارا

چکوترا

(ارمان ملک - ٹنڈو آدم)

ہیں۔ چاند کی چودھویں رات کو دور دراز کے کہیں گاؤں سے چھ سات مہینے کے بچے کو اٹھلاتے ہیں اور اسے ہلاک کر کے اپنی شیطانی قوت بڑھاتے ہیں مجھے میرے بھائی نے ان شیطانوں کو جنم رسید کرنے کے لئے بھیجا مگر مجھے ان کو کینٹر کردار تک پہنچانے کے لئے بہادر اور نڈر مسلمان لڑکوں کی ضرورت تھی۔ قدرت نے تم دونوں کی شکل میں یہ کام بھی آسان کر دیا ہے۔ مجھے معلوم ہے تم کل چھٹی کے دن اس شیشاں گھاٹ جانے والے ہو۔ ضرور جاؤ اس طرح میرا کام بہت آسان ہو جائے گا۔“

”مگر اس سے باباجی آپ کو کیا فائدہ ہوگا؟“ اورنگ زیب نے پوچھا۔

”یہ میں تم دونوں کو بعد میں بتاؤں گا۔“

پراسرار منوچی نے جواب دیا۔

اتنی لمبی اور طویل گفتگو سننے کے بعد ہم آگے اور اس موچی کے بارے میں باتیں کرنے لگے۔ وہ واقعی کوئی پہنچا ہوا بزرگ تھا۔ اسے وہ تمام باتیں معلوم ہو چکی تھیں۔ جب کہ یہ وہاں موجود نہیں ہوتا تھا۔ مثلاً کالے کیل والا خوفناک شخص اور ہوٹل میں سیاہ بلی والا واقعہ۔ یہ تو وہاں نہیں تھا۔ پھر اسے کیسے علم ہو گیا۔ یہی

باتیں اس کی بزرگی کو ظاہر کرتی تھیں۔ اس موضوع پر وہ دونوں دوست رات گئے باتیں کرتے رہے۔ عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد وہ سو گئے۔ اورنگ زیب اپنی چار پائی اس کے کمرے میں لے آیا تھا۔ اب میں گویا ہوا۔ آدھی رات کا وقت ہو گا کہ کسی آواز سے میری آنکھ کھل گئی۔ لائین کی مدھم روشنی میں جو منظر نے دیکھا اس سے اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ دل کی دھڑکن ایک دم تیز ہو گئی۔ اورنگ زیب کی چار پائی پر ایک ناگ بچھن اٹھائے خوفناک انداز سے پھنکار رہا تھا۔ میرے دوست کی آنکھیں ڈر کے مارے ابلی پڑ رہی تھیں۔ چہرہ دھواں ہو رہا تھا۔ مجھ میں بھی اتنی ہمت نہیں تھی کہ کوئی چیز اٹھا کر سانپ پر دے مارتا اور شاید اورنگ زیب اس لئے پتھر کا بت بن گیا تھا کہ اگر اس نے ذرا سی بھی حرکت کی تو وہ ناگ کہیں اسے ڈس نہ لے کہ اچانک ایک بہت بڑا نیولا خدا جانے کدھر سے آیا کہ اس نے ایک ہی جست میں اس ناگ کی ردن اپنے منہ میں دیو لیج لی اور اسے ساتھ لئے ہوئے چار پائی سے بہت دور جا گرا۔ ان نازک لمحات سے فوراً فائدہ اٹھاتے ہوئے اورنگ زیب اٹھ کر تیزی کے ساتھ میری چار پائی پر آ گیا۔ کالے ناگ اور نیولے میں زبردست جنگ ہو رہی تھی۔ خاصی دیر تک تو یوں معلوم ہو رہا تھا کہ ان میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کو زیر نہیں کر سکے گا مگر پھر ہم نے دیکھا کہ کالے ناگ نے ایک دم چگاڑو کا روپ دھارا اور دیکھتے ہی دیکھتے روشن دان کے راستے سے غائب ہو گیا اور نیولا زمین پر دو چار بار لوٹ پوٹ ہوا اور ہم یہ دیکھ کر حیران و ششدر رہ گئے۔ ہمارے سامنے موچی بابا موجود تھا۔ اسے دیکھتے ہی ہماری جان میں جان آئی۔

”خدا کا شکر ہے کہ میں عین وقت پر آ گیا۔ ورنہ وہ اورنگ زیب کو ہلاک کر دیتا۔ دراصل یہ وہی شیطان تھا جو کل ہول میں تمہیں نظر آیا تھا اور تمہارے دوست نے تین شوکرین مار کر اسے آدھ مو کر دیا تھا اس لئے آج رات وہ انتقام لینے آیا تھا۔“

”مگر بابا جی ایک بات سمجھ میں نہیں آئی۔ کہہ دو پہلے آپ نیولے کے روپ میں تھے۔ اور اب ہمارے سامنے اصلی روپ میں نظر آ رہے ہیں۔ انسان کا روپ تو اتنی جلدی بدل نہیں سکتا۔ اس میں اگلی حقیقت کیا ہے؟“ اورنگ زیب نے پوچھا۔

”تم ٹھیک کہتے ہو۔ یہ روپ بھی میرا اصلی روپ نہیں ہے۔ میں دراصل ایک جن ہوں اور ان بزرگ کے ہاتھوں مسلمان ہو چکا ہوں۔ میں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی ہوئی ہے۔ یہ کام انہوں نے میرے سپرد اس لئے کیا تھا کہ میں اسے بخوبی انجام دے سکتا ہوں۔ اچھا بچو اب میں چلتا ہوں اب تم بے فکر ہو کر چین کی نیند سو جاؤ کل چھٹی کا دن ہے۔ تم دونوں نے شمشان گھاٹ کی طرف بھی جانا ہے اور اپنے کام کو پورا کرنا ہے۔“ یہ کہتے ہی وہ غائب ہو گیا۔

موچی بابا کی باتیں سن کر ہم حیران رہ گئے اور ہمارے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔ کچھ دیر تک تو ہم ایک دوسرے کی شکلیں ہی دیکھتے ہی رہے۔ اتنے حیران کن واقعات تھے۔ جن سے ہمیں واسطہ پڑ رہا تھا۔ اگر ہماری جگہ کوئی اور ہوتا تو وہ گھر چھوڑ کر کرب کا بھاگ گیا ہوتا۔ خیر ہم دونوں اپنی اپنی چار پائیوں پر لیٹ گئے مگر ہماری آنکھیں کھلیں گئی۔ فجر کی اذان تک چار پائیوں پر بڑے کر دیش ہی بدلتے رہے۔ فجر کی نماز مسجد میں ادا کی گھر آ کر ناشتہ کیا اور آئندہ کا پروگرام بنایا۔

ہم شمشان گھاٹ جانے کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔ میں نے پہلے سے محسوس کیا کہ میرے اندر اب وہ خوف نہیں تھا جن بابا کی باتوں سے مجھے حوصلہ ملا تھا اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ ہماری قریب کی ہستی میں موچی کے روپ میں رہتا تھا جہاں سے ہمارا آنا جانا ہوتا تھا۔ میرے دل کو بہت ڈھارس ہو گئی تھی۔ میں نے بندوق اورنگ زیب کو اس لئے پکڑا دی تھی کیوں کہ میں جانتا تھا اس کا نشانہ بہت اچھا ہے اور ایک تیز دھار والا چاقو بھی اس کے سپرد کر دیا۔ بابا ایک چاقو اور دوسرا سامان میں نے پکڑ لیا اور پھر گھر

گھر آ کر ہم شمشان گھاٹ کی طرف چل دیے۔ راستے میں دھوپ لگات تھا۔ ہم نے دیکھا سب دھوپ لگاتھا کام کاج چھوڑ کر ایک جگہ جمع تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے ہمارا ہی انتظار کر رہے ہوں۔ جب ہم پہنچے تو وہی دھوپ جس سے پچھلی اتوار کو گفتگو ہوئی تھی اور جس نے ہمیں شمشان گھاٹ کی طرف جانے سے منع کیا تھا آگے بڑھ آیا اور ہاتھ جوڑتے ہوئے بولا۔

”بچو! مجھے معلوم تھا کہ آج تم ضرور آؤ گے۔ اسی لئے ہم سارے کام کاج چھوڑ کر تمہارا انتظار کر رہے تھے تاکہ تم لوگوں کو شمشان گھاٹ کی طرف جانے سے روک دیں۔ اپنی جان پیاری ہے تو اس طرف جانے کا اپنا ارادہ ترک کر دیں۔“

”تو تمہارا کیا خیال ہے ہم اس طرح اس طرف جانے سے رک جائیں گے۔ آخر ہمیں اس طریقے سے روکنے کا مقصد کیا ہے۔“ اورنگ زیب نے پوچھا۔

”تم دونوں کو باز آنا ہو گا۔ اپنی قیمتی جانوں کو مت گنواؤ۔ وہ چڑیلیں ہمارا یہاں جینا محال کر دیں گی بابو جی۔ ہم بال بچوں والے ہیں دن بھر محنت مشقت کر کے بچوں کے لئے دو وقت کی روٹی کماتے ہیں۔ اگر ان چڑیلوں سے ٹکرانے کی کوشش کی تو ہم یہاں پر کام کرنے کے لئے بھی نہیں آئیں گے۔ ہم مرنا نہیں چاہتے۔ اس دوران ایک اور شخص بھی درمیان میں بول رہا۔ ہم ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے کہ انہیں کیا کہیں۔ پھر اورنگ زیب نے نرم لہجے میں کہا۔

”ہم تو تم سب کی بھلائی ہی کے لئے چاہتے ہیں کہ ان چڑیلوں کا خاتمہ ہو جائے کیوں کہ ہمیں علم ہوا ہے کہ شمشان گھاٹ کی چڑیلوں نے لوگوں کا جینا دو بھر کر رکھا ہے۔ دور دراز کی مہنتوں سے محسوس ہونے لگا ہے کہ لے آتے ہیں۔ تم سوچو ذرا یہ کتنا بڑا ظلم ہے۔ برائی کا خاتمہ بہت ضروری ہے۔“

”بڑے تم کہتے تو ٹھیک ہو۔ ان چڑیلوں کا تو بڑے بڑے غشی والے کچھ نہ بگاڑ سکے۔ تم کیا کر لو

گے۔ دونو جوانوں سے یہ سٹھن اور جان لیوا کام کیسے ممکن ہو گا۔ ان کا مقابلہ کرنا کوئی اتنا آسان کام تو نہیں ہے۔“ ایک بوڑھا دھوپ لگاتھا۔

”ہم اکیلے نہیں ہیں ایک تو اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات القدس ہمارے ساتھ ہے جو ہرے کاموں کا خاتمہ کرنے کے لئے انسان کا ساتھ دیتی ہے۔ ایک بزرگ ہستی بھی ہماری مدد کو ہے۔ تم لوگ دیکھ نہیں رہے ہم کتنے بے خوف اور نڈر ہو کر اس طرف بڑھ رہے ہیں۔ حالاں کہ ان چڑیلوں میں سے کچھ چڑیلوں نے مختلف روپ بدل کر ہم پر وار کرنا بھی چاہا مگر وہ ہمارا کچھ نہ بگاڑ سکیں۔ باری تعالیٰ کی مدد ہمارے ساتھ شامل حال تھی اور اب بھی انشاء اللہ العزیز وہ سب ہلاک ہو جائیں گی۔ ہم ہی ان کا خاتمہ کر دیں گے۔“ اورنگ زیب نے کہا۔

”وہ سب یہ باتیں سن کر مسکرائے اور دعا کے لئے اپنے ہاتھ اٹھائے۔ ہم دونوں آگے بڑھ گئے۔ پھر جیسے ہی ہمارے قدم شمشان گھاٹ کی حدود میں پڑے ہم پر خوف طاری ہونے لگا اورنگ زیب نے فوراً کہا۔ ”میرے دوست درود شریف کے ساتھ قل شریف پڑھنا شروع کر دو۔“ یہ کہتے ہوئے اس نے خود بھی قرآن مجید فرقان حید کی آیت الکرسی کی تلاوت کا دل میں درود کیا۔ اس کی برکت سے ہمارے اندر کا خوف ختم ہو گیا۔ اسی وقت ہم نے محسوس کیا۔ درخت کے ساتھ لگی ہوئی چگاڑوں میں بے چینی سی پیدا ہونے لگی تھی حالاں کہ وہ درخت ہم سے خاصا دوری پر تھا مگر دور ہی سے ہمیں ان میں لچل محسوس ہو رہی تھی۔ اکا دکا چگاڑوں میں اڑنے بھی لگی تھیں۔ ہم جب اس درخت کے نیچے پہنچے تو اورنگ زیب نے ان خون آشام چگاڑوں پر فائر کھول دیا۔ زبردست دھماکے کے ساتھ بیسیوں چگاڑوں زمین پر آ گریں۔ ہمارے کپڑے لہولہاں ہو گئے۔ اورنگ زیب نے اس کی پرواہ نہ کی اور کار تو س بندوق میں ڈال ڈال کر ان پر فائر کرتا رہا۔ شمشان گھاٹ میں اتنا ہیسا تک شور مچا تھا



کوکلکس کلان

ناصر محمود فرہاد۔ فیصل آباد

مجھے لگتا ہے کہ میں اس بوڑھے آدمی کو جانتی ہوں۔ وہ علم طور پر کرسی بچھا کر گھر کے باہر بیٹھا ہوتا ہے۔ اس کی حالت سے لگتا ہے کہ اسے دمہ یا اسی قسم کی کوئی اور بیماری ہے۔

سوچ کے افق پر جھلک کر تری ایک ناقابل یقین عجیب و غریب دل و دماغ کو بہت کرتی کہانی

ہمارے پاس۔ یاہ رنگ کی ایک بہت بڑی ابرائی ملی ہے۔ اس کا وزن چندرہ پاؤنڈ سے بھی زیادہ ہے لیکن دیکھنے میں وہ انتہائی نرم و نازک ہے۔ اگر وہ سردی میں زیادہ دیر باہر رہتی ہے تو اسے نزلہ زکام ہو جاتا ہے۔ اس لیے ہمیں اس کی بہت زیادہ دیکھ بھال کرنا پڑی ہے۔ لہذا جب تک موسم گرم نہیں ہوتا، ہم کوشش کرتے ہیں کہ اسے زیادہ تر گھر کے اندر ہی رکھیں۔

کہیں باہر نہ جانے دیں۔ کچھ دن پہلے، ایک رات..... اس وقت شاید رات کے دس بج چکے تھے اور ہم ہسٹری جانے کا سوچ رہے تھے کہ میری بیوی نے اچانک میری توجہ ملی کی طرف دلائی اور بولی۔ ”کیا..... تم نے مانو کو کہیں دیکھا ہے؟“

مانو ہماری ملی کا نام ہے اور شام کے اس وقت

اس نے بہت کوشش کی کہ وہ نیزہ نیچے کے پیسٹ میں پیوست کر دے مگر وہ اپنے ناپاک ارادے میں کامیاب نہ ہو سکا اور پھر اس کے چہرے پر خوف طاری ہوئے۔ اور اس کی سادھی شیطانی عورت اور وہ خود نیزہ بردار پر اسرار شخص وہاں سے بھاگ جانا چاہتے تھے کہ اچانک ایک سست کسی کو دیکھ کر ان کے اٹھے ہوئے قدم رک گئے اور وہ آہستہ آہستہ پیچھے کی طرف ہٹنے لگے۔ مگر ہمیں کوئی نظر نہ آیا۔ اچانک ان شیطانوں کے جسموں کو آگ نے اپنی پلیٹ میں لے لیا اور ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے وہ دونوں جل کر راکھ ہو گئے۔ اس کے ساتھ ہی جن بابا ہم پر ظاہر ہو گیا اور ہمیں اس بہادری کے کام پر مبارکباد دی۔ ہم وہاں سے واپس ہوئے تو ہم نے دیکھا بڑا کاہ درخت چگا دوڑوں سے پاک ہو چکا تھا اور اس کے نیچے سیکڑوں ڈھانچوں سے بدبو اٹھ رہی تھی۔ ہم نے اس بدبو سے بچنے کے لئے منہ پر رومال رکھ لئے اور تیز تیز قدم لیتے ہوئے ششمان گھاٹ سے باہر نکل آئے جن بابا وہاں سے اپنے بڑے صاحب کے پاس کامیابی کی خبر سنانے چلے گئے۔ جب دونوں دوست دھوبی گھاٹ پر پہنچے تو وہاں موجود دھوبی حیرت اور خوف سے ہمیں یوں دیکھنے لگے کہ انہیں یقین ہی نہ آ رہا ہو کہ ہم دونوں وہی ہیں مگر اورنگ زیب کے ہاتھ میں بندوق دیکھ کر سمجھ گئے۔ دراصل ہمارا تمام جسم خون میں لت پت تھا۔ چہرے بھی پوری طرح بگڑے ہوئے تھے۔ اپنے مکان پر پہنچ کر ہم نہائے اور کپڑے بدلے۔ نہانے سے پہلے ہم نے آئینے میں اپنی شکلیں دیکھیں تو نئے بغیر نہ رہ سکے کیوں کہ ہم ایک اذیت ناک اور خوفناک ماحول سے گزر کر آئے تھے۔ اس دن کے بعد درخت کے نیچے ہمیں وہ موچی بابا بھی دکھائی نہ دیا جو جن کے روپ میں نظر آتا تھا۔ جو کچھ مجھ پر اور اورنگ زیب پر گزری اسے ہم برسوں تک بھلا نہ سکے۔



کہ ہم اگر کوئی بات ایک دوسرے سے کہتے تو وہ بات ہمیں سنائی نہ دیتی۔ اور پھر اچانک ایک بہت بڑی چگا دوڑ نے اورنگ زیب کو اٹھالیا۔ حملہ کر کے اور وہ اڑتا ہوا ایک طرف کوچلا۔ یہ دیکھتے ہوئے میں بھی اس کے پیچھے دوڑا۔ وہ چگا دوڑ ایک کھنڈر نما عمارت کے اندر داخل ہو گیا۔ اس چگا دوڑ نے اورنگ زیب کو چھوڑ دیا اور وہ فرش پر آ رہا۔ اس دوران اسے محسوس ہوا کہ فرش پر گرنے سے پہلے کسی نے اسے تھام لیا ہو۔ بلاشبہ یہ شبیہ مدد تھی۔ کیوں کہ اسے کوئی چوٹ نہیں آئی تھی۔ بندوق اب بھی اورنگ زیب کے ہاتھ میں تھی۔ میں بھی دوڑتا ہوا اس کے قریب جا کھڑا ہوا۔

سانے والا منظر چونکا دینے والا تھا جس نے ہمیں لرز کر رکھ دیا۔ ہمارے سامنے وہی کالے کبل والا پر اسرار شخص کھڑا تھا مگر اب اس کا سرنگ تھا جو خوب چمک رہا تھا۔ اس کے گرد چہرے پر بھیانک پن موجود تھا۔ اس کی آنکھیں دیے کی طرح روشن تھیں۔ گو یہ دن تھا۔ اور روشنی بہت تیز تھی۔ اس شخص کے دونوں ہاتھوں پر ایک بچہ تھا جسے اس نے سر سے بلند کر کے اٹھایا ہوا تھا۔ اتنے میں وہ چگا دوڑ جس نے اورنگ زیب کو اٹھا کر یہاں یوں لا پھینکا جیسے کہ وہ دودھ پیتا کوئی بچہ ہو۔ ایک خوفناک عورت کا روپ دھار چکا تھا۔ جس کے منہ سے خوفناک قہقہے بلند ہو رہے تھے کہ اس کالے کبل والے شیطان نے اسے جھڑک دیا۔ اس شیطان کا چہرہ غضبناک ہو رہا تھا اور وہ ایسی نگاہوں سے ہمیں دیکھ رہا تھا جیسے وہ ہمیں زندہ نہ چھوڑے گا۔ ہمارے دل و دماغ بھی ان کی نگاہوں کے زیر اثر تھے اور پھر ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے اس نے بچے کو زمین پر پٹخ دیا۔ بچے کے منہ سے کربناک چیخیں بلند ہوئیں۔ لیکن جہاں بچہ گر تھا وہاں کافی گھاس اُگی ہوئی تھی۔ بچہ زخمی تو ہوا مگر مر نہیں اور پھر ہم نے دیکھا اس شیطان نے تین رتوں والا نیزہ لیا اور چاہتا تھا کہ وہ نیزہ بچے کے پیٹ میں گھونپ کر اس کا خاتمہ کر دے کہ اس کا نیزہ والا ہاتھ ہوائی میں معلق ہو کر رہ گیا۔

اسے اپنے معمول کے مطابق آتش وان کے سامنے بیٹھے ہوتا چاہیے تھا۔ میں نے چونک کر آتش وان کی طرف دیکھا۔ مانو وہاں نہیں تھی۔ کسی کو یاد نہیں تھا کہ اسے آخری بار کب دیکھا تھا۔ اس لیے میں اسے ان چبھوں پر تلاش کرنے لگا جہاں اس کے ملنے کی امید تھی۔ وہ اپنی نوکری میں نہیں تھی جہاں وہ عام طور پر صبح کے وقت بیٹھتی تھی۔ نہ ہی وہ گرم پانی کے حوض کے پاس تھی جو گھر کے اوپری حصے میں تھا۔ وہاں وہ اکثر دوپہر کے وقت آرام کرتی تھی۔ اس کے علاوہ بھی ایک دو مقامات تھے جہاں وہ دل کٹی تھی مگر وہ کہیں نہ ملی۔ بالآخر ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ وہ گھر میں بالکل بھی نہیں ہے۔ میری بیوی مجھے مشورہ دیتے ہوئے بولی۔ ”مجھے ڈر ہے کہ وہ کہیں باہر نہ چلی گئی ہو۔ تم اسے باہر جا کر تلاش کرو۔“ میں باہر گیا اور مانو کو پکارنے لگا۔

میں نے پورا باغ چھان مارا لیکن وہ وہاں بھی نہیں تھی۔ ہمارے اس علاقے میں تمام گھروں کے پیچھے ان کے اپنے باغ ہیں۔ یہ باغ ہر گھر کا علیحدہ نہیں ہے بلکہ ہر آٹھ یا دس گھروں کے پیچھے ایک مشترکہ باغ ہے۔ ہر گھر کے لیے ان کے سچے ایک دروازہ بنا ہوا ہے۔ اس کو دیکھنے سے یوں لگتا ہے جیسے یہ خود بخود آگ آیا ہو۔ ہمارے حصے کا باغ تقریباً ایک سو گز لمبا اور چالیس گز چوڑا ہے اور یہ اتنا بڑا ہے کہ ایک کالی ایرانی بلی اس میں آسانی سے چھپ سکتی ہے۔ میں نے اس میں ہر جھاڑی کے گرد چکر لگایا اور بلی کو مخصوص آواز میں پکارا لیکن کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ جب میں مایوس ہو کر پلٹنے ہی والا تھا کہ میں نے مانو کو باغ کی بیرونی دیوار کے اوپر بیٹھے ہوئے دیکھا۔ یہ دیوار باغ کو سڑک سے الگ کرتی ہے۔

میں نے قریب جا کر اسے دبوچنے کی کوشش کی لیکن جونہی میں نے ہاتھ بڑھایا وہ دیوار کی دوسری طرف سڑک پر کود گئی۔ وہاں سے وہ سڑک کے اس پار گئی اور ایک گھر کے قریبی گیٹ کی سلاخوں کے اندر سے اگلے مرکزی باغ میں گھس گئی۔ میں نے کچھ دیر سوچا اور پھر

خود بھی دیوار پر چڑھ کر دوسری طرف سڑک پر کود گیا۔ دوسرے باغ میں جانے کے لیے میں اس بلی کی طرف گیٹ کی سلاخوں سے اندر نہیں گھس سکتا تھا اس لیے مجھے ایک بار پھر دیوار پھلانگنا پڑی۔ جب تک میں نے یہ کیا تو وہ بڑے مزے سے میرا انتظار کرتی رہی اور پھر آگے چل پڑی۔ وہ اپنی دم اوپر اٹھائے پورے سکون سے ادھر ادھر گھوم رہی تھی۔ مجھے اُس پر اور اُس کے اس انداز پر بہت غصہ آ رہا تھا۔ میں اسے اس حرکت کا مزہ چکھانا چاہتا تھا لیکن چپ رہا کیونکہ میں گیٹ کو پھلانگنے کے دوران میں اس کے نوکیلے سر سے کی وجہ سے اپنی جیکٹ پھاڑ چکا تھا۔

وہ مجھے باغ میں گھماتی رہی۔ ایک درخت سے دوسرے درخت پر کودتی رہی۔ پھر وہ دائیں طرف سڑک ایک گھر کے ذاتی باغچے میں گھس گئی۔ خوش قسمتی سے اس باغ کا گیٹ کھلا ہوا تھا اور مجھے اس پر چڑھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ یہ گھر مکمل طور پر تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا لیکن جب میں لان کے وسط میں پہنچا تو گراؤنڈ فلور کے ایک کمرے میں اچانک روشنی ہو گئی۔ اس میں فرانسیسی طرز کی کھڑکیاں تھیں جن پر پردے پڑے ہوئے تھے۔

اچانک روشنی ہونے سے بلی ٹھٹک کر اپنی جگہ رک گئی اور مجھے اسے دبوچنے کا موقع مل گیا۔ یہاں تک تو سب ٹھیک تھا لیکن جب میں بلی کو اٹھا کر پلٹ رہا تھا تو اچانک اس کھڑکی کا پردہ ہٹا اور ایک بوڑھا آدمی نظر آیا۔ میں بالکل ساکت کھڑا رہا اور مانو کو اسے سامنے کر لیا۔ وہ بوڑھا بہت کمزور نظر آ رہا تھا۔ اس کی حالت زیادہ اچھی نظر نہیں آ رہی تھی۔ اس نے گہرے نیلے رنگ کا ڈرائیگ گاؤن پہن رکھا تھا۔ اس کے بازو پر ایک سفید کپڑا لٹکا ہوا تھا جو میں بالکل نہیں دیکھ پایا کہ وہ کیا ہے، لیکن یہ ایک جھوٹے لیے کی طرح لگ رہا تھا۔

اس نے کچھ دیر باہر جھانکا اور پھر بولٹ کھینچ کر کھڑکی کھول دی۔ وہ باہر نکل کر کھڑا ہو گیا۔ میں نے سمجھا، وہ اب مجھے یقیناً دیکھ لے گا۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔

ایک منٹ کے بعد وہ پھر سے کمرے میں چلا گیا اور میری کھڑکی پر کھڑے ہو کر روٹھ گیا۔ کیونکہ وہاں ایک بہت بڑی بوڑھی آ رہی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کسی چیز کو کھانے کے لیے استعمال ہوتی ہو۔ وہاں استری کو گرم کرنے کے لیے ٹیس کی ایک ٹیھی، سلاخی مشین، اور اس طرح کی کچھ اور چیزیں بھی نظر آ رہی تھیں۔ میں نے اس کا کوئی خاص خیال نہیں کیا۔ جب بوڑھا لکھنے میں مصروف تھا، میں بلی کو اٹھا کر وہاں سے چلا آیا۔

☆.....☆.....☆

جب میں مانو کو لے کر گھر واپس پہنچا تو میری بیوی بستر میں جا چکی تھی۔ میں نے اسے اپنی بلی کی تلاش اور بوڑھے کے متعلق بتایا تو اس نے حیران ہو کر اس گھر کے متعلق پوچھا۔ میں اس گھر کا نمبر تو جان نہیں پایا تھا کیونکہ باغ گھر کی عقبی سمت تھا اور وہاں کوئی نمبر لکھا ہوا نہیں تھا۔ لیکن میں نے اندازہ لگایا کہ یہ کہاں ہو سکتا ہے۔ میری بات سن کر وہ بولی۔ ”مجھے لگتا ہے کہ میں اس بوڑھے آدمی کو جانتی ہوں۔ وہ عام طور پر کرسی بچھا کر گھر کے باہر بیٹھا ہوتا ہے۔ اس کی حالت سے لگتا ہے کہ اسے دمہ یا ایسی قسم کی کوئی اور بیماری ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں اس کی مدد کرنا چاہیے۔“

بلی فون کرنے کی کوشش کرنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا کیونکہ ہمیں سڑک پر موجود لوگوں کے نام یا ان کا فون نمبر معلوم نہیں تھا، اس لیے ظاہر ہے کہ اس کے سوا کوئی اور چارہ نہیں تھا کہ واپس جا کر دیکھا جائے کہ وہ بوڑھا کیا کر رہا ہے۔ آپ یہ نہ سوچیں کہ ہم اپنی زندگی ایسے ہی اچھے کاموں میں گزارتے ہیں، لیکن ایک بیمار بوڑھے کو مدد کے بغیر چھوڑنا گوارہ نہیں تھا۔ اس لیے چارونا چار میں یہ تمام دیواریں اور جھگے ایک بار پھر پھلانگتا ہوا اس بوڑھے کے باغ میں پہنچ گیا۔ کھڑکی بند ہو چکی تھی لیکن روشنی مل رہی تھی اور میں اندر دیکھ سکتا تھا۔

بوڑھا ابھی تک میز پر بیٹھا تھا۔ مجھے اس کا چہرہ

ان سے شادی نہ کریں!!

ایک عرب دانے اپنے بیٹوں کو نصیحت کی کہ 7 قسم کی عورتوں سے کبھی شادی مت کرنا خواہ وہ حسن و جمال اور مال و دولت میں بے مثال ہی کیوں نہ ہوں، کیونکہ ان میں سے کسی کے ساتھ شادی کرنے کے بعد ساری زندگی پیچھے ہٹاوا ہی رہے گا۔ وہ سات عورتیں یہ ہیں۔

انسانہ، منانہ، کسانہ، حنانہ، حدائقہ، براقہ اور شداقہ

1- **انسانہ**۔ وہ عورت جو ہر وقت سر پر پٹی باندھے رکھے، کیونکہ شکر و شکایت ہی ہمیشہ اس کا معمول ہوگا۔

2- **منانہ**۔ وہ عورت جو ہر وقت مرد پر احسان جتاتی رہے کہ میں نے تیرے ساتھ یہ احسان کیا اور تجھ سے تو مجھے کچھ حاصل نہیں ہوا۔

3- **کسانہ**۔ وہ عورت جو ہمیشہ ماضی کو یاد کرے کہ فلاں وقت میں میرے پاس یہ تھا وہ تھا۔

4- **حنانہ**۔ وہ عورت جو ہر وقت اپنے سابقہ خاوند کو ہی یاد کرتی رہے اور کہے کہ وہ تو بڑا اچھا مگر تم ویسے نہیں ہو۔

5- **حدائقہ**۔ وہ عورت جو خاوند سے ہر وقت فرمائش ہی کرتی رہے جو چیز بھی دیکھے اس کی طلبگار ہو جائے۔

6- **براقہ**۔ وہ عورت جو ہر وقت اپنی چمک دھمک میں ہی لگی رہے۔

7- **شداقہ**۔ وہ عورت جو تیز زبان ہو اور ہر وقت باتیں بنانا ہی اس کا کام ہو۔

نوٹ: یاد رہے کہ یہ خواتین کے نام نہیں بلکہ اوصاف ہیں۔

(ارمان ملک - ٹنڈو آدم)

نظر نہیں آ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اب اسے دیکھتے ہی میرے پورے جسم میں خوف کی ایک سرد لہر دوڑ گئی۔ میرے قدم اپنی جگہ جم کر رہ گئے۔ وہ اپنی جگہ کھڑا ایک "کوکلس کلاں" نظر آ رہا تھا۔

آپ شاید ان لوگوں کے متعلق جانتے ہوں۔ میں نے ان کی تصاویر دیکھی ہیں۔ کوکلس کلاں ایک شدت پسند اور قاتل تنظیم ہے جو 1915ء میں امریکہ میں بنائی گئی تھی۔ اس کا ہر ممبر اپنے چہرے پر لہبافید نقاب اوڑھتا تھا، جو سر سے ہوتا ہوا سینے سے نیچے تک لٹکتا تھا۔ اس نقاب میں دیکھنے کے لیے آنکھوں کی جگہ دو سوراخ ہوتے ہیں۔ یہ تنظیم ہر غیر مقامی شخص کے خلاف تھی اور جن جن کران کے خلاف کارروائی کرتی اور ان کی جان لے لیتی تھی۔

لیکن اس بوڑھے نے سر پر جو نقاب پہنا تھا وہ ہو بہو دیکھا تھا۔ یہ نیکی کا خلاف نظر آ رہا تھا اور اس میں آنکھوں کے لیے کوئی سوراخ نہیں تھا۔ میں سمجھ نہیں پایا کہ یہ بوڑھا کیا کھیل کھیل رہا ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس بوڑھے نے پائپ کو گیس کی انگلی سے اتار کر نیکی کے خلاف میں گھسا دیا اور اپنے ڈرائنگ گارڈن کے بٹن اور نیکی اچھی طرح بند کر دیے۔

یہ دیکھ کر میں گھبرا گیا اور جلدی سے آگے بڑھ کر کھڑکی کو کھینچ کر کھولا۔ اندر کمرے میں کودا اور نکرے کے غلاف کو اس بوڑھے کے سر سے گھسیٹ کر اتارا اور گیس کا والو بند کر دیا۔ بوڑھا لہرا کر زمین پر گر گیا۔ وہ بے ہوش ہو چکا تھا لیکن ابھی زندہ تھا۔ اس کے چہرے کا رنگ کالا پڑ رہا تھا۔ میرے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ میرے پاس اب صرف اس کا ایک ہی علاج تھا۔ اسے کسی طرح بھی تازہ ہوا پہنچانا ہوگی۔ اس لیے میں نے اسے گھسیٹ کر کھڑکی کے راستے سے باہر باغ میں نکالا اور زمین پر لٹا دیا۔ میز پر ایک کانڈ پڑا تھا جس میں کسی ڈاکٹر کو مخاطب کیا گیا تھا۔ مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کروں۔

پورا گھر تاریکی اور خاموشی میں ڈوبا ہوا تھا۔

یوں لگتا تھا جیسے اس گھر میں بوڑھے کے سوا کوئی اور نہیں ہے۔ میرے ہاتھ پاؤں پھول رہے تھے۔ بوڑھے نے خود کشی کی کوشش کی تھی اور اسے بچانا بہت ضروری تھا۔ کچھ سوچ کر میں گھر کے اندر کی طرف بھاگا تاکہ کہیں سے کوئی مدد حاصل کر سکوں۔ میں جانتا تھا کہ اگر یہ وقت ضائع ہو گیا تو بوڑھے کی جان بھی جاسکتی ہے۔

گھر کے اندر کسی شخص کی موجودگی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ میں نے کئی بار بلند آواز میں پکارا لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ جب میں مایوس ہو کر پلٹنے ہی والا تھا کہ اچانک مجھے سیڑھیوں کے اوپر کسی کمرے کا دروازہ کھلنے اور سرگوشیوں کی آواز سنائی دی۔ میں نے فوراً دوبارہ پکارا مگر کسی نے جواب نہ دیا۔ میں نے اس کے بعد بھی کئی بار پکارا مگر جب کوئی جواب نہ ملا تو مجھے غصہ آنے لگا۔ میں نے چلا کر کہا۔ "جو کوئی بھی ہے فوراً نیچے آؤ۔ وہ بوڑھا مر جائے گا۔"

میری اس بات کا فوری اثر ہوا اور سیڑھیوں پر دو ادھیر عمر خواتین نمودار ہوئیں۔ وہ عجیب سے جلیے میں تھیں۔ ان کے چہروں پر گھبراہٹ کے آثار تھے۔ دونوں بظاہر شکل و شبہت کے اعتبار سے بہترین نظر آ رہی تھیں۔ انہیں دیکھتے ہی میں نے سکون کی ایک گہری سانس لی اور وضاحت کرنے لگا کہ میں کون ہوں اور ان کو اس وقت کیوں پکار رہا ہوں۔ جب میں نے انہیں بتایا کہ بوڑھے نے کیسے اپنے آپ کو مارنے کی کوشش کی ہے تو دونوں ایک دم ایک ساتھ چلا اٹھیں۔ "اوہ میرے خدا!..... وہ ہمارے والد ہیں۔ وہ ایسا کئی بار پہلے بھی کر چکے ہیں۔" ان کی بات سن کر میں چونک اٹھا۔ "اس کا کیا مطلب ہے کہ وہ پہلے بھی کئی بار ایسا کر چکے ہیں۔ یہ کوئی ایسی چیز نہیں جسے لوگ شوقیہ کرتے ہیں۔"

میری بات کا جواب دینے کی بجائے دونوں تیزی سے سیڑھیوں سے نیچے اتریں اور لپک کر میرے ساتھ وہاں پہنچیں جہاں بوڑھا بے ہوش پڑا تھا۔ اسے دیکھتے ہی وہ دونوں ہلک پڑیں۔ ایک بولی۔ "ہمارے والد بہت بوڑھے ہیں اور مایوس لیا کا شکار ہیں۔ جب بھی ان پر اس کا دورہ پڑتا ہے تو وہ اسی طرح خود کشی

کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔" ہماری کوشش ہوتی ہے کہ وہ ایسا نہ کریں۔ لیکن وہ مومن تلاش کر ہی لیتے ہیں۔ ہم انہیں کمرے میں بند بھی نہیں رکھ سکتے۔ اس لیے جب ان پر پورے پڑتا ہے تو وہ اس کمرے میں آتے ہیں اور ڈاکٹر کو بلا لیتے ہیں۔ ایسے کئی خطوط ہمارے پاس محفوظ ہیں۔ پھر وہ یہ سارا عمل کرتے ہیں، پہلے نیکی کا غلاف سر پر ڈھاتے ہیں اور گیس آن کر دیتے ہیں۔

"اگر یہ ایسا کئی بار کر چکے ہیں تو پھر..... یہ ہر بار کیسے جاتے ہیں۔ آج تو اتفاقاً میں ان کی مدد کو آ گیا۔ پہلے کیا ہوتا ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"ہم سونے سے پہلے ہمیشہ گیس کا مین کنکشن بند کر دیتے ہیں کیونکہ ہمیں انہی حالات کا خدشہ رہتا ہے۔ پہلی عورت نے جواب دیا۔ "پائپ میں اتنی گیس ضرور رہ جاتی ہے جس سے یہ نیم بے ہوش ہو جاتے ہیں۔ پھر جا کر اپنے بستر پر گر جاتے ہیں۔ صبح بیدار ہونے پر وہ سب کچھ بھول چکے ہوتے ہیں۔"

مجھے ان دونوں عورتوں کی باتیں سن کر ان پر شدید غصہ آ رہا تھا۔ اتنا شدید کہ اپنے غصے کے اظہار کے لیے مجھے مناسب الفاظ نہیں مل رہے تھے۔ میں نے انہیں خبردار ضرور کیا کہ ان کا یہ فعل قانوناً جرم ہے اور اس کی وجہ سے انہیں سزا بھی ہو سکتی ہے۔ میری یہ بات سن کر وہ دونوں بھڑک اٹھیں۔ "یہ ہمارا ذاتی مسئلہ ہے۔ کسی کو اس میں دخل دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

جب میں نے ڈاکٹر کو بلانے اور مریض کا معائنہ کروانے کا مشورہ دیا تو انہوں نے اسے بھی ماننے سے انکار کر دیا۔ اسی دوران میں یوں محسوس ہوا کہ بوڑھا ہوش میں آ رہا ہے۔ اس کا جسم ہولے ہولے کانپنا شروع ہو گیا تھا۔ لیکن میرا خیال تھا کہ ابھی اسے تازہ ہوا میں مزید کچھ دیر رہنے کی ضرورت ہے۔ چونکہ باہر کی فضا سرد تھی اس لیے ایک عورت نے مونا ٹیکل لا کر اس کے جسم پر ڈال دیا۔

اسی وقت مجھے خیال آیا کہ بوڑھے کے جسم کو

حرارت پہنچانے کے لیے ریڈیائی گرم پانی کی بوتل استعمال کرنی چاہیے۔ ایک عورت اٹھی اور جا کر بوتل لے آئی۔ اب اس میں گرم پانی ڈالنا تھا اور پانی گرم کرنے کے لیے گیس کو آن کرنا ضروری تھا۔ پانی امانت کے لیے میں نے ریڈیائی ٹیب واپس گیس کے کنکشن کے ساتھ جوڑ دی۔ یہ دیکھنے کے لیے کہ آیا کنکشن صحیح کام کر رہا ہے۔ اس کے والو کو کئی دفعہ آن اور آف کیا۔ بوڑھے کی بیٹی کے بیان کے مطابق کنکشن مین لائن سے بند تھا اس لیے اس میں کوئی گیس نہیں ہونی چاہیے مگر مجھے گیس کی بو محسوس ہو رہی تھی۔

میں حیران تھا کہ اگر گیس کا کنکشن بند ہے تو پھر گیس کی بو کہاں سے آ رہی ہے؟ میں نے دونوں عورتوں کی طرف دیکھا اور پھر حیرت سے پوچھا۔ "محسوس ہوتا ہے کہ آپ کے گھر گیس کا پٹر بہت زیادہ آتا ہے۔" یہ کہتے ہوئے میں نے دوبارہ کنکشن کو آن کیا۔ پورے کمرے میں گیس کی تیز آواز اور پھیل گئی۔

ایک عورت نے دوسری کی طرف دیکھتے ہوئے حیرت سے پوچھا۔ "اگّا تھا!..... کیا تمہیں یقین ہے کہ تم نے گیس کا کنکشن مین لائن سے بند کر دیا تھا۔"

اگّا تھا بولی۔ "میں نے یقینی طور پر بند کر دیا تھا۔" اس کے بعد دونوں عورتیں ایک دوسرے سے بحث کرنے لگیں۔ یہ حالت دیکھ کر میں نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔ "لڑنے کی ضرورت نہیں۔ ہم جا کر گیس کی مین لائن چیک کر لیتے ہیں۔ دونوں میری بات مان گئیں اور وہ مجھے ساتھ لے کر گیراج میں پہنچ گئیں جہاں گیس کا مین کنکشن موجود تھا۔ یہیں وہ سوچ رہی تھیں کہ گیس کو آن آف کرنے کے کام آتا تھا۔ جو بھی اس سوچ پر نظر پڑی تو ہم تین ہی اپنی جگہ جم کر رہ گئے۔ سوچ آ رہا تھا۔

A. J. ALAN کی کہانی سے اخذ۔



اثر اثر شمس

میری ایک جاننے والی خاتون نے بتایا تھا کہ قبرستان کے قریب جو میری کا درخت ہے۔ اس کے نیچے بلاناغہ ایک ہفتہ مغرب کی نماز ادا کرنے سے دل میں جو منت مراد ہو اللہ کے حکم سے پوری ہوتی ہے۔

حرم دلاچ کی ایک عجیب و غریب ذہن پر نقش ہونے والی پرائر اور سبق آموز کہانی



چھوڑا تھا۔ جہاں میں نہ گئی ہوں۔ پہلے پہل تو اصغر بھی مجھے بہت شوق سے لے کر جاتے تھے مگر پھر آہستہ آہستہ وہ بھی میری طرح تھک گئے۔ اب جو میں کہیں جانے کا خیال ظاہر کرتی تو وہ مجھے بری طرح ڈانٹ دیتے۔ کہتے اولاد ہونی ہوئی تو ہو جائے گی۔ اللہ کے ساتھ کوئی زور نہیں۔ خواہ خواہ کیوں اپنا وقت اور پیسہ برباد کروں اس چیز کیلئے جس میں کسی انسان کا کوئی بس نہیں۔ کہتے تو وہ ٹھیک تھے مگر یہ بات میری ساس کو کہاں سمجھ میں آتی تھی۔ وہ جب اصغر سے کہتی دوسری شادی کرلو۔ میرا دل مٹھی میں آ جاتا۔ ان کا جواب سننے کیلئے میں سانس تک روک لیتی۔ اور ان کا جواب ہمیشہ ایک ہی ہوتا۔ آپ جانتی ہیں۔ پروین بالکل ٹھیک ہے۔ مجھ میں تھوڑا بہت مسئلہ ہے۔ ارے میرے بچے میرے بھولے۔ وہ تو ٹھیک ہو گیا تھا۔ امریکا والے ڈاکٹر (ڈاکٹر) کی دوا سے۔ اماں ہاتھ لہراتے ہوئے یاد دلاتیں۔ اصغر سر جھٹک کر اٹھ جاتے۔ میرے لمبوں پر خفیف سی مسکراہٹ پھیل جاتی۔ ابھی کچھ دن پہلے ہی مجھے ایک جاننے والی خاتون نے بتایا تھا کہ قبرستان کے قریب جو میری کا درخت ہے۔ اس کے نیچے بلاناغہ ایک ہفتہ مغرب کی نماز ادا کرنے سے دل میں جو منت مراد ہو اللہ کے حکم سے پوری ہوتی ہے۔

میں نے ایک نظر چاروں طرف دیکھا ہر طرف سوکا عالم تھا۔ جیسے ہی میں نے نماز کی نیت باندھی۔ مجھے یوں لگا جیسے بہت سے لوگ میرے ارد گرد ناچ رہے ہوں۔ میں نے ہڑکتے دل کے ساتھ سلام پھیرا۔ ایک لمحے کو میرا دل چاہا میں یہاں سے بھاگ جاؤں۔ ڈر کے مارے میری کینٹینوں سے پیسے نکل رہے تھے۔ اللہ اللہ کر کے نماز مکمل کی تو چاروں گودن کے قریب مضبوطی سے پکڑے۔ پتا چھپے مڑ کر دیکھے میں نے گھر کی جانب دوڑ لگا دی۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے سارے قبرستان کے مردے قبروں سے نکل کر میرے پیچھے بھاگ رہے ہوں۔ میری رفتار تیز سے تیز ہوتی جا رہی تھی۔ گھر کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی میں بے سدھ ہو کر گر پڑی۔ میری شادی کو چھ برس ہو گئے تھے۔ مگر ابھی تک میں اولاد جیسی نعمت سے محروم تھی۔ ساس نندوں کے طعنوں سے تنگ آ کر میں نے الگ گھر کا مطالبہ کیا تو ہمبر پلا۔ کس کے ساتھ الگ رہو گی۔ میں تو اپنی ماں کو نہیں چھوڑوں گا۔ میں دل مسوں کر رہ گئی۔ شادی کا صرف ایک سال ہی خوشگوار گزرا تھا۔ اللہ جانتا ہے۔ گزشتہ پانچ سال سے میں کس اذیت کا شکار ہوں۔ دنیا کا کوئی بھر فقیر کوئی ڈاکٹر حکیم دربار نہیں

اور تھامے تو کمرے قریب ہے۔ قبرستان۔ پیدل جاؤ تو
نہی بس پندرہ بیس منٹ ہی لگتے ہیں۔ آپ کی بات
بالکل ٹھیک ہے۔ باقی میں گھر میں کیا کہوں۔ چلو صفر
کی تو خبر ہے۔ وہ تو گھر آتا ہی دیر سے ہے۔ مغرب کے
کہیں بعد۔ باقی میری سہا کو تو تم جانتی ہو۔ میں نے
صفر سے لے کر کہا تو وہ بھی تاسف سے سر ہلانے لگی۔
رمضان المبارک کی آمد آمد تھی۔ کل میری بڑی
بند کا فون آیا۔ وہ چاہتی تھی کہ رمضان المبارک کے
سارے روزے لال ان کے پاس رکھیں۔ لال تو پہلے ہی
تیار تھی تھی۔ جھٹ کپڑے اکٹھے کیے۔ بیک کدے پر
رکھا اور صفر سے کہنے لگی۔ مجھے چھوڑ آؤ۔
صفر نے مجھ کو کہا لال بیٹے کے ہوتے ہوئے
اجنباز تو ہی لگتا ہے کہ آپ یہ بابرکت مہینہ کی اور کے گھر
گزر دیا۔ میں نے گھر کو صفر کی طرف دیکھا تو انہوں
نے گزریا کر لال کا بیک تمام لیا۔

اے بیٹا روزے تو مجھے پرے گھر میں ہی
رکھنے کا حزمہ آتا ہے۔ روزہ رکھ کر خالی مکانات میں سارا دن
دواریں کھینچتے رہنے سے بہتر ہے بندہ روزہ ہی نہ
رکھے۔ مجھے چھوڑ آگے تو بہتر ہے۔ دن میں شاہد سے کہوں
گی اپنے بچے کو بھیج دے۔ مجھے لے جائے۔ لال ٹھیرے
نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے تھی لہجے میں بولی۔
چلیں۔

صفر نے لال کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔
لال آپ کے بغیر میرا دل نہیں لگے گا۔ میں نے
آگے بڑھ کر لال کی جی کے گلے لگتے ہوئے اپنے نادیدہ
آنسوؤں صاف کرتے ہوئے کہا۔

جانے دو بھئی یہ ڈرامے دل میں تو لہو پھوٹ
رہے ہو گئے کہ جان چوٹی بڑھی سے۔ وہ مجھے خود سے
الگ کرتے ہوئے بے تاثر لہجے میں بولی۔

میں چپکے سے پیچھے ہٹ گئی۔ صفر نے لال کو
گازی میں تھام لیا۔ اور اس کی سے گاڑی آگے بڑھائی۔
میں نے لال کو ہاتھ ہلاتے ہوئے روزانہ بند کیا
اور پھیل کر طرح اچھلتی لگی۔ اپنا آپ ایک دم آزاد آداسا

محسوس ہو رہا تھا۔ بالکل ایسے لگ رہا تھا جیسے عمر قید کے
قیدی کو اچانک سے معزانی طور پر رہائی مل جائے۔
میں نے حساب لگایا رمضان المبارک شروع
ہونے میں ابھی 8,9 دن باقی تھے۔ یعنی میں آرام سے
رمضان المبارک سے پہلے پہلے ہی کام کر سکتی تھی۔ اس کے دن
مغرب کی اذان سے کچھ دیر پہلے ہی میں وضو کر کے قبرستان
کی طرف چل پڑی۔ جاتے ہوئے جتنی مسرت محسوس ہو
رہی تھی آتے ہوئے اتنا ہی خوف سے برا حال تھا۔

دروازے کا پٹ ہو لے سے کھلا۔ میں جی جان
سے لرز گئی۔ صفر گھر میں داخل ہوا۔ تم یہاں کیوں بیٹھی
ہو۔ وہ مجھے دروازے کے قریب بٹھال سا بیٹھا دیکھ کر
حیرانی سے پوچھنے لگا۔ چیچ چکر آ گیا تھا۔ میں نے ہلکاتے
ہوئے کہا۔ ابھی تو رمضان المبارک شروع نہیں ہوا۔
تمہیں پہلے چکر آنے لگے۔ وہ ہنستے ہوئے بولا اور ہاتھ
بڑھا کر مجھے ہڑا کیا۔

کھانا پکاتے ہوئے کھاتے ہوئے۔ میں اسی
کیفیت میں گم رہی۔ دو تین بار صفر نے ٹوکا بھی مجھے۔ مگر
میرے ذہن میں بار بار ایک ہی منظر چل رہا تھا۔

ساری رات میں نے خود سے یہ وعدہ کیا کہ صبح
نہیں جاؤں گی۔ اگر نصیب میں ہوئی تو ہو جائے گی
اولاد۔ میں قبرستان میں اسی میری کے درخت کے پاس جا
کر نماز نہیں پڑھوں گی۔

صبح کا سورج نکلتے ہی سب ڈر خوف ختم ہو گیا مجھے
اور خود سے کئے وعدے بھی۔
یاد تھا تو بس اتنا کہ مجھے ہر حال میں نماز پڑھنے
جانا ہے۔

اللہ اللہ کر کے ہفتہ پورا ہوا۔ میں نے سکھ کی
سانس لی۔ رمضان المبارک شروع ہو گیا تھا۔ غالباً نوواں
یا سوواں روزہ تھا۔ جب افطاری کے بعد میں جائے بنانے
کیلئے اٹھی تو چکر کر گر پڑی۔ صفر فوراً مجھے ہاسپٹل لے
گئے۔ ہسپتال والوں نے جو خبر دی۔ اسے سننے کیلئے ایک
مدت سے میرے کان ترس رہے تھے۔ صفر بہت خوش
تھا۔ لال خبر سننے ہی دوڑی چلی آئی۔ لال نے آتے ہی

ہر امداد دیا۔ ہر امداد دیا۔ میں حیرانی سے لال کا یہ
واپس دیکھ رہی تھی۔ اتنا واداری صدقے تو وہ شادی کے
روزوں میں بھی نہیں ہوئی تھی۔ جتنا اب ہو رہی تھی۔
میں نے بھی لال بیٹے سے خوب نخرے اٹھوائے۔

میں نے بھی لال کا سناواں مہینہ چل رہا تھا کہ اچانک
پہلیس کا سناواں بھاگ بھاگ مجھے ہسپتال
میری طبیعت خراب ہو گئی۔ صفر بھاگ بھاگ مجھے ہسپتال
لے گئے۔ جب مجھے ہوش آیا تو گلانی کبل میں لپٹی ایک
بچی میرے پہلو میں لپٹی ہوئی تھی۔ میں نے محبت پاش
کئی کئی بار اس کی طرف دیکھا۔ صفر اور لال کمرے
نظروں سے اس کی سواں بھی پورے نہیں ہوئے
میں داخل ہوئے۔ ابھی تو سات بھی پورے نہیں ہوئے
تھے۔ میں نے متفکر نظروں سے صفر کی طرف دیکھتے
ہوئے نقاب زدہ لہجے میں کہا۔ تمہاری حالت بہت بری
تھی۔ ڈاکٹر کا کہنا تھا۔ جتنی جلدی آپریشن ہو جائے اچھا
ہے۔ ورنہ تمہاری جان کو خطرہ ہو سکتا تھا۔ صفر نے بچی کو
محبت سے گود میں اٹھاتے ہوئے کہا۔ لال یہ ٹھیک تو ہے؟
کوئی مسئلہ تو نہیں۔ ارے بالکل ٹھیک ہے۔ دیکھو
اللہ سے پورے دنوں کی پیدائش لگتی ہے۔ لال نے
بچی کے گلانی گلانی گال چھوتے ہوئے محبت بھرے لہجے
میں کہا تو میں بھی مسکرا دی۔

ہسپتال سے تیسرے روز ہمیں چھٹی مل گئی۔ لال
نے پورے محلے میں منھائی باغی تھی۔ میں نے اس کا نام
مت رکھا تھا۔ حیرت کی بات یہی تھی لال نے مجھے کچھ نہیں
کہا۔ بلکہ خوش دلی سے نام کو پسند کیا۔ حالانکہ وہ کہتی تھی۔
بچے کا نام میں اپنے مرحوم والدین کے نام پر رکھوں گی۔
اگر بیٹا ہو تو غلام مصطفیٰ بیٹی ہوئی تو سکینہ۔

وہ تو ہر دقت پونی کو گود میں اٹھائے رکھتی۔ پونی
کی محبت میں نماز بھی بھولی ہوئی تھی۔

سوا مہینہ ہوتے ہی میں نے نہا جھو کر نماز ادا کی اور
شکرانے کے لٹل بھی۔ دل تو میرا چاہ رہا تھا کہ اسی میری
کے درخت کے نیچے جا کر شکرانے کے نواہل ادا کروں مگر
لال کی بوجھ سے میں چپ ہو گئی۔

میں نے نماز پڑھ کر دعا مانگی۔ اور جا کر بچی کے
جرے پر پھونک مادی۔ وہ ایک دم ہڑا کر رونے لگی۔

لال تیزی سے کمرے میں آئی۔ انہوں نے بچی کو سینے
سے لگا کر تھپکا تو کچھ دیر بعد وہ بھر سو گئی۔
کیا، کیا تھام نے جہنم اتار دی۔ لال منت کو
بیٹھ پر لیٹا تے ہوئے غصے سے بولی۔ کچھ نہیں۔ میں نے
لفٹی میں سر ہلایا۔ اور وارڈ روم سے صفر کے کپڑے نکال
کر استری کرنے لگی۔ جو اسے صبح آفس جاتے ہوئے
پہنتے تھے۔

رات کا جانے کو نہا پھر تھا جب مجھے منت کے
رونے کی آواز آئی۔ کچھ دیر میں ڈھپ بنے آنکھیں
موندنے لگیں رہی۔ مگر جب آواز تیز ہو گئی تو میں تیزی سے
اٹھ کر بیٹھ گئی۔ تاکہ منت کو دردہ بلا سکوں۔ میں نے جیسے
ہی منت کو اٹھانے کیلئے قریب رکھے کاٹ کی طرف ہاتھ
بڑھائے۔ مجھے حیرت کا شدید جھکا لگا۔ منت پر سکون
انداز میں سو رہی تھی۔ تو پھر روکون رہا ہے؟ میں نے گزبوا
کر ادھر ادھر دیکھا۔ صفر آرام سے چار پائی پر لیٹے خواب
خرگوش کے مزے لے رہے تھے۔ رونے کی آواز مسلسل
بڑھتی جا رہی تھی۔ اور میرا دل سکڑتا جا رہا تھا۔ میں نے
صفر کو آواز دی جانی مگر میری آواز حلق میں ہی پھنس کر رہ
گئی۔ صفر منت کسمائی تو کیا یک روئے کی آواز بند ہو
گئی۔ میں خوف سے سانس بند کیے اور گرد دھکتی رہی۔

ساری رات میں نے کانٹوں پر گزاری۔ صبح اس
سے پہلے کہ میں کچھ کہتی۔ لال نے کہا۔ ساری رات بچی
روتی رہی ہے۔ جی ایک بل سکون سے سوئے نہیں دیا
ساری رات میں نہیں کرتی رہی ہے۔ صفر نے جائے کا
گھونٹ بھرتے ہوئے بیزار سے لہجے میں کہا۔ مجھے لگتا
ہے بچی ڈر گئی ہے۔ سنا نہیں رات کسی عجیب و غریب آواز
میں رو رہی تھی۔ لال نے منت کو تھپکایا دیتے ہوئے متفکر
لہجے میں کہا۔

مجھے تو لگتا ہے بچی کی ماں ڈر گئی ہے۔ صفر نے
ہنستے ہوئے کہا اور بیک اٹھائے آفس کیلئے نکل گیا۔ پیچھے
میں ہکا بکا سی دیکھتی رہ گئی۔

اس واقعے کو ابھی زیادہ دن نہیں ہوئے تھے کہ
میں ڈرائنگ روم میں بیٹھی کشتی کے کور پیچ کر رہی تھی کہ

کیا کہا پھر سے کہنا؟
جج جن مجھ میں نہیں منت میں ہیں۔ میں نے
تھوڑے ننگے ہوئے کہا۔ منت بارش میں بھیگی اماں کے
پیچھے چھپی سبک رہی تھی۔
اصغر نے منت کی طرف دیکھا اور اماں سے کہا
اسے لے جائیں۔
اماں منت کی انگلی پکڑے اسے لے گئی۔

کیوں کر رہی ہو ایسا۔ میں سمجھ سکتا ہوں۔ مجھے
احساس ہے کہ تم جان بوجھ کر یہ سب نہیں کرتی۔ مگر خدا را
اسے کچھ مت کہو۔ وہ ویسے ہی ہماری بیٹی ہے۔ جیسے احمد
اور عبداللہ ہمارے بیٹے ہیں۔ وہ ہماری بیٹی نہیں۔ میں نے
ہمت کر کے کہہ بی دیا۔ مطلب اصغر نے بے یقین نظروں
سے میری طرف دیکھا۔ مجھے اتنا سر پکراتا ہوا محسوس ہوا۔
میں سب بتانا چاہتی تھی اصغر کو مگر میری زبان انگوٹھی اور
میں چیختے ہوئے بیہوش ہو گئی۔

میں محن میں نہ تھی چوپ سینک رہی تھی۔ کیا چانک
بچوں کے رونے کی آواز آئی۔ میں دھڑک کر کمرے میں گئی۔
میں نے دیکھا پاس ہی منت کھڑی ہے اور
میرے دونوں بیٹے ہوا میں تلا بازیں کھا رہے ہیں۔ میں
بھوکی شیرنی کی طرح منت پر چیختی اور اسے پیٹ ڈالا۔
اماں نے آکر مجھ سے منت کو چھڑوایا۔ کیوں بیٹی کو مار رہی
ہے۔ پانگل ہو گئی ہو کیا؟ اماں غصے سے بولی۔

اماں میرے بیٹے دیکھے ذرا میں سسکی۔ وہ تو سو
رہے ہیں یہ دیکھو۔ میں یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئی۔ بچے
واقعی سکون سے سو رہے تھے۔ مجھے اپنے سر میں نہیں
اچھی محسوس ہوئی۔

اگلے دن اصغر نے مجھے تیار ہونے کو کہا۔ میرا
کبیس جانے کا ارادہ نہیں تھا۔ مگر اصغر کا بے لگ اور کھر درا
لہجہ دیکھ کر میں نے چپ چاپ برقع پہن لیا۔ تینوں بچے
گھر میں اماں کے پاس چھوڑ کر میں بے دلی سے اصغر کے
ساتھ چلی آئی۔ ہمیں سفر کرتے ہوئے تقریباً تین
ساڑھے تین گھنٹے ہو گئے تھے گاڑی کا پیہر ابھی برق
رفتاری سے چل رہا تھا۔ میں نے ایک نظر اصغر کے اسپاٹ

چہرے پر ڈالی اور پھر سے گاڑی کے شیشے سے ہاتھسے
مناظر دیکھنے لگی۔ تبھی میری نظر ایک فائبر اسٹار ہوٹل پر
پڑی۔ اصغر مجھے بہت بھوک لگی ہے۔ کھانا کھلاؤں میں پلٹ جائوں
میں نے منت بھرے لہجے میں کہا۔ اصغر نے ایک سر ہلایا
مجھ پر ڈالی اور گاڑی کی رفتار بڑھا دی۔ گاڑی ابھی چند گز
ہی چلی تھی کہ جھٹکے سے رک گئی۔ اصغر نے گھور کر میری
طرف دیکھا اور گاڑی سے نیچے اتر گئے۔ یونٹ کھول کر
کچھ دیر تک دیکھتے رہیں۔ پھر مجھے ہٹلے گئے کھانا
کھا کر واپس آ کے جیسے ہی اصغر نے گاڑی اسٹارٹ کی
حیرت انگیز طور پر گاڑی چل پڑی۔ اصغر نے عجیب سی
نظروں سے میری طرف دیکھا اور پھر نظریں دھڑا کر
پر جمائے ذرا ٹیوٹنگ کرنے لگا۔

گاڑی قدرے سنسان علاقے میں ایک
آستانے کے پاس جا کر رک گئی۔ بانس کے پلوں پر کھڑا
کیا گیا آستانہ جس کی چھت پرالی سے ڈھک کر بنائی گئی
تھی۔ میں اصغر کے پیچھے پیچھے آستانے میں داخل ہوئی۔
چوکر محن جس کے ایک طرف ٹانگا لگا ہوا تھا۔ چکی دیوار کے
ساتھ کھجور کی چٹائی پھیٹی ہوئی تھی۔

جہاں اکا دکا شخص بیٹھے تھے۔ ایک شخص جس نے
سبز رنگ کا چنڈ پہنا ہوا تھا۔ اصغر نے پاس جا کر اس سے
مصافحہ اور معافتہ کیا۔ اور پیر صاحب کی بابت دریافت
کرنے لگے۔ جواباً وہ شخص بولا بابو جی آپ نے آئے ہیں
دیر کردی۔ پیر صاحب تو ایران چلے گئے ہیں۔ اوہ اصغر
نے پریشانی سے پیشانی مسلتے ہوئے سیٹی کے انداز میں
ہونٹ سکیزے۔ ہم بہت دور سے آئے ہیں بابو جی۔ اصغر
نے افسردگی سے کہا۔ تو وہ بوڑھا شخص میری طرف دیکھنے
ہوئے بولا۔ ٹھیک ہے صاحب اگر دم کروانا ہے تو ہمارے
صاحب کے فرزند موجود ہیں۔ گو کہ وہ ابھی سکھ رہے
ہیں۔ مگر دم درد درد کر دیتے ہیں۔ اصغر نے گہری سانس لینے
حالی بھری۔ ٹھیک ہے بابو جی آپ بلا میں انہیں۔

کچھ ہی دیر بعد آستانے سے تھق گھر سے سیٹی
رنگ کے سوٹ میں ملبوس ایک درمیانے قد کا نوجوان لڑکا
باہر نکلا اس کے کندھوں پر پستہ رنگ کی چادر تھی۔ پاؤں

میں سیاہی لادری چپل پہنے وہ نوجوان متانت سے چلتا ہوا
آ۔ اور کھجور کی چٹائی پر بیٹھ گیا۔ اصغر نے آگے بڑھ کر
معافی کیا۔ اور اس کے سامنے بیٹھ گئے۔ میں بھی چپکے سے
اصغر کے برابر اس نوجوان کے سامنے بیٹھ گئی۔ اس نوجوان
کے چہرے پر ہلکی ہلکی داڑھی تھی اس نے آنکھیں بند کیں
اور منہ ہی منہ میں کچھ پڑھا۔ اور پھر آنکھیں کھول کر بولا
آپ کے تین بچے ہیں۔ ایک بیٹی دو بیٹے۔ جی جی
سائیں۔ اصغر نے اپنی حیرت پر قابو پاتے ہوئے تیزی
سے اثبات میں سر ہلایا۔ اپنی بیٹی کا نام مانده رکھو۔ جی جی
ٹھیک ہو گیا سائیں جو حکم اصغر نے سینے پر ہاتھ رکھتے
ہوئے تابعداری سے کہا۔

آپ کی گھر والی پر وزن ہے۔ کیا وزن؟ اصغر
نے ناچھی سے اس نوجوان کی طرف دیکھتے ہوئے
استفسار کیا۔ تمہارے گھر کے قریب قبرستان ہے۔
قبرستان میں موجود ہی۔۔۔۔۔

جی سائیں لیکن میری بیوی کبھی قبرستان نہیں گئی
۔ اصغر نے ان کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی مضبوط
لہجے میں کہا۔ لمحے بھر کو اس نوجوان کی آنکھیں سرخ
ہوئیں۔ اس نے دوبارہ آنکھیں بند کی منہ ہی منہ میں
کچھ پڑھا۔ اور شوں کر کے مجھ پر پھونک ماری۔ اس
سے پہلے کہ وہ نوجوان آنکھیں کھولتا میں نے ساری
حقیقت کھول کر بیان کر دی۔ اصغر حیرت سے میری طرف
دیکھتا رہ گیا۔ میں خود نہیں سمجھ پا رہی تھی کہ میں نے کیسے
سب کچھ بتادیا۔

دیکھو بی بی اگر تم اپنی منت بھول گئی ہو تو ہر جمعرات
کو بعد نماز مغرب کچھ میٹھا پکا کر اس بیری کے درخت کے
نیچے جا کر رکھ دینا۔ یہ عمل تب تک کرنا جب تک تمہاری بیٹی
بانگ نہیں ہو جاتی۔ جی۔۔۔ میں نے اثبات میں سر ہلایا۔
اصغر شکر یہ ادا کرتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ میں نے ہمت کر
کے اس نوجوان سے خواب بھی بیان کر دیا۔

دیکھو بی بی دراصل جو عمل تم نے کیا اس کے
بارے میں تمہارے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اس لئے جو بیری
کی شاخوں سے خون کے قطرے گر رہے تھے اصل میں وہ

مشکلات ہیں۔ جو تب تک آپ پر آتی رہیں گی۔ جب
تک آپ منت پوری نہیں کر لیتیں اور اس کے علاوہ حدود
خیرات کیا کریں۔ جی سلام۔ میں نے سلام کرتے ہوئے
اجازت چاہی۔ اصغر نے کچھ پیسے نوجوان کے پاس رکھے
اور ہم واپسی کیلئے روانہ ہو گئے۔

سارا راستہ خاموشی سے کیا۔ نہ اصغر کچھ بولا نہ
میں۔ رات گئے ہم گھر پہنچے۔

ساری رات گردش بدلتے گزر گئی۔ رات کے
پچھلے پہر میں نے وضو کر کے نوافل پڑھے اور بچوٹ
پھوٹ کر رو دی۔

یا اللہ تو میرے حال پر رحم فرما۔ مجھے اس مشکل
سے نکال۔ اگر اولاد جیسی نعمت دی ہے تو مجھے ان کی دیکھ
بھال کرنے کی بھی توفیق دے۔

گزر گزرا کر اللہ کے حضور دعا مانگ کر میں ہلکی پھلکی
ہوئی تھی۔

اگلے دن میں نے دیکھ بھر کر سفید چادروں کی میٹھی
کھیر بنائی اور بعد نماز مغرب بیری کے اس درخت کے
نیچے جا کر رکھ دی۔ شکرانے کے نفل پڑھے اور واپس آ گئی۔
منت کا نام بدل کر مانده رکھ دیا۔ اماں کو جب
سارے واقعے کا علم ہوا تو وہ بھی بہت خفا ہوئی۔ میں نے
اصغر اور اماں سے معافی مانگی۔

میں مانده کی منت ہر سال اتارتی ہوں۔ اس
بیری کے درخت کے نیچے نماز پڑھ کر کچھ ناکچھ میٹھا پکا کر
رکھاتی ہوں۔

بہت سا وقت گزر گیا ہے۔ الحمد للہ آج میرے
چھ بچے ہیں مگر منت عرف مانده جتنا حسین اور ذہین کوئی
نہیں۔ سب اس کی غیر معمولی ذہانت سے متاثر ہیں۔ یہ
بات میرے سوا کوئی نہیں جانتا کہ منت عرف مانده بیری
کے درخت پر رہائش پذیر جن کی بیٹی ہے۔ اصغر آج تک
سوچتا ہے کہ اگر پیر شاہ علی کا کوئی فرزند نہیں تھا تو ہم کس
سے ملے تھے؟



بلیک ڈیٹھ

نورین زہرہ شاہ جیونہ جھنگ

ہر طرف فرنگی یا ان کے جاسوس پھیلے ہوئے تھے پھر ان ہی دنوں مجھ میں بھی طاعون کی علامات ظاہر ہونے لگیں تو میں نے اپنے طور پر اپنا علاج خود کرنا شروع کر دیا۔ بلیک ڈیٹھ سے لوگ تیزی سے مر رہے تھے اور میں سب.....

دل و دماغ پر خوف و ہشت طاری کرتی اپنی نوعیت کی ایک انوکھی اچھوتی اور خطرناک کہانی



اگلے دن صبح کے وقت رامو مجھے لے کر پہاڑی پر واقع ایک قدیم لیکن خوب صورت بنگلہ میں آ گیا وہاں جا کر اس نے مجھے ایک فرنگی میم صاحب سے ملوایا جن کا نام جولیا ڈوسلا تھا ان کو اپنے چار سال کے بیٹے کے لئے ایک ایسے ملازم کی ضرورت تھی جو اس کے ساتھ ساتھ ہی رہتا اور اس کی نگرانی کرتا پہلی نظر میں ہی وہ میم صاحب مجھے بڑی مہربان لگیں تنخواہ اس زمانے کے حساب سے کافی مناسب تھی میم صاحب کا بچپن بھی زیادہ تر ہندوستان میں گزرا تھا کیونکہ ان کے والد بھی ایک اعلیٰ سرکاری عہدے دار تھے اور اس ہی سلسلہ میں ان کا کافی وقت یہاں گزرا تو ان کو کافی حد تک ہندی زبان آتی تھی میم صاحب نے مجھے کام سمجھا دیا اور وہاں سے رخصت ہوتے وقت کچھ روپے بھی عنایت کر دیئے گھر آ کر وہ میں نے ماں جی کو دیئے تو ماں جی بھی رامو اور گوری میم کو ہاتھ اٹھا کر دعائیں دیئے لگیں۔

مجھے میم صاحب جن کو سب میڈم جولی کہتے تھے کے گھر کام کرتے ہوئے پندرہ دن گزر گئے تھے اس عرصہ میں بہت کم ہی ان کے شوہر مسٹر فریڈرک سے سامنا ہوا تھا وہ اس علاقے کے فاریسٹ آفیسر درجہ اول تھے اس کے علاوہ وہ اکثر اپنے انگلستان

ذریعے مسلسل کھینچے پڑتے تھے اور یہ کام سینہ بہ سینہ اگلی نسلوں تک پہنچتا گیا یوں یہ لوگ اور ان کا طبقہ بچکے والا کہلانے لگے اور جب برصغیر میں بجلی پہنچ گئی تو ان ہی طبقے والوں نے بچکے کو چھوڑا انگریزوں کے اور دوسرے کام کرنے شروع کر دیئے اتنے عرصے تک کام کرنے کی وجہ سے انگریزوں کے لئے وہ کافی حد تک قابل اعتبار بھی ہو گئے تھے اس ہی لئے اب تک وہ ان کے گھریلو کام سنبھالے ہوئے تھے اور رامو بھی ایسے ہی خاندان کا حصہ تھا۔

میری والدہ اور چھوٹا بھائی میری نوکری کی خبر سن کر بہت خوش ہوئے میں خود تو زیادہ تعلیم حاصل نہیں کر سکا لیکن میرا چھوٹا بھائی پڑھائی میں بہت اچھا تھا اور میں اس کو بہترین تعلیم دلوانا چاہتا تھا لیکن یہاں گاؤں میں ان دنوں پرائمری سے زیادہ تعلیم نہیں تھی ان دنوں میرا چھوٹا بھائی چوتھی جماعت میں زیر تعلیم تھا لیکن میرے ایک رشتے کے ماموں جو شہر میں ایک سرکاری دفتر میں چیز اسی تھے انہوں نے کہا تھا کہ وہ میرے بھائی نعیم کو اپنے ساتھ لے جائیں گے اور اس کا اس ہی اسکول میں داخلہ کروائیں گے جہاں ان کے تینوں بیٹے تعلیم حاصل کر رہے تھے۔

سامان ڈھونڈنے کا کام یا کہیں کسی مکان کی تعمیر وغیرہ لیکن سردیوں میں مزدوری بہت مشکل ملتی ایسے ایک سرد موسم کی دوپہر میں ایک ٹیلے پر بیٹھا تھا کہ رامیشور عرف رامو مجھے ڈھونڈتا ہوا وہاں آ گیا اس کے پاس اس کی ماں کے ہاتھ کی بنی ہوئی آلو کی پوریاں تھیں جو وہ ایک کاغذ پر رکھے ہوئے تھا وہ زیادہ تر ایسا ہی کرتا جب بھی کوئی کھانے کی چیز اس کو ملتی وہ میرے لئے ضرور لیکر آتا اسی طرح اگر مجھے کچھ کھانے کو اچھی چیز ملتی میں اس کے لئے بھی رکھتا۔

وہ آتے ہی میرے خراب موڈ کو بہتر بنانے کیلئے ہلکی ہلکی باتیں کرنے لگا اس نے مجھے بتایا کہ اس نے میرے لئے ایک مستقل کام ڈھونڈ لیا ہے اور اب مجھے مزدوری کے لئے در بدر نہیں گھومنا پڑے گا اور کل ہی وہ مجھے کام پر لے جائے گا یہ کام اس کے پتا جی نے دلویا تھا۔

رامو کے پتا جی کی انگریزوں سے اچھی جان پہچان تھی کیونکہ وہ اس خاندان سے تعلق رکھتے تھے جو چوتھی پڑھی سے انگریزی سرکاری خدمت کر رہے تھے جب کئی سالوں پہلے بجلی برصغیر میں نہیں آئی تھی تو کمرے کے بیچوں بیچ جھالروالے بچکے ہاتھوں کے

یہ واقعہ میرے دادا کے دوست نے ان کو بتایا تھا میرے دادا جان اور ان کے دوست جن کا نام اللہ بخش تھا اب اس دنیا میں تو نہیں رہے اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے آمین لیکن یہ واقعہ میں راوی کی زبانی ہی بیان کرنا چاہتی ہوں تاکہ واقعات میں تسلسل برقرار رہے یہ واقعہ قیام پاکستان سے کچھ سال پہلے کا ہے انگریز سرکار کی یہاں بہت آمد و رفت تھی اکثر سرکاری عہدے پر فرنگیوں کا ہی قبضہ تھا میں ان دنوں بالکل نو عمر نو جوان تھا بمشکل چودہ پندرہ سال کا لیکن غربی کی وجہ سے اپنی عمر سے دو تین سال کم ہی نظر آتا تھا مجھے سے چھوٹا ایک بھائی تھا اور گھر میں ایک ماں میرے والد کا دو سال قبل انتقال ہوا تو مجھے گھر کی روزی روٹی کمانے کے لئے محنت مزدوری کرنی پڑی جبکہ والدہ گھر کے کام کاج کے علاوہ ایک گائے اور دو بکریوں کی دیکھ بھال کیا کرتیں گاؤں میں میرے کئی دوست تھے لیکن ایک دوست رامیشور بہت گہرا اور بچپن کا دوست تھا یہ وہ دور تھا کہ ابھی ہندو مسلم فاقو موموں میں نہیں چھوٹا تھا اور شملہ کے نزدیک یہ پہاڑوں سے گھرا ہوا گاؤں ابھی بھی امن و محبت کا گہوارہ تھا گرمیوں کے موسم میں مجھے کوئی نہ کوئی مزدوری جیسے کسی کے کھیتوں میں کام یا کسی کا

سے آئے ہوتے دوستوں کے ساتھ شکار کا پروگرام بھی بناتے رہتے ویسے وہ دوسرے انگریزوں سے کافی مختلف طبیعت کے مالک تھے وہ دوسرے فرنگیوں کی طرح مقامی لوگوں سے عداوت سے پیش نہ آتے اور نہ ہی ان کی طرح لے دیے رہتے اسی لئے ان کی میڈم جولی سے مثالی محبت تھی کیونکہ وہ دونوں ہم مزاج تھے میڈم جولی بھی بہت دوستانہ طبیعت رکھنے والی خاتون تھیں۔

مجھ سے ان کا رویہ بہت شفقت آمیز تھا جبکہ میں بھی اپنے فرائض میں کوتاہی نہیں کرتا تھا اور سایہ کی طرح ان کے بیٹے ڈینی کے ساتھ ساتھ رہتا۔ یہ ریست ہاؤس نمائندگان انہیں ترکے میں اپنے والد کی طرف سے ملا میڈم جولی کا ایک ہی بھائی تھا جو وہیں انگلستان میں اپنی بیوی اور بیٹی کے ساتھ رہتا تھا یہ بنگلہ بہت عرصے سے خالی پڑا تھا اور جب میڈم جولی کے شوہر نے ہندوستان آنے کا فیصلہ کیا تو میڈم جولی نے اپنے بنگلہ میں رہنے کو ترجیح دی۔

ڈینی بہت زیادہ پیارا اور معصوم بچہ تھا شام میں جب۔ اس کی ٹیوٹر مسز این اس کو پڑھانے آتیں تو میں تب بھی اس کے پاس ہی بیٹھا رہتا میڈم جولی نے مس این کو کہا کہ وہ مجھے بھی انگلش میں بات چیت کرنا سکھادیں جو مسز این نے بخوشی قبول کر لی مس این ان کی پڑوسن تھیں وہ اپنے کڑل شوہر مسز جوز ہالٹ کے ساتھ رہیں وہ ایک عمر رسیدہ خاتون تھیں اور ان کی اولاد نہیں تھی۔

وقت گزری کے لئے اور میڈم جولی سے ان کی دوستی اور فیملی جیسے تعلقات تھے سو ان کے بیٹے کو پڑھانے کے لئے آ جاتیں تھیں مسز جوز پچاس سالہ خاتون تھیں جو اپنا وقت زیادہ تر مطالعہ میں گزارتیں اس کے علاوہ وہ باقاعدگی سے چرچ بھی جاتیں اور زیادہ سے زیادہ وقت ان سرگرمیوں میں گزارتیں جن سے انسان کی spiritual power یعنی روحانی طاقتیں بیدار ہو جائیں ان کے مہربان چہرے پر ہر وقت

مسکراہٹ طاری رہتی سر پر اس کا راف اور گلے میں بڑی سی کراس بنے ہوئے وہ ایک آفسیسی مسز کم اور چرچ کی راہ پر زیادہ لگتیں تھیں وہ جب بھی ڈینی کو پڑھانے اور مذہبی تعلیم دینے کے لئے آتیں ان کے چہرے پر گہری سنجیدگی سی چھا جاتی وہ اپنے ارد گرد ایسے دیکھنے لگتیں جیسے حالات کا جائزہ لے رہی ہوں ایک دن ڈینی نے ان کو بتایا کہ ایک پیاری سی آئی بھی لکھی ان سے باتیں کرتی ہیں اور جب کوئی ان کے پاس آئے تو وہ آئی کہیں چھپ جاتی ہیں یہ سن کر انہوں نے اپنے گلے میں پہن کر اس کو زور سے پکڑ لیا اور زور زور سے ہولی ورسکس پڑھنے لگیں انہوں نے ڈینی کو کہا کہ اب وہ آئی کبھی اس سے ملنے آئیں تو ان کا نام پوچھنا یا پھر اپنی مام کو آواز دے کر بلا لینا تو میڈم اس بیوی آئی نے کہا ہے کہ اگر میں نے اپنی مام کو اس کے بارے میں بتایا تو وہ مجھ سے کبھی ملنے نہیں آئیں گی اور آپ بھی مام کو اس بارے میں نہ بتانا یہ کہہ کر وہ اپنا بنگ لیکر چلا گیا لیکن مسز جوز کے چہرے پر گہری تشویش نظر آنے لگی اس دن کے ایک ہفتے بعد میڈم جولی اپنی خاندانی تصاویر والا البم لان کی نرم و گرم دھوپ میں باہر کرسیوں پر بیٹھ کر مسز جوز کو دکھانے لگیں یہ ایک فیملی فوٹو البم تھا وہ دونوں خواتین خوشی و اشتیاق سے دیکھ رہی تھیں ساتھ ساتھ باتیں اور تبصرے بھی کر رہی تھیں اس البم میں زیادہ تر تصاویر میڈم جولی کی پیدائش سے بھی پہلے کی تھیں چونکہ یہ خاص مواقع پر تاراری جانے والی تصاویر تھیں اس لئے ان کے نیچے تصاویر کی تاریخ اور جس موقع پر یہ تصویر لی گئی یہ بھی درج تھا ننھا ڈینی بھی بار بار کھیل چھوڑ کر اپنی مام کے پاس جا کر البم دیکھنے لگتا پھر دوبارہ سے کھیل میں شامل ہو جاتا اس وقت میں بھی وہیں موجود تھا اور گھاس پر اس کے ادھر ادھر بکھرے ہوئے کھلونے ترتیب سے رکھ رہا تھا۔

اور یہ میرے ڈیڈ کی انجمنٹ میڈم جولی نے ایک تصویر پر ان کی رکھ کر پر مسرت آواز میں کہا اس وقت کے فیشن کے مطابق ایک خوبصورت ڈریس اپ کپل

مسکرا کر کمرے کی طرف دیکھ رہا تھا اس البم میں ان کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا تھا اور غور سے دیکھ رہا تھا یہ البم گریٹا بیٹن تھیں میرے ڈیڈ کی مام کو ان کی کھلیں لیکن نا جانے ڈیڈ سے ان کی کیا بات ہوئی کہ وہ ان کو چھوڑ کر چلی گئیں اس کے بعد میرے ڈیڈ نے یہ دلا چھوڑ دیا اور کبھی یہاں نہیں آئے اور انگلینڈ چلے گئے یہ دلا اب سے بند اور ویران تھا۔

کر لی تھی۔ مام یہ تو وہی آئی ہیں جو مجھ سے ملنے آتیں ہیں ڈینی مام کی تم کیا کہہ رہے ہو ایسا نہیں ہو سکتا۔ میڈم جولی نے گھبرا کر کہا اور البم بند کر کے رکھ دیا جبکہ ڈینی صرختا کہ وہ آئی کبھی کبھی اس سے ملنے آئیں اور باتیں بھی کرتیں ہیں جبکہ میڈم جولی سختی سے اس کی تردید کر رہی تھیں۔

اس دوران میں مسز جوز نے معاملے کو سنبھالنے ہوئے ڈینی کو شیف کے ساتھ بھیج دیا کہ وہ ڈینی کو سینڈوچ بنا کر کھلائے۔

دیکھیں نہ مسز جوز اس ڈینی نے کتنا مجھے تنگ کر رکھا ہے انہوں نے شکوہ کیا اور مجھے کہا کہ میں ڈینی کے مارے کھلونے ترتیب کے ساتھ ڈبے میں رکھ دوں۔ اب دیکھیں یہ کہاں سے اس آئی کو بیچ میں لے آیا ابھی سے جھوٹ بولنا شروع کر دیا شیطان نے وہ نصے سے بڑبڑائیں۔

وہ جھوٹ نہیں بول رہا! مسز جوز نے پراسرار لہجے میں کہا۔ کیا! میڈم جولی کی آواز میں حیرت و خوف ڈونٹ تھا۔

جبکہ مسز جوز نے ان کے کندھے پر تسلی دینے کے لئے ہاتھ رکھ دیا میں جب پہلی مرتبہ آس گھر میں آئی تو مجھے کوئی خاص پراسراریت اس گھر میں محسوس ہوئی کوئی خاص قسم کی para normal activities الگ گھر میں محسوس ہوئی لیکن میں نے تم سے ذکر نہیں کیا

کہ کہیں تم پریشان نہ ہو لیکن سوچنے کی یہ بات ہے کہ اگر وہ واقعی تمہارے فادر کی نایس ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ اب وہ اس دنیا میں نہیں ہیں اسی لئے وہ ایک روح بن کر ڈینی کو نظر آتیں ہیں God bless her یہ کہہ کر انہوں نے ہاتھ سے سینے پر کراس بنایا۔ لیکن وہ تو میرے ڈیڈ کو چھوڑ کر چلی گئیں تھیں۔ کیا معلوم وہ اپنی فیملی کے پاس جا کر چلی گئیں ہوں۔ مسز جوز نے کہا۔

نو مام! میرے فادر ہمیں بتاتے تھے کہ مس مارگرٹا کے فادر ورلڈ وار 1 میں مارے گئے تھے اور ان کی مامی ان کو لے کر یہاں آ گئیں تھیں ان کی مامی میرے گریڈ فادر کی کزن تھیں میرے گریڈ فادر وائسرائے تھے کچھ سال تک وہ ہماری فیملی کے ساتھ رہا تھا ان میں میرے گریڈ فادر اور گریڈ مدر کے ساتھ ان کے بیٹے میں رہیں پھر جب میرے فادر اس مارگرٹا جوان ہوئے تو وہ اس ولا میں آ گئے یہ ایک ہندو راجہ نے میرے گریڈ گریڈ فادر وائسرائے آئزک فریڈرک کو ان کی خدمات کیلئے دیا تھا یہیں پر ان دونوں کی انجمنٹ ہوئی درمیان کے عرصے میں میرے فادر اس مارگرٹا نے لندن سے تعلیم بھی حاصل کی وہ ایک ڈاکٹر تھیں لیکن ان کو پیاؤ بجانے کا شوق بہت زیادہ تھا۔

اس دن کے بعد سے میڈم جولی بہت زیادہ خوف زدہ سی رہنے لگیں تھیں اور انہوں نے ان تمام واقعات کا تذکرہ اپنے شوہر سے بھی کیا لیکن ان کے شوہر نے ان کی باتوں کو وہم سمجھ کر ٹال دیا اس تمام عرصہ میں وقتاً فوقتاً کچھ انوکھے واقعات ہوتے رہے جیسے خود بخود پیانو کا بجنے لگنا اور گھر میں سے کبھی کبھار ایسی چیزوں کی آوازیں سنائی دیتی تھیں جیسے کوئی اذیت کے عالم میں چلا رہا ہو لیکن ایسا بہت کم ہی ہوتا تھا اور کوئی نقصان وہ بات بھی کبھی نہیں ہوئی اور سچ بات یہ تھی کہ میڈم جولی کے سوا کبھی کسی کو وہ عجیب و غریب آوازیں نہیں سنائی دیں۔

ایک دن مسز جولی کو خواب آیا کہ ان کے گھر

میں بہت سے کالے ناخنوں والے لوگ گھوم پھر رہے ہیں۔

انہوں نے شام میں اس خواب کا ذکر کیا تو مسز جونز کو بڑی حیرت ہوئی۔

مائی ڈائر ایسے کالے ناخنوں کی بیماری تو black death کی بیماری ہوتی تھی جو سوہویں

صدی سے اٹھارویں صدی تک یورپ سے ہندوستان تک پھیل گئی اور گاؤں میں نے اس بیماری کے بارے میں

بہت کچھ پڑھا ہے اس بیماری سے بے شمار لوگوں کی موت ہوئی یہ یورپ سے ہندوستان تک پھیل گئی تھی پھر

کچھ گوروں نے ہندوستان کے کچھ حصوں میں یہ رواج بنادیا کہ اگر کسی غریب ہندوستانی کو یہ بیماری ہوتی تو اس

کو یا تو مار دیا جاتا یا کسی ویرانے میں مرنے کے لئے چھوڑ دیا جاتا تاکہ اس مرض کے مریض کم سے کم ہو

جائیں اور یہ بیماری ختم ہو جائے لیکن ان کے اس ظلم سے بیماری کم تو نہیں ہوئی بلکہ کئی سالوں تک تباہی پھیلا

کر رہی تھی۔

لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ مارگریٹا کا اس بات سے کیا تعلق ہو سکتا ہے میرا خیال ہے کہ تمہیں اپنے

قادر کو انگینڈ سے بلا لینا چاہیے۔

نو وادام میرے قادر بھی یہاں نہیں آئیں گے جب سے مارگریٹا ان کو چھوڑ کر چلی گئی تھی وہ یہاں کبھی

نہیں آئے۔

لیکن اس بات میں ان کا انوالو ہونا بہت ضروری ہے۔

پھر کچھ دنوں بعد میڈم جولی کے ڈیڈی بھی انگینڈ سے آ گئے تھے اور ان کے آنے کے دو ہی دن

بعد مسز جونز نے مقامی چرچ کے پادری فادر الیگزینڈر گوٹلی کو بلا لیا ان دنوں میڈم جولی کے شوہر اپنے

دوستوں کے ساتھ شکار پر گئے ہوئے تھے مجھے بھی میڈم جولی نے گھر جانے کیلئے کہا لیکن میں نے ان سے درخواست کی کہ وہ مجھے بھی یہیں رہنے دیں کچھ دیر بعد

قادر نے ہم سب کو ایک بڑے ہال کمرے میں جمع

کرنے کے بعد سب کو ہدایت کی کہ ہم سب نے ایک ساتھ ہی رہنا ہے اور قادر کی ہدایات پر عمل کرتا ہے ہر

انہوں نے اس وقت موجود سب لوگوں کے گلے میں کراس پہنائے اور کہا۔

مائی چاکلڈ یہ بات تو ہم سب جان چکے ہیں کہ مارگریٹا اب اس دنیا میں نہیں ہیں لیکن ان کی روح ابھی

تک یہیں بیٹھ رہی ہے ہمیں اس خداوند یسوع مسیح کے دیئے ہوئے علم کے مطابق اس کی روح کو اس کے

اصل مقام تک پہنچانے کی کوشش کرنی ہے لیکن وہ کیا وجہ ہے جس کی وجہ سے اس کی روح اب تک بے چین ہے؟

سائی خداوند اس پر مہربانی کرے لیکن یہ تو میرا علم ماننا ہے کہ وہ کوئی devil power والی روح نہیں ہو سکتی

کیونکہ اس نے کسی کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کی لیکن اس کی روح کا holy God کے پاس

heaven میں پہنچنا اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ ہماری زندگی کی حقیقت

God bless her soul and God saved her soul in Eden

یہ کہہ کر انہوں نے سینے پر ہاتھ سے کراس بنایا پھر انہوں نے اس کمرے میں دائرہ کی صورت میں

یسوع مسیح کے جسم کے پیروں کے ساتھ رکھی ہوئی موم بتیاں روشن کیں اس کام میں مسز جونز نے ان کی مدد

کروا پھر اس دائرہ میں ہم سب بیٹھ گئے اور قادر بائبل اٹھا کر بولی درس پڑھنے میں مصروف ہو گئے رات

گہری ہو چلی تھی لیکن مسز جونز نے یہاں ہی رہنا تھا کیونکہ ان کے شوہر کسی دفتری کام سے گجرات گئے

ہوئے تھے جوں جوں وقت گزرتا جا رہا تھا ہم سب پر بے چینی طاری ہوتی جا رہی تھی اور قادر کے بولی درس

پڑھنے میں تیزی آتی جا رہی تھی اچانک ایسا لگا کہ باہر تیز رفتار ہوائیں چلنے لگی ہوں پھر اچانک ہی ساتھ

والے کمرے میں سے پیانو بجانے کی آوازیں آنے لگیں جو وقت کے ساتھ ساتھ تیز ہوتی جا رہی تھیں پھر

کوئی کالا سایہ تیزی سے کمرے میں داخل ہوا اور اس کے کمرے میں داخل ہونے کے ساتھ ہی وہ تمام موم

جیاں بجھ گئیں جن کی وجہ سے کمرے میں روشنی تھی کچھ لمبے پر ایک سایہ نظر آ رہا تھا ڈر کے مارے ہم سب کی حالت خراب تھی لیکن ہم سب کو اس دائرہ سے باہر نکلنے

کی اجازت نہیں تھی ہم ایک دوسرے سے لگ کر بیٹھے تھے قہر کا پ رہے تھے ڈیڈی کو ایک طرف سے میں اور ایک طرف سے میڈم جولی نے پکڑ رکھا تھا تب بھی وہ بہت

خوف زدہ لگ رہا تھا۔

کچھ دیر بعد اس ہی اس ہیولے میں حرکت پیدا ہوئی اور سنسنے لگی۔

قادر نے اس پر ہولی وائر ڈال کر رعب سے پوچھا۔

کون ہے تو اور ان کو کیوں تنگ کر رہی ہے۔

وہ سکیوں سے بولی کہ بلیک ڈیڈیج سے لوگ تیزی سے مر رہے تھے اور میں سب کے منع کرنے کے

باوجود ان مریضوں کا علاج کرتی رہی ان ہی دنوں جب اس شخص نے اس روح نے میڈم جولی کے ڈیڈی کی طرف

انگی اٹھا کر کہا اس نے کہا کہ میں اپنے پرنسشن اور اپنی محبت میں سے ایک چیز کو چین لوں تو میں نے اپنے فرض

کو چننا پھر یہ شخص مجھے چھوڑ کے چلا گیا اور لوگوں میں یہ بات پھیلا دی کہ میں نے اسے چھوڑ دیا ہے پھر کچھ عرصہ

بعد ہی یہ انگلستان چلا گیا جبکہ میں اکیلی ہی اپنے دو ملازمین کے ساتھ یہاں رہتی رہی اور اپنے فرائض میں

مصروف رہی ان دنوں طاعون کے غریب مقامی اور کمزور لوگوں کو آگ میں جلا کر ان کی بیماری کا حل تلاش

کیا گیا میں اس رسم کے بالکل خلاف تھی پھر میرے دنوں ملازم جو آپس میں میاں بیوی تھے اور مقامی

ہندوستانی فیملی سے تعلق رکھتے تھے ان دنوں کو یکے بعد دیگرے طاعون نے آگھیرا میں نے ان کو انگریز سرکار

کے قلم سے بچانے کے لئے اس گھر کے تہہ خانے میں چھپا دیا اور ان کا علاج بھی کرتی رہی لیکن ان کی حالت

تجھل نہیں رہی تھی باہر لے جانا ان دنوں کو خطرہ سے خالی نہیں تھا کیونکہ ہر طرف فرنگی یا ان کے جاسوس پھیلے

ہوئے تھے پھر ان ہی دنوں مجھ میں بھی طاعون کی

علامات ظاہر ہونے لگیں تو میں نے اپنے طور پر اپنا علاج خود کرنا شروع کر دیا اور اس ہی گھر میں قید ہوئی اور باہر

سے اس گھر کو لانا لگا دیا کیونکہ انگلستان سرکار کے لوگ ہر جگہ پھیلے ہوئے تھے ان دسی لوگوں کی تلاش میں جن کو

طاعون ہو گیا تھا۔

اور ہسپتال میں یہ لکھ کر بھیج دیا کہ میں واپس انگلستان جا رہی ہوں اس لئے اب میں اپنی ڈیوٹی انجام

نہیں دے سکتی پر پھیلے ہوئے تھے اور ان ہی دنوں ان دنوں ملازموں کی موت ہوئی اور میں اپنی بیماری کی وجہ

سے کمزوری کی انتہا کو پہنچ گئی اور ان کی موت کے دو دن بعد ہی میں بھی مر گئی۔ لیکن اس گھر کے خفیہ تہہ خانے میں

آج بھی ہمارے جسم پر بے ہیں اور اپنی آخری رسومات کا انتظار کر رہے ہیں کہ کوئی آئے اور میں ہماری قبروں

تک پہنچائے آسمانی خداوند ہم پر رحم فرمائے۔

یہ کہہ کر وہ سایہ غائب ہو گیا اس سے اگلے دن ہی اس خفیہ تہہ خانے کو ڈھونڈ کر ان بتیوں کی آ

خوری رسومات قادر کی موجودگی میں ادا کر دی گئی اور میڈم جولی کے ڈیڈی بھی دھکی دل کے ساتھ واپس

انگلستان چلے گئے کہ وہ جس کو بے وفا سمجھتے تھے وہ بے وفائی کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنے فرض اور موت کی

وجہ سے ان کو چھوڑ دی گئی تھا اس واقعے کے تین سال بعد میں نے بھی وہ گاؤں چھوڑ دیا اور شہر میں آ کر

کاروبار کرنے لگا تھا جس میں اللہ تعالیٰ کی ذات نے مجھے بہت برکت دی۔

سنا تھا آ زادی کے بعد میڈم جولی اور مسز جونز بھی اپنے خاندان کے ساتھ واپس انگلستان

چلے گئے تھے۔

آج اس واقعے کو کئی دہائیاں گزر گئیں لیکن جب بھی وہ واقعہ یاد آتا ہے تو مس مارگریٹا کی عظمت کو

سلام پیش کرتا ہوں اور بلیک ڈیڈی کی ہولناک موت سے ہر انسان کو محفوظ رکھنے کی دعا کرتا ہوں۔



وحشت

مظہر الحق علوی

قسط نمبر: 3

اس کی ایک گرج سے کوہ و بیلان تھرا گئے، ایسی دھلا دینے والی گرج میں نے پہلے کبھی نہ سنی تھی۔ سپاہیوں کی ڈھالوں کی شکرانے کی آواز سے فضا میں ہزاروں بجلیاں کوندتی محسوس ہوتیں۔ اس کے بعد کیا ہوا؟

مظہر الحق علوی کے قلم سے لکھی گئی ایک وحشت ناک اور عجیب و پر اسرار داستان

دو ہرن، ایک ہرنی

جو کچھ ہوا اس کے بعد تارکین نے لامحالہ سمجھ لیا ہوگا کہ ماینا کے ساتھ میرے تعلقات خراب ہو گئے ہوں گے اور سچ پوچھتے تو معاملہ تھا بھی ایسا ہی۔ میری جگہ کوئی اور ہوتا۔ بلکہ یوں کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ اگر ماینا کی جگہ کوئی دوسری لڑکی ہوتی تو ایسا ہی ہوتا۔ آپ ذرا غور کیجئے کہ مجھے اس لڑکی نے پوری طرح سے بے بس کر دیا تھا، مجھے بے وقوف بنایا تھا اور اس سے پہلے کہ میں اپنی حماقت پر افسوس کرتا وہ مجھے صحیح معنوں میں تشوہک چکی تھی۔ اس کے بعد ہمارے تعلقات کا گڑ جانا ضروری تھا۔ لیکن یقین کیجئے کہ ایسا نہ ہوا۔ دوسرے دن صبح جب ہماری ملاقات ہوئی تو ماینا وہی ماینا تھی۔ خاموش اور بے تعلق۔ وہ میری چونٹوں کی پٹیاں بدلتی اور ہنستی اور ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہی۔ وہ اس خط کے مضمون اور اخبارات کے متعلق پوچھتی رہی جو اس خط کے ساتھ ایک دن پہلے نا مال سے میرے نام آئے تھے۔ یہاں میں یہ بتا دوں کہ ماینا نے بڑی مجلس طبیعت پائی تھی۔

ناممکن۔ ایک ہوشیار مدبر کہے گا۔ ناممکن ہے کہ

ایک جاہل اور وحشی لڑکی ایسی شرافت کا ثبوت دے۔ اور

میں کہوں گا کہ اے میرے دوست مبصر بس یہی تم غلط کرتے ہو۔ جب تم کسی کے متعلق اندازے لگانے بیٹھتے ہو تو پھر خود تمہارے اور ایک وحشی کے درمیان بہت کم فرق رہ جاتا ہے۔

خیر تم آدم برسر مطلب۔

او بیڑی کی جھوپڑی میں اس کی بیٹی کے ساتھ ہریت اٹھانے کے پندرہ دن بعد میں ایک بار پھر تندرست تھا اور میری جسمانی قوت بھی عود کر آ چکی تھی۔ میری پسلیاں یا میرے جسم کی وہ ہڈیاں جو اس بھینسے نے اپنے بھاری گھٹنوں سے توڑ دی تھیں، جڑ چکی تھیں۔ اس کے علاوہ نا مال میں چونکہ مجھے ایک ضروری کان نمٹانا تھا۔ اس لئے میں او بیڑی کے کراں سے رخصت ہونے کے لئے بے تاب تھا اور پھر چونکہ نہ تو سادو کو واپس آیا تھا اور نہ ہی اس کی کوئی خیر خبر ملی تھی۔ اس لئے میں نے اس کے نام ایک پیغام چھوڑ کر کہ اگر وہ چاہے تو مجھ سے فلاں فلاں جگہ مل سکتا ہے، گھر کی طرف لوٹ جانے کا فیصلہ کیا۔ سچ تو یہ ہے کہ میں سادو کو اور بانگو کی خانہ جنگی میں اپنی ٹانگ اڑانا نہ چاہتا تھا کیونکہ میرے خیال میں یہ ان دونوں کا یا صرف سادو کو کا ذاتی معاملہ تھا۔ بلکہ میں تو

اس پورے معاملے سے ہی، حتیٰ کہ خوبصورت ماینا بھی۔ بس کی آنکھیں میرا مذاق اڑا کر کرتی تھیں ہاتھ دھو لیا تو پتا تھا۔

چنانچہ ایک صبح خود میں نے اپنے بیلوں کو دھانے کے بعد اسکاؤل سے کہا کہ وہ انہیں چھڑے میں جوت دے۔ اسکاؤل نے بڑی خوشی سے میرے اس حکم کو سنا کیونکہ وہ میرے دوسرے ملازم بھی مہذب دنیا اور اس کی دلچسپیوں میں واپس لوٹ جانا چاہتے تھے۔

جب سڑکی تیاریاں ہو رہی تھیں تو عین وقت پر ہی ایک شخص اویبزی کا یہ پیغام لے کر میرے پاس آیا کہ میں اپنی روانگی کو کم سے کم سہ پہر تک ملتوی کر دوں کیونکہ پیغام میں کہا گیا تھا، اس کا ایک دوست، جو ایک زبردست سردار بھی تھا، اور مجھ سے بھی ملنا چاہتا تھا۔ میں نے دل ہی دل میں اس میں زبردست سردار کو چند صلاواتیں سنا ڈالیں لیکن اویبزی جیسے شخص دوست کی درخواست کو چونکہ شکرانہ سکتا تھا اس لئے میں نے اپنے ملازموں سے کہا کہ بیلوں کو چھڑے میں سے کھول لیں لیکن انہیں تیار رکھیں اور خود اویبزی کے کمرال کی طرف چلا حالانکہ اس التوا سے میرا مزاج قدرے بگڑنے لگا تھا۔ اویبزی کا کمرال اس جگہ سے، جہاں میرا چھکڑا تھا، نصف میل دور تھا کیونکہ تندرست ہونے کے فوراً بعد ہی میں جھونپڑی، ”لوڈھی گائے“ کے حوالے کر کے اپنے چھکڑے میں آ گیا تھا اور یہیں سوتا بھی تھا۔

میرا مزاج بگڑنے کی کوئی خاص وجہ نہ تھی کیونکہ میں نے اس صبح روانہ ہوتا یا سہ پہر کے وقت اس سے میرے لئے کوئی فرق نہ پڑنے والا تھا۔ لیکن میں بوڑھے اور بوئے زکالی کی اس پیشگوئی کو بھولا نہ تھا کہ میں چاہوں نہ چاہوں، سادو کو اور بانگو کی جنگ میں اپنا کمر دارا کرنا میرے لئے مقدر ہو چکا تھا۔ حالانکہ پھنے ہوئے سینک والے بھینے کے متعلق زکالی کی پیشگوئی

صحیح ثابت ہوئی تھی تاہم میں اس کی یہ دوسری پیشگوئی غلط ثابت کرنے کا تہیہ کر چکا تھا۔

اگر میں اس علاقے سے روانہ ہو گیا تو ظاہر ہے کہ میں بانگو کے خلاف جنگ میں شریک نہ ہو سکتا تھا۔ کم سے کم فی الحال نہیں۔ لیکن جب تک میں اس علاقے میں تھا تب تک سادو کو کے واپس آ جانے کا خدشہ تو بہر حال تھا ہی۔ وہ کسی بھی وقت واپس آ سکتا تھا اور پھر اپنے اس آدمے وعدے سے، جو میں نے سادو کو سے کیا تھا۔ میں کسی صورت بچ نہ سکتا تھا۔

بہر حال جب میں کمرال میں داخل ہوا تو دیکھا کہ وہاں خاص چہل پہل تھی اور کسی جشن کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔

ایک بیل ذبح کیا گیا تھا اور اس کا گوشت مٹی کی ہانڈیوں میں پکایا جا رہا تھا اور آگ پر بھونا جا رہا تھا۔ اس کے علاوہ کمرال میں چند اجنبی زولو بھی نظر آئے۔

کمرال کی باڑ کے اس طرف اور اس کے سامنے میں ایک تپانی اوپر اویبزی اپنے مشیروں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا اور ان کے درمیان ایک عظیم الجثہ افریقی بھی بیٹھا ہوا تھا۔ جس کے سر پر موسمیاتی حلقہ تھا اور جس نے چیتے کی کھال کا موچھا باندھ رکھا تھا جو اس کے ”اعلیٰ“ ہونے کی علامت تھی۔ اس کے علاوہ ماینا بھی پھانک کے قریب کھڑی ہوئی تھی۔ اس نے اپنی بہترین مالائیں پہن رکھی تھیں اور اس کے ہاتھ میں دیسی بیکر کی توتلی تھی۔ معلوم ہوا کہ وہ ساتی گیری کی فدیات انجام دے رہی ہے اور مہمانوں کو شراب پلا رہی تھی۔

”میکو میزن! مجھے الوداع کہے بغیر ہی بھاگے جارہے تھے؟ بڑے بے مروت ہو۔ ماینا نے سرگوٹی میں کہا۔

”اگر تم مجھ سے رخصت ہوئے بغیر چلے جاتے تو میں بہت روتی۔ لیکن شکر ہے کہ قسمت میں یوں نہ لکھا تھا۔“

”بیلوں کو چھکڑے میں جوت لینے کے بعد میں

کمرال کے سردار ہو کر نہیں الوداع کہنے آئے والا تھا۔“

میں نے جواب دیا۔ ”یہ نیا آدمی کون ہے؟“

”یہ نہیں ابھی معلوم ہو جائے گا میکو میزن“ وہ ہنسنے لگا۔ ”میرا آپ نہیں بلار ہا ہے۔“

”بلار؟“ میں نے آگے بڑھا۔ جب میں قریب پہنچا تو وہ بڑی نے اٹھ کر میرا ہاتھ پکڑ لیا اور مجھے قوی الجیشہ جیسی طرف لے جاتے ہوئے بولا۔

”میکو میزن! یہ ماسوپو ہے۔ سونی کا سردار اور فانی نسل ہے۔ یہ تم سے ملنے کا شرف حاصل کرنا چاہتا ہے۔“

”بڑی مہربانی ہے یہ ان کی۔“ میں نے اوپری

دل سے کہا۔

اور ماسوپو کی طرف دیکھ کر میں نے اس کا جائزہ لیا۔ جیسا کہ میں نے کہا وہ قوی الجیشہ تھا اور اس کی عمر پچاس کے لگ بھگ رہی ہوگی کیونکہ اس کے بالوں میں سیاہی دہاں عمر کی راکھ نظر آ رہی تھی۔ صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہہ دوں کہ پہلی ہی نظر میں مجھے اس سے نفرت ہوگئی اس کے چوڑے چکلے اور کرخت چہرے میں کوئی خاص بات تھی، اس کے بشرے سے لگی خود پسندی عیاں تھی کہ اس نے مجھے ایک دم سے خنجر کر دیا۔ میں خاموش رہا کیونکہ زولوؤں میں قاعدہ فاکہ جب دوہم بلار ہا ہم رتبہ آدمی ملتے ہیں تو ان میں جو پہلے بولتا یا گفتگو کا آغاز کرتا تھا وہ دوسروں کی نظر میں اپنے آپ کو پہلے سے کم رتبہ ثابت کر دیتا تھا۔ بانچہ میں خاموش کھڑا ماینا کے اس نئے امیدوار کی طرف دیکھتا رہا۔

ماسوپو بھی میری طرف دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے اپنے ایک ساتھی سے کچھ کہا۔ میں سن نہ سکا کہ اس نے کیا کہا۔ البتہ اس کا ساتھی اپنے سردار کی بات سن کر ہنسنے لگا۔

”ماسوپو نے سن رکھا ہے کہ تم اپنی سی (بڑے زبردست شکاری) ہو“ اویبزی نے کہا۔ اس نے یقیناً ٹھوس کر لیا تھا کہ صورت حال بگڑ چکی تھی چنانچہ اس نے

کچھ نہ کچھ کہنا ضروری سمجھا۔

”اجھا!“ میں نے جواب دیا۔ ”تو مجھ پر مجھ سے زیادہ خوش قسمت ہے کیونکہ میں نے اس کے متعلق کچھ نہیں سنا کہ یہ کون ہے اور کیا ہے۔“

یہ بہر حال جھوٹ تھا کیونکہ قارئین بھولے نہ ہوں گے کہ ماینا نے جھونپڑی میں ماسوپو کا نام اپنے کافروں میں بہر حال اپنی شان قائم رکھنا ضروری ہوتا ہے اور اسی ایک بات نے مجھے جھوٹ بولنے پر مجبور کیا تھا۔

”اویبزی! میرے دوست“ میں نے کہا۔ ”میں تمہیں الوداع کہنے آیا ہوں کیونکہ زمین کی طرف واپس جا رہا ہوں۔“

میرے اس اعلان پر ماسوپو نے اپنی جگہ سے اٹھے بغیر اپنا موبابازو میری طرف بڑھا دیا۔

”سیا کو بونا (دن خیر) سفید قام۔“

”سیا کو بونا یاہ فام“ میں نے جواب دیا۔

اور اس کے آگے بڑھے ہوئے ہاتھ کی انگلیوں کی پوروں کو اپنے ہاتھ کی انگلیوں کی پوروں سے چھونے پر اکتفا کیا۔ اس پر ماینا شراب کی توتلی لے کر آگئی تھی، منہ ہٹایا اور اندر ہی اندر ہنسی۔

اب میں جانے کے لئے چلا تو ماسوپو نے کھردری اور غرائی ہوئی آواز میں کہا:

”میکو میزن! اس سے پہلے کہ تم یہاں سے چلے جاؤ میں ایک خاص معاملے میں تم سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں، کچھ دیر میرے قریب بیٹھنے کی رحمت گوارا کرو گے؟“

”کیوں نہیں؟“

اور میں چند قدم آگے بڑھ کر وہاں بیٹھنے والوں کی حدود سماعت سے باہر آ گیا۔ ماسوپو بھی اٹھ کر وہاں آ گیا۔

”میکو میزن!“ اس نے کہا۔

”یہاں میں یہ بتا دوں۔۔۔۔۔ ماسوپو کی گفتگو کا

لب لباب چٹ کر دوں گا کیونکہ وہ کافی لمبی چوڑی اور غیر ضروری باتوں کے بعد اپنے مطلب کی طرف آیا تھا۔

”میکو میزن!“ اس نے کہا۔ ”مجھے بندوں کی ضرورت ہے اور مجھ سے کہا گیا ہے کہ تم تاجر ہو اس لئے بندوں میں سے ایک کر سکتے ہو۔“

”ہاں ماسوپو! اگر اچھی قیمت مل جائے تو میں بندوں میں سے ایک کر سکتا ہوں حالانکہ غیر قانونی طور پر زولو لینڈ میں بندوں کو برآمد کرنا خاصا خطرناک کام ہے۔ لیکن کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ بندوں کی تمہیں کیوں ضرورت ہے؟ ہاتھوں کے شکار کے لئے؟“

”ہاں۔ ہاتھوں کے شکار کے لئے۔“ مجھ سے کہا گیا ماسوپو نے اپنے دیدے گھما کر کہا۔ ”مجھ سے کہا گیا ہے کہ میکو میزن کم قیمت زیادہ محتاط ہو اور جمو میزی کی چھت پر چڑھ کر اونچی آواز میں وہ بات نہیں کہتے جو جمو میزی میں سنتے ہو۔ چنانچہ سنو۔ ہمارے ملک میں ایک عام بے چینی پھیلی ہوئی ہے۔ ہمیں میرا مطلب ہے کسی بھی سردار کو سازا کو کوٹا کے نفلے سے پیار نہیں اور پاٹا اس میں کا ایک ہے۔ تم جانتے ہو گے کہ تم قوٹی کو شاکا کے بھالے سے بہت کچھ نکالیں سکتی ہیں۔ بہر حال ہم سمجھتے ہیں کہ ایک وقت آئے گا۔ جب ہم جوئی الحال بکریوں کی جھاڑیوں سے پیٹ بھرتے ہیں زرافوں کی طرح درختوں کی چھتوں تک اپنی گردنیں لمبی کر سکیں گے۔ کیونکہ پاٹا ایک کمزور بادشاہ ہے اور اس کے بیٹے آپس میں ایک دوسرے سے نفرت کرتے ہیں چنانچہ اس کے بیٹوں میں سے کسی ایک کو ہماری مدد کی ضرورت ہوگی۔ اب سمجھو؟“

”میں صرف یہ سمجھتا ہوں کہ تمہیں بندوں کی ضرورت ہے اور میں میرے لئے کافی ہے۔“ میں نے جواب دیا۔ ”اب ان کی قیمت بھی طے ہو جائے اور یہ بھی کہ تمہیں ان بندوں کو کہاں پہنچانا ہے۔“

اس کے بعد ہم دونوں میں قیمت وغیرہ طے ہوئی رہی۔ اس سودے کی تفصیلات کی ضرورت نہیں کیونکہ اس سے ظاہر ہے کہ کسی کو دلچسپی نہ ہوگی کہ بندوں کا معاملہ میں نے یہاں صرف یہ دکھانے کے لئے بیان کر دیا ہے کہ ماسوپو بھی اس شاہی گھر کے کونسا میٹ کروینے کی سازش کر رہا تھا جس کا تاجدار اس زمانے میں شاہ زولو پاٹا تھا۔

طویل بحث کے بعد میرے اور ماسوپو کے درمیان سودا طے ہو گیا جو یوں تھا کہ میں اتنی اتنی بندوئیں ادبیری کے کراں میں پہنچا دوں گا اور اس کے عوض ماسوپو مجھے اتنے اتنے مویشی دے گا۔ اس سے یہ سودا طے کر کے میں واپس اس جگہ پہنچا جہاں ادبیری اپنے مہمانوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ میں اپنے اس بوڑھے دوست سے رخصت ہو لوں۔“

اس عرصے میں وہاں بھنا ہوا اور پکا ہوا گوشت چن دیا گیا تھا۔ میں نے چونکہ اس صبح ناشتہ کیا نہ تھا اس لئے بھوک محسوس کر رہا تھا چنانچہ ادبیری کے کہنے پر میں بھی کھانے کے لئے ٹھہر گیا۔ جب میں شکم سیر ہو کر کھا چکا اور اوپر سے ٹٹوالا (دبئی بیر) کا پیالہ بھی پی چکا تو جانے کے لئے اٹھا لیکن عین اس وقت کراں کے پھاٹک میں کوئی اور نہیں بلکہ سادو کو داخل ہوا۔

”ہشت“ ماینا نے جو میرے قریب کھڑی ہوئی تھی، اتنی نیچی آواز میں کہا کہ اس کے یہ الفاظ میرے علاوہ اور کوئی نہ سن سکا۔ ”میکو میزن! جب دو ہرن ایک دوسرے کے مقابل آجاتے تو کیا ہوتا ہے؟“

”اکثر دفعہ یوں ہوتا ہے کہ دونوں لڑ پڑتے ہیں اور کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ ان میں سے ایک بھاگ جاتا ہے، اور اس کا زیادہ تر اختصار ہرنی پر ہوتا ہے۔“ میں نے ماینا کی طرف دیکھتے ہوئے اسی طرح نیچی آواز میں جواب دیا۔

ماینا نے شانے اچکائے، اپنی ابھری ہوئی چھاتیوں کے نیچے اپنے ہاتھ باندھ لئے، قریب سے گزرتے ہوئے سادو کو کی طرف دیکھ کر سر ہلایا اور بڑے

ہار سے ٹپک لگا کر کھڑی ہو گئی اور منتظر رہی کہ دیکھیں اب کیا ہوتا ہے۔

”سلام ادبیری۔“ سادو کو نے بڑے رساں سے کہا۔ ”دیکھ رہا ہوں کہ یہاں دعوت اڑائی جارہی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ مجھے یہاں خوش آمدید کہا جاتا ہے یا میں بن بلایا مہمان ہوں؟“

”توبہ۔ توبہ۔ سادو کو۔ بھلا کبھی ایسا ہو سکتا ہے کہ میں تمہیں خوش آمدید نہ کہوں؟ ادبیری نے قدرے بے چینی سے کہا۔ ”اور یہ بھی ایک اتفاق ہے کہ اس وقت میں ایک مشہور اور عظیم آدمی کی میزبانی کا شرف حاصل کر رہا ہوں۔“

اور اس نے ماسوپو کی طرف دیکھا۔ ”آچہ۔ چھا۔“ سادو کو نے انجینیوں کی طرف دیکھا۔ ”لیکن ان میں سے کون عظیم ہے؟ میں اس لئے پوچھ رہا ہوں کہ اسے سلام کروں۔“

”یہ تم بخوبی جانتے ہو ادم فاکازانا (یعنی ذیل آدمی)“ ماسوپو نے غصے ہو کر کہا۔ ”اور میں یہ بھی جانتا ہوں ماسوپو کہ اگر تم اس کراں سے باہر ہوتے تو میں نے اپنے بھالے کی نوک سے تمہارے یہ الفاظ واپس تمہارے حلق میں ٹھونس دیئے ہوتے۔“ سادو کو نے غضبناک آواز میں جواب دیا۔ ”ماسوپو! نہ تو تم میری آنکھوں میں دھول جھونک سکتے ہو اور نہ میں تمہاری آنکھوں میں۔ میں جانتا ہوں کہ تم یہاں کیوں آئے ہو اور اسی طرح تم بھی جانتے ہو کہ میں یہاں کیوں آیا ہوں۔“ اور اس نے ایک نظر ماینا پر ڈالی۔ یہ بتاؤ ادبیری کہ آمان سوئی کا یہ ذیل اور بے حقیقت سردار تمہاری بیٹی کا قبول شدہ امیدوار ہے؟“

”نہیں۔ نہیں۔ سادو کو۔“ ادبیری نے جواب دیا۔ ”اس کا قبول شدہ امیدوار کوئی بھی نہیں ہے۔ اب تم بیٹہ کہ ہمارے ساتھ کھانا نہ کھاؤ گے؟ یہ بتاؤ سادو کو کہ تم کہاں رہے اتنے دنوں تک اور یوں اچانک، بغیر کسی اطلاع کے اور بن بلائے، کیوں آ گئے؟“

”ادبیری! میں یہاں سفید فام سردار میکو میزن سے چند باتیں کرنے آیا ہوں۔ رہا یہ سوال کہ میں کہاں رہا تو یہ میرا ذاتی معاملہ ہے اور اس سے تمہیں اور ماسوپو کو کبھی کوئی واسطہ نہ ہونا چاہئے اور نہ ہے۔“

”ادبیری!“ ماسوپو نے کہا۔ ”اگر تمہاری جگہ میں اس کراں کا سردار ہوتا تو میں نے اس خارشٹی لکڑی جگہ کو بار بار کہ یہاں سے بھاگ دیا ہوتا جو تمہارے دسترخوان کے کٹڑے کھانے اور اس نے کچھ سوچ کر اضافہ کیا۔“ شاید تمہاری اولاد کو اٹھالے جانے آتا ہے۔“

”میں نے کہا نہیں تھا میکو میزن کہ جب دو ہرن ملتے ہیں تو لڑ پڑتے ہیں؟“ ماینا نے ایک دم سے خوش ہو کر میرے کان میں کہا اور آہستہ سے ہنسی۔

”ہاں ماینا کہا تھا تم نے بلکہ شاید میں نے بھی کچھ کہا تھا۔ لیکن تم نے مجھے یہ نہیں بتایا کہ اس صورت میں خود ہرنی کیا کرے گی؟ میں نے کہا۔

”ہرنی اطمینان سے بیٹھ کر یہ دیکھے گی کہ اب کیا ہوتا ہے کیونکہ تم تو جانتے ہی ہو میکو میزن کہ ہرنی ایسا ہی کرتی ہیں۔“ وہ بولی۔

”اگر ایسا ہی ہے ماسوپو تو آؤ۔ میں خود تمہیں دعوت دیتا ہوں۔ مجھے یہاں سے بھاگنے کی کوشش کرو۔“ سادو کو نے کہا۔ ”میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں خوب کھلاؤں گا اس کراں سے باہر دوسرے بھی لکڑی جگہ ہیں جو مجھے سردار کہتے ہیں۔ یہی کوئی سودو سو ہوں گے۔ جو شاہ زولو پاٹا کی ایک خاص خواہش پوری کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں ہاں۔ ماسوپو پاٹا کی خواہش جس کے گھر آنے سے تمہیں نفرت ہے اور یہ بات صرف میں نہیں بلکہ سبھی جانتے ہیں۔ آؤ ماسوپو، گوشت اور شراب کوئی الحال اٹھا رکھو اور ہم لکڑی جگہوں کا شکار شروع کریں۔“

”لیکن ماسوپو خاموش اور دم بخود تھا اس شخص کی طرح جس نے بندر پکڑنے کے لئے جال بچھایا ہو لیکن

بتائیں گے جو آئندہ طلوع ہوں گے۔“

”مہینا! میں نے سادو کو کے پیچھے جاتے ہوئے کہا۔“ تم نے خشک گھاس میں آگ لگا دی ہے اور اب اس آگ میں بہت سی جانیں جل جائیں گی۔“ میں آگ لگانا چاہتی تھی میکومیزن! اس نے بڑے سکون سے جواب دیا۔ میں نے کہا نہیں تھا کہ میرے بدن میں آگ ہے جو کسی دن بھڑک اٹھے گی؟ لیکن میکومیزن! خشک گھاس میں یہ آگ میں نے نہیں تم نے لگائی ہے۔ جب زولو لینڈ کا نصف سے زیادہ حصہ راکھ بن جائے تو میری یہ بات یاد کرنا۔ الوداع میکومیزن۔ کم سے کم اس وقت تک جب تک ہماری دوسری ملاقات نہیں ہوتی اور“ اس نے نیچی آواز میں اضافہ کیا۔“ اس آگ میں کوئی بھی جلے میری دعا ہے کہ مقدس روجس تمہیں اس میں جلنے سے محفوظ رکھیں۔“

پھانک پر پہنچا تو مجھے اپنی خوش خلی یاد آگئی اور میں ادبیری اور اس کے شیروں کو الوداع کہنے کے لئے ان کی طرف گھوم گیا۔ اس اثناء میں ماسوپو اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا اور زنی بھینے کی طرح۔ گرج اور غرار ہاتھا۔

”قتل کرو داسے۔ نکڑے اڑا دو اس ذلیل لکڑ جھگے کے۔“ وہ چیخ رہا تھا۔ ”ادبیری حیرت ہے کہ تمہارے گھر میں میری توہین کی گئی، میری داڑھی کھینچی گئی اور مجھے چت گرا دیا گیا اور تم بیٹھے اپنے معزز مہمان کی یہ درگت دیکھتے رہے میں کہتا ہوں جاؤ اور اس سوزا کی قسم کے لکڑ جھگے قتل کرو۔“

”تم خود اسے کیوں قتل نہیں کر دیتے ماسوپو؟“ ادبیری نے لال پیلے ہو کر کہا۔ ”یا اپنے آدمیوں سے کہو کہ وہ جا کر اس کے نکڑے اڑا دیں۔ میری حیثیت ہی کیا ہے کہ تم جیسے بڑے اور بہادر سردار سے اس معاملے میں سبقت کرنے کی جرأت کرو۔“ پھر وہ میری طرف گھوم گیا۔ ”ذہن اور چالاک میکومیزن! اگر میرا سلوک تمہارے ساتھ اچھا رہا ہے تو آؤ اور بتاؤ کہ میں کیا کروں؟“

اس میں شیر آچسپا ہو۔ ”آہان سوی کے سردار! تم خاموش کیوں ہو گئے؟“ سادو کو نے کہا جو غصے اور خشک و رقابت سے دیوانہ ہو رہا تھا۔ ”کیوں سردار! تم ان لکڑ جھگوں کو بھگانے کی کوشش نہ کرو گے جن کا سردار ایک اوم فا کا زانا ہے؟ بہت اچھا تو اب اوم فا کا زانا وہ کہے گا جو اسے کہنا ہے۔“

اور سادو کو آگے بڑھ کر ماسوپو کے قریب پہنچا، اس کے دائیں ہاتھ میں بھالا تھا چنانچہ اس نے اپنا بایاں ہاتھ بڑھا کر اپنے رقیب کی چھوٹی سی بکرے جیسی داڑھی پکڑ لی۔

”من بے سردار کے بچے سادو کو نے کہا۔“ ہم اور تم دشمن ہیں۔ تم اس عورت کو اپنی بنانا چاہتے ہو جسے میں میں بھی اپنا بنانا چاہتا ہوں۔ تم امیر ہو اس لئے ہو سکتا ہے کہ تم اسے خریدنے میں کامیاب ہو جاؤ۔ لیکن اگر ایسا ہوا تو اسے اجداد کی روہوں کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نہ صرف تمہیں بلکہ تمہارے گھرانے کو قتل کر دوں گا۔ سن لیا تو نے دو فانیسل کے ذیل سے کسے؟“

”ان آتش لفظوں کے ساتھ اس نے ماسوپو کو وکیل کر جیت گرا دیا۔ ادبیری اور کو ماسوپو کے ساتھی حیرت سے مفلوج ہو گئے تھے۔ چنانچہ اس سے پہلے کہ وہ سنبھل کر سادو کو کو روکنے کی کوشش کرتے وہ کمرال کے پھانک سے باہر تھا۔ لیکن میرے قریب سے گزرتے وقت کہا:

”انکوی! یہاں سے فرصت پا لو تو میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔“

سادو کو! تجھے اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔“ ادبیری نے گرج کر کہا۔ مارے غصے کے اس کا رنگ تقریباً نیلا ہو رہا تھا۔ کیونکہ ماسوپو اب بھی اپنی چوڑی پیٹھے پر چت پڑا ہوا تھا۔ ”تو نے خود میرے گھر میں میرے مہمان کی توہین کی ہے۔“

”کسی نہ کی کو تو خمیازہ بھگتنا پڑے گا ادبیری۔“ سادو کو نے جواب دیا اور یہ کون ہو گا یہ تو وہ چاند ہی

”میں آ رہا ہوں اے ہاتھیوں کو کھا جانے والے“ میں نے کہا اور اس کے قریب پہنچا۔

”کیا ذہن کیا کروں۔ کیا کروں۔“ اس نے کہا۔ وہ ایک ہاتھ سے اپنے ماتھے کا پسینہ پونچھ رہا تھا اور دوسرے ہاتھ کی منہی پیمان کے عالم میں کھول اور بند کر رہا تھا۔ ”یہ دیکھو۔ اس طرف میرا ایک دوست کھڑا ہوا ہے۔“ اور اس نے غصے میں پھینکارتے ہوئے ماسوپو کی طرف اشارہ کیا۔ ”جو مجھے اپنے دوسرے دوست کو قتل کر دینے کے لئے کہہ رہا تھا۔“

اور اس نے کمرال کے پھانک کی طرف اشارہ کیا۔ ”اگر میں انکار کرتا ہوں تو میرا ایک دوست مجھ سے خفا ہو جاتا ہے اور اگر میں اس کی خواہش پوری کرتا ہوں تو مجھ پر بے ہاتھ اس خون میں رنگ جاتے ہیں جس کے عوض مجھے خون ہی دینا پڑے گا۔ کیونکہ سادو کو، مالانک غریب ہے، لیکن اس کے دو آدمی بھی ہیں جو سے چاہتے ہیں چنانچہ وہ اس کے خون کا انتقام لینے ضرور آئیں گے۔“

”ہاں میں نے جواب دیا۔“ میں سمجھتا ہوں کہ تم نہ صرف اپنے ہاتھ بلکہ جسم کے دوسرے حصے بھی اس خون سے رنگ دو گے کیونکہ سادو کو مینڈھا تو ہے نہیں کہ خاموشی سے ذبح ہو جائے تم جانو ادبیری وہ خاموش اور چین سے بیٹھے والا نہیں۔ اس کے علاوہ، وہ ابھی ابھی اعلان کر چکا ہے کہ وہ اکیلا نہیں ہے۔ ادبیری! اگر تم خود اپنی خیریت چاہتے ہو تو اس معاملے میں نہ پڑو غلطی اسی میں ہے کہ خود ماسوپو کو اپنا شکار کرنے دیا جائے۔“

”بہت اچھا مشورہ ہے۔ بہت مناسب مشورہ ہے۔“ ادبیری نے کہا اور پھر عظیم ماسوپو کی طرف گھوم کر بولا۔ ”ماسوپو! اگر تم سادو کو سے جنگ کرنا چاہتے ہو تو میرا کچھ خیال نہ کرو۔ میں کچھ دیکھ نہیں رہا۔ میں کچھ کن نہیں رہا میری آنکھیں اور میرے کان بند ہیں اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ جو مارا جائے گا اسے رسم کے مطابق دفن کروں گا۔ اب مناسب ہو گا کہ تم جلدی

کر دو کیونکہ سادو کو جا رہا ہے۔ تمہارے پاس اور تمہارے ساتھیوں کے پاس بھالے ہیں اور کمرال کا پھانک کھلا ہے۔“

”میں! یعنی اس لکڑ جھگے کا سر توڑنے کے لئے میں اپنے سامنے رکھا ہوا گوشت کھا لے بغیر ہی چلا جاؤں گا؟“ ماسوپو نے بہادرانہ انداز میں جواب دیا۔ ”نہیں اس لکڑ جھگے کو اس وقت تک انتظار کرنا پڑے گا جب تک کہ میں فرصت نہیں پالتا۔ اے میرے لوگو! بس جہاں ہو وہیں بیٹھے رہو۔ یہ میرا حکم ہے میکومیزن! تم سادو کو سے کہہ دینا کہ میں آ رہا ہوں اور دیکھو مناسب ہو گا کہ تم سادو کا ساتھ نہ دو مبادا تم اسی کے ساتھ قہر کے گڑھے میں جا پڑو۔“

”بہت اچھا۔ میں اس سے کہہ دوں گا۔“ میں نے جواب دیا۔ ”حالانکہ نہیں جانتا کہ مجھے تمہارا پیغامبر ایک دم سے کس نے بنا دیا۔ لیکن اے بڑبڑولے اور اے کچھ نہ کرنے والے! میں تمہیں خبردار کر دیتا ہوں کہ اگر تم نے میرے خلاف اٹھی بھی اٹھائی تو گڑھوں کے متعلق تو میں تمہیں سبق دوں گا اور تمہارے اس موٹے بدن میں ایک دوسرا رخ پیدا کر دوں گا۔“

پھر میں آگے بڑھا، ماسوپو کے قریب پہنچ کر اسے گھور کر دیکھا اور معنی خیز انداز میں اپنے دونوں پسٹول کے دتے کو تھپتھپایا جو اس وقت میری جینی میں اڑسا ہوا تھا۔

ماسوپو منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑا کر ایک دم سے چند قدم پیچھے ہٹ گیا۔

”خیر۔ معافی مانگنے کی کوئی ضرورت نہیں البتہ آئندہ سے بولنے میں ذرا احتیاط کرنا۔“ میں نے کہا۔ ”اچھا سردار ماسوپو! حکم میرا ہو کہ گوشت کھاؤ ادبیری! دعا ہے کہ تمہارے کمرال میں امن و سکون قائم رہے۔“

”اتنا کہہ کر میں پلٹا اور پھانک کی طرف چل دیا۔ پیچھے سے ماسوپو کے غصے میں بھرے ہوئے ساتھیوں کی

جسٹس اور ماینتا کی ہنسی سنائی دے رہی تھی۔
”حیران ہوں کہ ماینتا دونوں میں سے کس سے
شادی کرے گی۔“ میں نے اپنے چھکڑوں کی طرف

جاتے ہوئے سوچا۔
”پڑاؤ کے قریب پہنچا تو دیکھا کہ بیلوں کو
جوتا جا رہا تھا غالباً سکاؤل کے حکم سے اس نے شاید
من لیا تھا کہ کراں مین جھگڑا ہو گیا تھا چنانچہ وہ بھاگ
نکلنے کے انتظامات کر رہا تھا۔ لیکن میرا یہ خیال غلط تھا
کیونکہ فوراً ہی قریب ہی جھاڑیوں میں سے سادو کو نکل
آیا اور بولا:

”انکوی! تمہارے ملازموں کو تیل جوتے کا حکم
میں نے دیا ہے۔“
”اچھا! میں نے کہا۔“ تب یہ بھی بتا دو کہ کیوں؟“
”اس لئے انکوی کہ رات کا اندر اترنے سے
پہلے ہمیں شمال کی طرف کافی دور پہنچ جانا ہے۔“
”واہ! لیکن میں تو جنوب مشرق کی طرف
جا رہا ہوں۔“

”باغی تو جنوب کی طرف رہتا ہے اور نہ مشرق
کی طرف۔ سادو کو نے آہستہ سے کہا۔
”باغی! واہ! میں باگو کے متعلق تو بھول ہی
گیا تھا۔“ میں نے جیلے حوالے کرنے کی کزوری
کوشش کی۔

”بھول گئے تھے!“ سادو کو نے غصیلے لہجے میں
کہا۔ ”یہ تو میں نے آج تک نہیں سنا کہ میکومیزن وعدہ
کر کے کمر جاتا ہے۔“
”سادو کو! مناسب ہو گا کہ تمہیں جو کچھ کہنا ہے
صاف صاف کہہ دو۔“

”اب یہ ضروری ہو گیا ہے؟“
”ہاں۔“

”تو سنو۔ میکومیزن۔“ سادو کو نے اپنے شانے
اچکائے۔ اگر میرے کانوں نے مجھے دھوکا نہیں دیا تو پھر
یقیناً تم نے باگو کے خلاف، میرے ساتھ مل کر جنگ
کرنے پر رضامندی کا اظہار کیا تھا۔ بہر حال شاہ دولو

کی اجازت سے میں نے آدی جمع کر لئے ہیں جو وہاں
ہمارا انتظار کر رہے ہیں، اور اس نے جھاڑیوں کے اس
محبانہ جھنڈ کی طرف اپنے بھالے سے اشارہ کیا جو چند
میل دور نشیب میں تھا البتہ اگر تم نے ارادہ بدل دیا تو
ٹھیک ہے میں اکیلا ہی چلا جاؤں گا اور اس صورت میں
مناسب ہو گا کہ ہم اسی وقت ایک دوسرے کو الوداع کہہ
دیں کیونکہ مجھے ایسے دوستوں کی ضرورت نہیں جو
بھالوں کے پھل چمکتے دیکھتے ہیں تو اپنے دوست کا ساتھ
چھوڑ جاتے ہیں۔“

”اب یہ میں نہیں کہہ سکتا کہ سادو کو نے یہ
الفاظ سوچے سمجھے ہوئے مقصد کے تحت کہے تھے یا
جوش اور غصے کے عالم میں بے اختیار اس کے منہ سے
پلک پڑے تھے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اگر اس
نے اس طرح میری شرافت کو چیلنج نہ کیا ہوتا تو شاید
میں اسے الوداع کہہ دیتا۔ حالانکہ اس معاملے میں
میں نے سادو کو سے کوئی وعدہ نہ کیا تھا لیکن میں ہمیشہ
اس پر فخر کیا کرتا تھا کہ میں نے جب بھی کسی کا فرسے
لنگڑا وعدہ بھی کیا ہے تو اسے نبھایا ہے اور جو بھی سورا
کیا ہے اسے پورا کیا ہے۔

”میں چلوں گا تمہارے ساتھ سادو کو۔“ میں
نے بڑے سکون سے کہا۔ ”خدا کرے کہ میدان جنگ
میں تمہارا ابھلا بھی تمہاری زبان کی طرح تیز ثابت ہو۔
لیکن سادو کو! اگر آئندہ تم نے مجھ سے اس طرح گفتگو کی
تو پھر ہم دونوں میں جھگڑا ہو جائے گا۔“

اور میں نے دیکھا کہ سادو کو کے چہرے پر
اطمینان بکھر گیا۔

”میں اپنی تلخ کلامی کی معافی چاہتا ہوں
میکومیزن! اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ لیکن ہائے۔
میرے دل میں ایک بڑا سا سوراخ پیدا ہو گیا تھا۔
میں سمجھتا ہوں کہ ماینتا مجھے دھوکا دینے والی ہے اور
وہاں کراں میں اس کے ماسو پو کے ساتھ جو معاملہ
ہوا ہے اس کے بعد اویزی کو یقیناً مجھ سے نفرت
ہو گئی ہوگی۔“

”سادو کو! اگر تم میرا مشورہ چاہتے ہو تو میں یہی
کہوں گا کہ بہتر ہو گا کہ تم ماینتا کو اپنے دل کے اس
سوراخ میں سے باہر نکل جانے دو۔“ میں نے سچے دل
سے کہا۔ ”اسے بھول جاؤ۔ ہمیشہ کے لئے ہاتھ دھو لو اس
سے سادو کو۔ اب یہ نہ پوچھو کہ کیوں؟“

”یہ پوچھنے کی شاید ضرورت بھی نہیں
میکومیزن! شاید اس نے تم سے محبت کا اظہار کیا تھا
لیکن تم نے اسے ٹھکرایا اور تمہیں ایسا ہی کرنا چاہئے تھا
کیونکہ وہ اول تو تمہارے قابل نہیں اور پھر تم میرے
دوست بھی ہو۔“

سانے والے سے اپنی ایسی تعریف سن کر بعض
اوقات آدی ایک عجیب طرح کی بے چینی محسوس کرنے
لگتا ہے لیکن اس وقت میں نے نہ تو اقرار کیا اور نہ ہی
انکار کرنے کی کوشش کی۔ اپنی صفائی میں کچھ کہنا تو خیر
دور کی بات تھی۔

”شاید ایسا ہی ہوا ہو۔“ سادو کو نے سلسلہ کلام
جاری رکھا شاید ماینتا نے ہی اس خفیہ سوراخ کو پورا بھیجا
ہو۔ میں تم سے کچھ نہیں پوچھ رہا کیونکہ جانتا ہوں کہ اگر تم
جانتے بھی ہو گے تب بھی مجھ سے کچھ نہ کہو گے اس کے
علاوہ اس سے کچھ فرق بھی نہیں پڑ جاتا۔ جب تک
میرے دماغ میں نام یاد رکھنے کی قوت ہے میں اس کا نام
نہ بھولوں گا۔ اس کے علاوہ میں اسے اپنی بیوی بنانا چاہتا
ہوں۔ اچھا۔ اب میرا ارادہ ہے کہ باگو پر چڑھائی کرنے
سے پہلے اپنے چند آدی لے کر جاؤں اور اس خفیہ سوراخ
کو پورا ٹھکانے لگا دوں۔“ اس طرح کم سے کم یہ ایک کاٹھا
نومیرے راستے سے ہٹ ہی جائے گا!“

”اگر تم نے ایسا کیا سادو کو تو پھر باگو سے لڑنے
تم اکیلے ہی جاؤ گے۔ میں کسی کے بھی خون میں شریک
ہونا نہیں چاہتا چنانچہ میں اسی وقت اپنا ذرا خیمہ اٹھا کر
مشرق کی طرف روانہ ہو جاؤں گا۔“

”جیسی تمہاری مرضی انکوی۔ میں خفیہ سوراخ کو اس
وقت تک قفل نہ کروں گا جب تک کہ حملہ کرنے میں وہ
خود ہائل نہیں کرتا اور میرا مقصد سناپ مجھ سے کہہ رہا

ہے کہ وہ حملہ کرے گا۔ خیر اسے اور دنا ہونے دو۔ بھر
دیکھا جائے گا۔ اب میکومیزن پسند کریں تو چھکڑوں کی
روانگی کا حکم دے دیں۔ راہبری میں کروں گا کیونکہ آج
رات ہمیں ان جھاڑیوں میں قیام کرنا ہے۔ جہاں
میرے آدی ہمارا انتظار کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ
وہاں تمہیں ایک پیغام بھی ملے گا جو ایک پیغام تمہارے
لئے لے کر آیا ہے۔“

اس زمانے میں زولو لینڈ میں راستے نہ تھے اور
گر تھے تو صرف وہ میویشیوں اور جانوروں کی مسلسل
آمدورفت سے پیدا ہو گئے تھے۔ چنانچہ ہم اسی قسم کے
ایک ڈھلانی راستے پر سفر کرتے ہوئے چھ گھنٹے بعد
جھاڑیوں کی اس گنجائش میں پہنچ گئے جس کا ذکر
سادو کو نے کیا تھا۔

یہ جگہ مجھے آج تک اچھی طرح سے یاد ہے۔
یہ ایک قسم کا ہموار میدان یا ڈھلان کا پینڈا تھا جس میں
درخت تھے وہ کچھ زیادہ بلند نہ تھے۔ چند درخت
کانٹے اور میوسا کے تھے۔ دوسرے درختوں کے پتے
حیرت انگیز حد تک نیلے تھے ان درختوں کے پتے سرخ
اور بے حد سرخ تھے۔ اس میدان میں سے ایک دریا
بھی مل کھاتا ہوا بہہ رہا تھا جو اس خشک موسم میں زیادہ
گہرا نہ تھا۔ دریا کے کنارے پر اگی ہوئی گھاس میں
کئی مرغیوں کے جھنڈ کے جھنڈ شور مچا رہے تھے۔
دوسری قسم کے پرندوں کی بھی کمی نہ تھی۔ یہ بے حد
خاموش اور تنہا مقام تھا اور یہاں مختلف قسم کے شکار
افراط سے تھا۔ اس کے علاوہ یہ علاقہ خاصا وسیع و
عریض تھا اور جس طرف بھی نظر ڈالتے بس جھاڑیاں
اور درخت ہی دکھائی دیتے تھے۔

ہم نے دریا کے کنارے پر اس جگہ پڑاؤ ڈال
دیا جو سادو کو نے مجھے بتادی تھی، اس دریا کا نام اب مجھے
یاد نہیں رہا۔ پڑاؤ کے انتظامات ہو چکے تو ہمارا کھانا پکے
لگا اور اس وقت ہمارے لئے بڑے پھینے کا گوشت پک
رہا تھا جب ہم یہاں پہنچے تھے تو ان چوہائیوں کا ریوڑ
ہمارے پڑاؤ کے قریب سے گزر رہا تھا، چنانچہ میں نے

ایک انٹی لپ شکار کر لیا تھا۔ جب ہم کھانا کھا رہے تھے تو چھوڑ کر آٹھ آٹھ کی ٹولیاں میں سا زولوانے لگے۔ ان کا تانا بندا گیا۔ یہ لوگ آتے اپنے بھالے بلند کر کے سلام کرتے۔ اب یہ میں نہیں جانتا کہ وہ سلام مجھے کرتے تھے یا سادو کو اور پھر ہمارے اور دریا کے درمیان بٹنی ہوئی جگہ میں خاموشی سے بیٹھ جاتے حالانکہ یہ کہنا مشکل تھا کہ یہ زولو کہاں سے آرہے تھے، کیونکہ وہ چھاڑیوں میں سے بھوتوں کی طرح نکل آتے تھے، اس کے باوجود مجھے مناسب معلوم ہوا کہ خود ان کی طرف کوئی دھیان نہ دیا جائے۔ چنانچہ میں بے تعلقی رہا خصوصاً اس لئے بھی کہ ان کی اندھیلے سے ہی طے شدگی۔

”گوں ہیں یہ لوگ؟“ کاڈل میرے لئے شراب لایا تو میں نے اس سے سرگوشی میں پوچھا۔ سادو کے وحشی سا مٹی ”اس نے اسی طرح سرگوشی میں جواب دیا۔“ اس کے قبیلے کے خنوار لیرے جو پہاڑوں میں رہتے ہیں۔“ اور اب میں نے ان انٹیوں سے ان کا جائزہ لیا۔ اس وقت میں اپنا پاپ سلا رہا تھا اور بظاہر اسی طرف متوجہ تھا۔

مجھے کہنا پڑتا ہے کہ میرے سامنے غیر معمولی قسم کے وحشی گروہ رہ رہتے ہوئے تھے۔ طویل القامت اور دبے مگر مضبوط جسم والے لوگ جن کے بال بے ترتیب تھے، جنہوں نے لباس کے نام پر اپنے شانوں پر سوراخ دار، پرانی کھالیں ڈال رکھی تھیں اور مٹھم ایسا ہوتا تھا کہ ان کے پاس دنیاوی اثاثے کے نام پر کچھ تھا سوائے تھوڑی سی نسوان، چند چٹائیوں اور بہت سی جنگی ڈھالوں، لٹو دار ڈنڈوں اور چوڑے پھل والے بھالوں کے یہ لوگ، جنہیں دیکھتے ہی دل پر ایک طرح کا خوف طاری ہونے لگتا تھا، ہمارے گردنم دائرہ دہائے بیٹھے تھے۔ بالکل اسی طرح جس طرح کہ سادو گرا (کہہ کرے) ہوتے ہی بٹل کے گرد خاموش اور شکر بیٹھے رہتے ہیں۔

میں اپنا پاپ پیتا رہا اور میں اب بھی ان کی

طرف متوجہ نہ ہوا۔ جیسی کہ تو فتح تھی میری اسی خاموشی نے سادو کو بے چین کر دیا اور اس نے کہا: ”میکو میزن! یہ آ زما گوانے قبیلے کے لوگ ہیں اور یہ تین سو ہیں جو باگو کے بھالوں سے فوج لگے ہیں پورے قبیلے میں سے صرف یہ تین سو آدمی زندہ بچے ہیں جبکہ ان کے باپ قتل کر دیئے گئے تو عورتیں اپنے بچوں کو لے کر فرار ہو گئیں۔ خصوصاً ان کراٹوں کی عورتیں جو مرکزی کراٹ سے ذرا فاصلے پر تھے۔ اب میں نے انہیں اکٹھا کر لیا ہے کہ باگو سے ان کے باپوں کے خون کا بدلہ لیا جائے اور میں اس خون کی وجہ سے، جو میری رگوں میں گردش کر رہا ہے ان کا سردار ہوں۔“

”بالکل“ میں نے جواب دیا۔ ”میرا مطلب ہے میں یہ تو دیکھ رہا ہوں کہ تم نے انہیں جمع کر لیا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا یہ لوگ خود اپنی جانوں کو خطرے میں ڈال کر باگو سے انتقام لینے کو تیار ہیں۔“

”تیار ہیں اسے سفید فام آنکھی“ تین سو آدمیوں نے ایک آواز ہو کر جواب دیا اور اسے سادو کو یہ لوگ تھیں اپنا سردار تسلیم کرتے ہیں۔

”ہاں۔ ہم سادو کو اپنا سردار تسلیم کرتے ہیں۔“ ایک بار پھر تین سو آدمیوں نے گرج کر جواب دیا۔ اور تب ان کا ایک نمائندہ آگے آ گیا۔ یہ شخص مع تھا اور اس کے بال سفید ہو چکے تھے۔ یہاں میں یہ بتا دوں کہ اسی گروہ میں معمر لوگ اتنے ہی تھے کہ انگلیوں پر گنے جاسکتے تھے بقدر عمر میں سادو کو کے برابر بلکہ اس سے بھی کم عمر تھے۔

”اے میکو میزن! اے پاسبان شب!“ اس بوڑھے نے کہا۔ ”میں شوزا ہوں۔ سادو کو کے باپ ماتیرا نے کا بھائی اس کے بھائیوں میں سے تھا میں اپنی جان سلامت لے جا سکا۔ اے لوگو! میں نے جی کہا کہ نہیں؟“

”ہاں۔ تم نے جی کہا۔“ اس کے پیچھے گروہ دور گروہ بیٹھے ہوئے آماگوانے لوگوں نے جواب دیا۔

”میں سادو کو اپنا سردار تسلیم کرتا ہوں۔“ تین سو آدمیوں نے میدان میں گرج کی بازگشت کی طرح لڑھکتی ہوئی آواز میں اپنا جواب دیا۔

”میکو میزن! ماتیرا نے کے مرنے کے بعد ہم جس طرح بن پڑا ہے جیسے ہیں۔ پہاڑوں میں بندروں کی طرح رہے ہیں بغیر موسیوں کے اور بعض اوقات بلند چھوٹیوں کے۔ ہاں میکو میزن! ہم پر یہ شخص وقت بھی پڑا ہے کہ ہمارے سروں پر چھوٹی کی چھت اور چادریں اس کی دیوار میں نہ بٹھیں اور ہم بھٹکتے رہے۔ جی ہاں۔ کبھی وہاں۔ ہم بٹھ گئے۔ جس کو جہاں سر چھانے کی جگہ ملی وہ وہیں رہ پڑا۔ بہر حال ہم زندہ رہے کسی نہ کسی طرح جیتے رہے اور اس وقت کا انتظار کرتے رہے جب ہم باگو سے انتقام لیں گے۔ ہمیں یقین تھا کہ وہ وقت آئے گا کیونکہ زولو لینڈ کے عقلمند ترین آدمی زکالی نے جو خود ہم میں سے ہے، اس کا وعدہ لیا تھا اور اب ہمارا خیال ہے کہ وہ وقت آ گیا ہے۔ چنانچہ باگو کے علاقے پر ہم یہاں سے اور وہاں سے اور ہر طرف کے آگے کے باگو پر چڑھائی کریں اور اس پر یا تو فتح حاصل کریں یا مارے جائیں۔ اے آماگو نے قبیلے کے لوگوں میں غلط تو نہیں کہا؟“

”نہیں! شوزا! تم نے غلط نہیں کہا۔“ ایک بار پھر تین سو آدمیوں نے ایک ساتھ جواب دیا اور اس جوش کے ساتھ کہ درختوں کے پتے تک لرز گئے۔

”نیک ہے اے شوزا! اے ماتیرا نے کے بھائی اور سادو کو کے بچا۔ میں سمجھ گیا۔“ میں نے جواب دیا۔ ”لیکن باگو کی طاقت کوئی انحال بھول جاؤ کیونکہ خود تم نے کہا ہے کہ تم یا تو اس پر فتح حاصل کر لو گے یا قتل ہو جاؤ گے کیونکہ تمہارے پاس اب گوانے کو کچھ نہیں رہ گیا ہے۔ اگر تم فتح یاب ہو گے اور اگر مارے گئے تو تم خود مارے جاؤ گے اور تمہاری کہانی زولو لینڈ کے کراٹوں میں الاؤ کے گرد پیچ کر بیان کر دی جائے گی۔ یہاں تک تو سب ٹھیک ہے۔ لیکن فرض کرو کہ فتح تمہاری ہوتی ہے تو پھر شازو زولو پاٹھ اتم سے اور مجھ سے کیا کہے گا کیونکہ ہم

زولو لینڈ میں جنگ چھیڑ دیں گے۔ اور ماگوانے لوگوں نے گروہیں کھانکھا کر پیچھے دیکھا اور سادو کو گونے چھ کر کہا۔

”اے پاٹھ کے بیٹا برا سامنے آؤ۔“ سادو کو کی آواز کی بازگشت ابھی ختم بھی نہ ہوئی تھی کہ میں نے دیکھا کہ ایک پست قامت اور سولہ مارا بوڑھا حاطیل القامت آماگوانے کے درمیان سے گزرتا اور انہیں پھلانگتا میرے سامنے آکر اڑھا۔

”سلام اے میکو میزن! بچاتے ہو مجھے؟“ اس نے پوچھا۔

”ہاں۔ اچھی طرح سے۔“ میں نے جواب دیا۔ ”میں جانتا ہوں تمہیں۔ تم پاٹھ کے انڈوانہ (شیروں) میں سے ایک ہو اور تمہارا نام پاٹھ ہے۔“

”بے شک میکو میزن۔ میں پاٹھ ہوں۔ پاٹھ کے انڈوانہ میں سے ایک اس کا درباری، اس کی اسی (فوج کا کپتان جیسا کہ میں اس کے بھائیوں کا بھی مشیر اور ان کا بھی درباری اور ان کی فوجوں کا بھی کپتان تھا۔ لیکن پاٹھ کے دونوں بھائی جاچکے چنانچہ اب ان کے نام لینا خلاف قانون ہے۔ بہر حال شازو زولو پاٹھ نے سادو کو کی درخواست پر اپنے ایک بیٹا کے ساتھ مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے۔“

”یہ میں کیسے تسلیم کروں کہ تم پاٹھ کے ہی فرستادہ ہو۔“ میں نے کہا یا بادشاہ کی طرف سے کوئی شناختی نشان لائے ہو؟“

”لایا ہوں میکو میزن! پاٹھ نے کہا۔“ اس نے اپنے لہارے میں ہاتھ ڈال دیا، چند ٹائیں تک ٹوٹے رہنے کے بعد اس نے کوئی چیز نکالی جو خشک پتوں میں لپی ہوئی تھی۔ اس کے خشک پتے کھول کر وہ چیز میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا: ”پاٹھ انے یہ چیز نشانی کے طور پر بھیجی ہے اور کہا ہے کہ میکو میزن! ایک بار پھر اسے پہچان لے گا۔ اس کے علاوہ پاٹھ نے کہا ہے کہ تم اسے اپنے پاس ہی رکھو۔ کیونکہ پاٹھ انے تمہاری ہدایت کے مطابق اس

میں سے دو گولیاں کھائیں تو اور بھی زیادہ پیار ہو گیا اور اب اسے ان گولیوں کی ضرورت نہیں۔
میں نے وہ نشان اپنی ہاتھ میں لے کر چاند کی چاندنی میں اس کی طرف دیکھا تو اسے فوراً پہچان لیا۔
یہ چٹھے کا پس تھا جس میں چلاب کی بڑی زوڈاڑ گولیاں ہیں۔ کس کے دلکھن پر جلی حروف میں لکھا ہو۔
ایٹن کو اڑھتین۔

صرف ایک گولی حسب ہدایت کھائی جائے۔
ان گولیوں اور کس کے شفق مزید کچھ کے بغیر میں صرف اتنا بتا دوں کہ میں نے "صرف ایک گولی حسب ہدایت کھائی تھی اور پھر گولیوں کا پورا پس شاہ زوڈو پاؤں کی خدمت میں تحفہ پیش کر دیا تھا جو سفید قاموں کی دو کھانے کا بڑا مشاق تھا۔
"میکو میزن! انسانی کو پہچان لیا تم نے؟" ماپوٹا نے پوچھا۔

"ہاں" میں نے جواب دیا۔ "اور بادشاہ کو اپنے اجداد کی رودوں کا شکر گزار ہوتا چاہئے کہ اس نے تمہیں ملکہ دو گولیاں کھائیں۔ اگر تمہیں وہ تین گولیاں کھا جاتا تو اس وقت زوڈو لینڈ کا بادشاہ کوئی اور ہوتا اچھا۔ اے شاہ زوڈو کے سیر۔ جو کہتا ہے۔"

لیکن میں سوچے بغیر نہ رہ سکا کہ یہ افریقی کتنے بھولے ہیں سے کسی عجیبہ بات کو مضحکہ خیزی سے گڈمڈ کر دیتے تھے۔ پہلے بھی کئی دفعہ ایسا ہوا تھا لیکن اس وقت آپ اس حالہ معاملے کو ہی سمجھنے کے لیے اس میں ہزاروں نہیں تو سینکڑوں انسانوں کی جانیں ضرور جانے والی تھیں لیکن اس معاملہ کا پشت و پناہ اور خود مختار بادشاہ میرے لئے جو شائق نشان بھیجتا ہے وہ چلاب کی گولیاں ہیں۔ بہر حال اس سے کچھ اور ہوا ہو یا نہ ہوا ہو مقصد ضرور پورا ہو گیا۔

یہ دیکھ کر ماپوٹا تہائی میں مجھے پاؤں کا پیغام دینا چاہتا تھا۔ میں اسے ایک طرف لے گیا۔
"میکو میزن!" جب دوسروں کی حد ساعت سے باہر آگئے تو وہ بولا۔ "میں نے سارا یقین کر لیا ہے

کہ تم نے ہانگو کے خلاف سادو کو کا ساتھ دینے کا وعدہ کر لیا ہے۔ میکو میزن یہ الفاظ جو میں کہہ رہا ہوں شاہ زوڈو پاؤں کے ہیں جو میری زبان ادا کر رہی ہے۔ پاؤں آگے کہتا ہے۔ اگر یہ معاملہ کسی اور کا ہوتا تو میں اس کو شروع ہونے سے پہلے ہی اور میکو میزن خصوصاً تمہیں اس میں حصہ لینے سے روک دیتا کیونکہ تم سفید قام ہو اور یہ کسی بھی سفید قام کا ذاتی معاملہ نہیں ہے۔ لیکن وہ کہتا ہے جس کا نام ہانگو ہے۔ بڑا ہی بد معاش ہے۔ کئی برسوں پہلے اسی ہانگو کو ماتیوانے پر چڑھائی کرنے کی اجازت دے دی۔ اس نے عظیم کالے کے کان بھرنے شروع کئے اور ماتیوانے پر، جو میرا دوست تھا، جھوٹے الزام لگائے۔ اس کے بعد اس بد معاش ہانگو نے دھوکے سے ماتیوانے اور اس کے پورے قبیلے کو نیست و نابود کر دیا سوائے سادو کو اور چند آدمیوں کے جو اس وقت فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ اس کے علاوہ پچھلے ایک عرصے سے یہی کالا ہانگو میرے خلاف میرے ہی آدمیوں کو بھڑکار رہا ہے، وہ میرے خلاف ملک کے طول و عرض میں بغاوت کی آگ بھڑکا دینا چاہتا ہے کیونکہ جانتا ہے کہ اس کے جرم کی وجہ سے میں اس سے نفرت کرتا ہوں۔ لیکن میں، شاہ مولو پاؤں، اپنے دونوں پیش روؤں کے برخلاف صلہ پسند ہوں اور زوڈو لینڈ میں خاندان کی آگ بھڑکانا نہیں چاہتا۔ کیونکہ کوئی نہیں جانتا کہ ایسی آگ کہاں جا کر ختم ہوگی اور کون کون سے کراؤں کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔ اس کے باوجود میں یہ ضرور چاہتا ہوں کہ ہانگو کو اس کے کئے کی سزا مل جائے اور اس کا غرور بھی خاک میں مل جائے۔ چنانچہ میں سادو کو کو اور اس کے قبیلے کے ان بچے جو بڑے لوگوں کو، جو سادو کو کا ساتھ دے رہے ہیں، اجازت دیتا ہوں کہ اگر وہ ہانگو سے انتقام لے سکتے ہیں تو بے شک لے لیں اور میکو میزن! میں تمہیں بھی سادو کو کا ساتھ دینے کی اجازت دیتا ہوں۔ اس کے علاوہ فتح کی صورت میں جتنے بھی مویشی تم لوگوں کے ہاتھ آئیں گے میں ان کا حساب طلب نہ کروں گا۔ تم اور سادو کو انہیں اپنی مرضی

میں تقسیم کر سکتے ہو۔ لیکن یہ یاد رکھو کہ میں اس کے اگر تم اور تمہارے آدمی ڈکھی ہوئے یا تمہارا لی سالن لٹ گیا تو میں اس کے متعلق نہ تو کچھ جانتا ہوں اور نہ ہی میں تانال کے "سفید گھر" کے سامنے اس کے لئے جواب دہ ہوں گا دوسرے لفظوں میں یہ تمہارا ہاتھ معاملہ ہوگا۔ جس سے مجھے کوئی سروکار نہیں۔ تو یہ ہیں ہانگو! شاہ زوڈو، کے الفاظ۔ بس میں کہہ چکا۔
"مطلب یہ میں نے کہا،" کہ مجھے پاؤں کے ہر سے مطلب یہ ہوئی ہوئی صلاح نہ صرف باہر بھینتی ہے بلکہ وہ میں سے بھی کرتا ہے۔ اگر میں کامیاب ہو گیا ہوں تو اس کے خنڈے ہونے کے بعد اس کا ایک کلوڑا ڈسلاخ کے خنڈے ہوں۔ لیکن اگر میری انگلیاں جل گئیں تو یہ میرا اپنا تصور ہوگا چنانچہ مجھے اور میرے گھروالوں کو شکایت لے کر پاؤں آگے پاس جانے کی اجازت نہ ہوگی۔"

"اے پاسبان شب! تم نے اپنا بھالا بھیننے کے عزم دل میں اتار دیا ہے ماپوٹا نے اپنا بڑھاسر ہلا کر کہا۔
"ماپوٹا! اپنے بادشاہ سے کہنا کہ میں سادو کو کے ساتھ جاؤں گا کیونکہ میں نے اس سے وعدہ کیا ہے اور اس لئے بھی کہ اس کی دکھ بھری داستان نے مجھے بے حد متاثر کیا ہے نہ کہ اس لئے کہ میں مویشی حاصل کرنا چاہتا ہوں البتہ میں نے اپنے کپ میں یا اس کے آس پاس مویشیوں کو ڈکراتے ہوئے سنا تو بے شک انہیں اپنے قبضے میں کر لوں گا۔ اور پاؤں آگے کہا کہ اگر اس مہم میں مجھے کچھ ہو گیا تو اس کا الزام اس پر نہ آئے گا، نہ وہ اس کے متعلق کچھ سنے گا اور نہ ہی میں اس کے اونچے نام کو اس معاملے میں بھڑکاؤں گا لیکن اگر اس کے بعد کچھ ہو تو پھر پاؤں آگے چاہئے کہ وہ مجھے الزام دے۔ ماپوٹا! سمجھ گئے تم؟"

"ہاں سمجھ گیا میکو میزن۔ میں تمہارا پیغام لفظ بہ لفظ شاہ زوڈو کے سامنے ہر ادوں گا۔ میکو میزن! ادعا ہے کہ جب تم ہانگو کے تقریباً ناقابل تفسیر پہاڑ پر حملہ کرو تو

مقدس روح تمہاری حفاظت کرے" ماپوٹا نے کہا اور پھر کچھ سوچ کر بولا۔ "اگر تمہاری جگہ میں ہوتا تو میں پو پھٹنے سے کچھ پہلے یا پو پھٹنے وقت حملہ کرتا کیونکہ جانتا ہوں کہ آما کو باکس بہت زیادہ شراب پیئے اور مردے کی سی گہری نیند سوتے ہیں۔"

اس کے بعد ہم دلوں نے۔ یعنی میں نے اور ماپوٹا نے ایک چنگی سوار اپنے ہتھوں میں چڑھائی اور پھر ماپوٹا اس وقت "نوڈو انگو" (یعنی پاؤں آگے کے دارالسلطنت) کی طرف روانہ ہو گیا۔

اس واقعہ کے ٹھیک چودہ دن بعد، مات بھر سنگاخ علاقے میں سفر کرتے رہنے کے بعد، میں اور سادو کو اپنے اہانگو نے سپاہیوں کے ساتھ اس سنگاخ علاقے میں تھے جس کے قدموں میں ایک وادی تھی جو اکا دکا درختوں کی وجہ سے انگلستان کے کسی خوبصورت پارک کی طرح معلوم ہوتی تھی اور سامنے وہ پہاڑ تھا جس کے پہلو پر آما کو باکس کے سردار ہانگو کمال تھا۔

حقیقت میں وہ بڑا ہی مہیب پہاڑ تھا۔ اور ان تمام راستوں پر، جو اوپر جاتے تھے، پتھروں کی دیواریں بنادی گئی تھیں اور ان دیواروں میں سے گزرنے کے لئے جو دروازے چھوڑے گئے تھے وہ اتنے تنگ تھے کہ ان میں سے ایک وقت میں صرف ایک گھس بیٹھ کر گزر سکتا تھا۔ اس کے علاوہ ہم نے دیکھا کہ ان تمام دیواروں کو حال ہی میں مزید احتیاط کے لئے اور بھی زیادہ مضبوط کیا گیا تھا غالباً اس لئے کہ ہانگو کو یہ تھا کہ پاؤں آگے نظر اس پر اور اس کی کراہ پر تھیں۔

چنانچہ وہاں اور پہاڑ کے ایک شکاف میں اگی ہوئی گنجائش چھاڑیوں کے درمیان ہم بشورہ کے لئے بیٹھ گئے۔ یہ گویا ہماری جنگی مجلس مشاورت تھی۔ جہاں تک ہمیں معلوم ہو سکا تھا ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے اس کوچ کی اطلاع ہانگو کو نہ ملی تھی خصوصاً اس لئے کہ میں نے اپنے چھڑے سے میل دور نشیب میں کافروں کی حفاظت میں چھوڑ دیئے تھے اور ظاہر یہ کیا گیا تھا کہ میں شکار کو جا رہا ہوں۔ چنانچہ

میں نے اپنے ساتھ صرف سکاؤل اور اپنے بہترین کافر شکاریوں میں سے چار کو اپنے ساتھ لیا تھا۔ یہ چاروں بیوقوف چلا جاتے تھے رہے سادو کو کے تمن سوا مانگوئے تو وہ بھی چھوٹے چھوٹے گردوہوں میں یہاں تک آئے تھے، اور ہر گردوہ دوسرے گردوہ سے الگ ہو کر ستر کنار ہاتھ اور ہر گردوہ یہ ظاہر کر رہا تھا کہ وہ ڈیکولا بے کی طرف جا رہا ہے اور اب ہم سب پہاڑ کے اس جھاڑیوں سے ڈھکے ہوئے شگاف میں جمع ہو گئے تھے۔

آہارے گردوہ میں تین مانگوئے ایسے تھے جو اپنے قبیلے کے قتل عام کے وقت اپنی ماؤں کے ساتھ اس علاقے میں بھاگ آئے تھے اور انہوں نے مانگو کے قبیلے کو چھوڑ دیا اور اپنے اصل سردار سادو کو سے آئے تھے۔ چنانچہ یہاں اور اس موقع پر سارا دار و مدار ان تین مانگوئے پر ہی تھا کیونکہ یہاں تینوں اس علاقے سے واقف تھے۔ چنانچہ ہم تینوں سے بڑی طول و طویل گفتگو کرتے رہے۔ پہلے تو ان تینوں نے ہمارے سوالوں کے جواب دیئے۔ پھر ہر بات اور ہر موقع سمجھا دیا اور پھر جہاں تک چاند کی ناکانی روشنی میں دکھائی دے سکتے تھے، کیونکہ ابھی پونہ چھٹی تھی، انہوں نے مانگو کے کراں تک جانے والے مختلف راستوں کی طرف اشارے کر کے دیکھیں بتائے۔

”کراں میں آدی کتنے ہیں؟“ میں نے پوچھا۔
”مانگو کے خاص کراں اور اطراف کے کراںوں کا کل ملا کر تقریباً سو آدی ایسے ہیں جو سپاہی ہیں۔ انہوں نے جواب دیا ان کے علاوہ دیواروں پر ہر دم سہرے داروں کا پھر رہتا ہے۔“

”اور مویشی کہاں ہیں؟“ میں نے پھر پوچھا۔
”مویشی تو یہاں نیچے وادی میں ہی ہیں میکو میزن“ ان میں سے ایک نے جواب دیا۔ ”اگر تم کان لگا کر سنو تو ان کے ڈکرانے کی آوازیں سن لو گے۔ رات کے وقت پچاس آدی، نہ ایک کم نہ ایک زیادہ، ان کی حفاظت کیا کرتے ہیں۔“
”اور مویشی کتنے ہیں؟“

”دو ہزار یا اس سے کچھ زیادہ۔“

”تو پھر میرے خیال میں مانگو کو مویشیوں کی نئی نسل پیدا کرنے کا کام سپرد کر کے ہم نیچے اتر کر آسانی سے ان دو ہزار مویشیوں کو ہنگامے لے جاسکتے ہیں۔ کیوں؟“
”بے شک یہ کام آسان ہے۔“ سادو کو نے کہا۔ ”لیکن میکو میزن! میں یہاں نہ صرف اس کے مویشی حاصل کرنے بلکہ خود مانگو کو بھی قتل کرنے آیا ہوں کیونکہ اس سے مجھے اپنے والد اور عزیزوں اور قبیلے کے خون کا انتقام لینا ہے۔“

”بہت اچھا میں نے جواب دیا۔“ لیکن تم دیکھ ہی رہے ہو کہ صرف تین سو آدیوں سے اس پہاڑ کو کچ کرنا مشکل نظر آتا ہے خصوصاً اس لئے کہ مانگو نے دیواریں وغیرہ بنا کر اسے ایک مضبوط قلعہ میں تبدیل کر دیا ہے۔ اس سے پہلے کہ ہماری یہ مختصر فوج کراں تک پہنچ سکے وہ تباہ و برباد ہو جائے گی چونکہ دیواروں پر پہرہ ہے اس لئے یہ تو کسی صورت ممکن ہی نہیں کہ ہم خاموشی سے اور اچانک کراں پر جا پڑیں اور مانگو اور اس کے سپاہیوں کو گھبرا دیں اور پھر سادو کو تم تینوں شاید یہ بھول گئے اور بغرض حمل اگر یہ ممکن بھی ہو تب بھی حملے کے جوش اور افراتفری میں ایسا ہو جاتا ہے۔ سادو کو! میری بات سنو مانگو کو اس کے حال پر چھوڑ دو اور رات کو ہمارے ان تین راہبروں کی راہبری میں پچاس آدی بھیج دو۔ یہ لوگ نیچے وادی کی جھاڑیوں میں جا کر چھپ رہے ہوں گے۔ اور جب چاند طلوع ہو جائے اور محافظ سو جائیں تو ہمارے یہ پچاس آدی مویشیوں کے کراں پر دھاوا بول دیں اور جو بھی ان کے مقابل آئے اسے قتل کر دیں اور پھر مویشیوں کو ہنگامے لے کر اس بڑے درے سے باہر لے جائیں جس میں سے گزر کر ہم اس علاقے میں داخل ہوئے ہیں۔ اب ہو گا یوں کہ مانگو اور اس کے قبیلے والے یہ سمجھ کر کہ یہ مویشیوں کو لے جانے والے معمولی قسم کے چور ہیں اپنے مویشی دوبارہ حاصل کرنے کے لئے جمع ہو کر ان کے تعاقب میں روانہ ہوں گے۔ لیکن ہم لوگ بقیہ مانگو کے ساتھ درے میں اس

جگہات لگا کر بیٹھ جائیں گے جہاں دورہ نسبتاً تک ہے اور وہاں ہم نے آتے جاتے دیکھا ہے کہ گھاس کاٹی بلہ ہے اور درخت کٹے ہیں۔ اور جب وہ لوگ اس راستے سے، جسے میں اور میرے شکاری بندو قوں سے روک رہے ہیں، گزر جائیں گے تو ہم ان سے جنگ کریں گے ہم جہاں مانگو اور اس کے آدیوں کو روکیں گے وہ جگہ بولنے کی گردن کی طرح تنگ ہے تو یہ ہے میرا مشورہ۔ بتاؤ اب تم کیا کہتے ہو؟“

”میکو میزن! میں تو کراں پر حملہ کر کے اسے جلا دیتا ہوں۔“ سادو کو نے جواب دیا۔

لیکن اس کے چچا بوڑھے شوزانے، جو بیوقوف تھا، یوں کہا:

”میں۔ میکو میزن! پاسان شب کا مشورہ

ظن نہ اور ترکیب بے حد مناسب ہے۔ میں پوچھتا ہوں کہ کیا ضروری ہے کہ ہم اپنی طاقت ان دیواروں پر مائل کریں جو پتہ نہیں ملتی ہیں اور جن کے دروازے ہم اندھیرے میں شاید ہی دکھائی دیں؟ اگر ہم نے ان دیواروں سے سر نہ کیا تو پھر میں سمجھتا ہوں کہ ہماری کھوپڑیوں کو مانگو اپنے کراںوں کی باڑ میں سجائے گا۔ مناسب یہی ہے کہ ہم آما کو باکو پہاڑوں کے دور میں لے آئیں جہاں ان کی حفاظت کے لئے کوئی دیوار نہ ہو اور وہاں ہم ان پر اچانک جا پڑیں، انہیں گھبرا دیں، اور پھر دست بہ دست ان سے اپنا پرانا حساب چکالیں۔ رہیں گورنٹس اور نیچے تو میں میکو میزن سے اتفاق کرتے ہوئے کہتا ہوں کہ انہیں قتل نہ کرو ہو سکتا ہے کہ بعد میں یہ ہماری عورتیں اور ہمارے بچے بن جائیں۔“

”ہاں۔ ہاں۔“ مانگوئے لوگوں نے کہا۔
”مغیر نام انکی کی ترکیب بہت عمدہ ہے۔ میکو میزن

نولے کی طرح ہوشیار ہے چنانچہ ہم کسی اور کی نہیں بلکہ اکی کی ترکیب پر عمل کریں گے۔“

چنانچہ یوں ہوا کہ سادو کو کی تجویز مسترد اور میری تجویز کثرت رائے سے منظور کر لی گئی۔

وہ سارا دن ہم آرام کرتے رہے۔ ہم نے

آگ نہ جلائی اور ہم کبھی جھاڑیوں میں مردوں کی طرح خاموش اور بے حرکت پڑے رہے ہمارا وہ دن بڑا ہی سستی خیز تھا۔ حالانکہ جہاں ہم چھپے ہوئے تھے وہاں دور دور تک کوئی آبادی نہ تھی اس کے باوجود یہ دھڑکا ہوا تھا کہ کہیں آما کو باکو ہمارے مویشیوں کے خمدار نہ ہو جائیں۔ یہ سچ تھا کہ ہم نے لطف چھوٹے چھوٹے گردوہوں میں اور زیادہ تر رات کے وقت ستر کیا تھا۔ تاکہ ہمارے بیروں کے نشانات مچ تک مٹ جائیں اس کے علاوہ ہم راستے میں پڑتے ہوئے کراںوں سے کتر کر نکلتے تھے اس کے باوجود ہمارے اس کوچ کی افواہ ہو سکتا ہے آما کو باکو پہنچ گئی ہو یا کافر شکاریوں کے کسی گردوہ نے یا ان کافروں نے جو گم شدہ اور بے گئے ہوئے مویشیوں کی تلاش میں بھٹا کرتے تھے ہمیں دیکھ لیا ہو۔

اور واقعی ایسی کوئی بات ہوئی تھی کیونکہ دو پہر کے وقت ہم نے بیروں کی چاب تنی اور ایک شخص کو دیکھا جو جھاڑیوں میں سے گزر رہا تھا۔ اس نے سر پر جیسے پروغیرہ لگا رکھے تھے اس کی جگہ سے ہم نے اسے پہچان لیا کہ وہ آما کو باکو تھا اس سے پہلے کہ اسے ہماری موجودگی کا احساس ہوتا یا ہمیں دیکھا وہ ہمارے درمیان تھا۔ ایک لمحے تک وہ ششدر سا کھڑا رہا پھر بھاگنے کے لئے چلا اور یہ لمحہ اس کا آخری تھا کیونکہ تین مانگو نے اس پر یوں جھپٹ پڑے جس طرح چھپے ہرن پر جھپٹتے ہیں اور جہاں وہ بد نصیب کھڑا ہوا تھا وہیں سر کر ڈھیر ہو گیا۔ ہمارا صاف ظاہر تھا کہ وہ کسی دوج ڈاکٹر سے مل کر آ رہا تھا کیونکہ اس کے تھیلے میں سے ہمیں دو انیس اور لڑکیوں کو پاشاید کسی خاص لڑکی کو بھاننے کے تعویذ گنڈے ملے تھے۔

”یہ دوج ڈاکٹر یقیناً بونے نکالی کے پائے کا نہ ہوگا“ میں نے سوچا۔ ”اگر ہوتا تو اس نے اس غریب کو خبردار کر دیا ہوتا کہ وہ اپنی معشوقہ کو یہ گنڈے پہنانے کے لئے زندہ نہ رہے گا۔“

اس عرصے میں ہمارے چند ساتھی، جن کی نظر

تیرجی، درختوں پر چڑھ گئے تھے اور وہاں سے بانگو کے کراہ اور اس وادی پر نظر رکھ رہے تھے جو بانگو کے کراہ اور ہماری کین گاہ کے درمیان تھی۔ کچھ ہی دیر بعد معلوم ہوا کہ اب تک تو قسمت ہماری مدد کر رہی تھی کیونکہ مویشیوں کے پروردگار کو یکے بعد دیگرے وادی میں لایا اور باڑوں میں بند کیا گیا۔ یقیناً بانگو دوسرے دن اپنے پورے قبیلے کے مویشیوں کا معائنہ کرنا چاہتا تھا کیونکہ مویشیوں کے اکثر ریوزوں کو دور دور کے کراہوں سے منج کر لایا گیا تھا۔

آخر کار گرم اور طویل دن ختم ہونے لگا اور شام کے سائے لمبے ہو گئے اور اماگوانے اپنے اس خوفناک کھیل کے لئے تیار ہونے لگے اور اس کھیل میں جو بری چیزیں بر لگائی جانے والی تھیں۔ وہ بہت سی زندگیاں تھیں کیونکہ اگر ہم نام کام رہے تو پھر ہمیں بانگو سے کسی رحم کی امید نہ تھی۔

پچاس منتخب آدمیوں کو ایک جگہ جمع کیا گیا۔ انہوں نے خاموشی سے کھانا کھایا۔ ان لوگوں کو شوزا کے زیرِ کمان رکھا گیا کیونکہ ان تین سوا اماگوانے میں بھی بڑا حساب سے زیادہ تجربہ کار تھا اور ان کی راہبری دو تین اماگوانے کرانے والے تھے جنہوں نے آما کو بائیں پرورش پائی تھی اور جو "اس علاقے کے ایک دکنوڑے سے واقف تھے۔" کم سے کم ان کا تو یہی دعویٰ تھا۔

قارئین بھولے نہ ہوں گے کہ ان لوگوں کا کام یہ تھا کہ یہ مختلف گروہوں میں تقسیم ہو کر وادی عبور کریں، اور وہ مختلف مویشی کراہوں کے دروازے یا راستے کھول دیں، چرواہوں اور محافظوں کو قتل کر دیں یا بھگا دیں اور پھر مویشیوں کو بھنکاتے ہوئے درے میں لے آئیں۔

پچاس آدمیوں کا دوسرا گروہ سادو کو کی کمان میں روانہ ہو کر درے کے اس منہ پر متعین ہونے والا تھا جو وادی کی طرف تھا۔ ان لوگوں کا کام یہ تھا کہ وہ مویشیوں کو بھنکا کر لانے والوں کی مدد کریں اور انہیں کمک پہنچائیں اور اگر ضرورت پڑے تو پیچھے آتے ہوئے آما کو با کو اس وقت تک روک رکھیں جب تک کہ

مویشیوں کے ریوز نکل نہیں جاتے اور پسپا ہو کر دو میل دور ہم سے اس جگہ ملیں جہاں ہم گھات لگانے بیٹھے ہوں گے۔ گھات لگانے اور اس آخری حملے کی ذمہ داری میرے پروردگار کی تھی اور مجھے اعتراف ہے کہ یہ بڑی ذمہ داری تھی۔

آدھی رات سے پہلے چاند طلوع ہونے والا نہ تھا لیکن اس ٹھیک دو گھنٹے پہلے ہماری پاریاں اپنی اپنی منزل کی طرف روانہ ہونا شروع ہو گئیں کیونکہ چاند کے طلوع ہوتے اور مناسب روشنی پھیلتی ہی مویشیوں کو کراہوں سے نکال کر درے کی طرف لانا تھا یہ صورت دیگر درے کی جنگ کا سورج کے طلوع ہونے تک التوا میں پڑ جانے کا خدشہ تھا اور اگر ایسا ہوتا تو پھر آما کو با کیجی ہی لیں گے کہ ہماری تعداد کتنی کم تھی۔ خوف، گھبراہٹ، شک اور اندھیرا۔ بس یہی ہمارے معاون و حلیف تھے بشرطیکہ ہماری روانگی ہمارے پلان کے مطابق ہوئی اور کامیاب رہی۔

آخر کار ساری تیاریاں مکمل ہو گئیں اور روانگی کا وقت آ گیا۔ ہم تینوں تھے یعنی ہمارے تین مختلف گروہوں کے سپہ سالاروں نے ایک دوسرے کو خدا حافظ کہا اور ایک ایک سپاہی تک یہ ہدایت پہنچادی کہ اگر جنگ کے اعلانات ہمیں ایک دوسرے سے الگ کر دیں تو پھر وہ لوگ جو جگہ جائیں گے وہاں پہنچ جائیں گے جہاں میرے چھکڑے تھے۔ چنانچہ میرے چھکڑے زندہ رہنے والوں کا "مقام ملاقات تھا۔

شوزا اور اس کے پچاس آدمی خاموشی سے روانہ ہوئے اور آگے بڑھ کر اندھیرے میں بھوتوں کی طرح غائب ہو گئے اس کے کچھ دیر بعد ہی پر جوش اور غضبناک سادو کو بھی اپنے پچاس آدمیوں کے ساتھ رخصت ہوئے اس کے ساتھ میں نے اپنا ایک بہترین کافر شکاری بھی کر دیا تھا۔ یہ شخص نامال کا تھا اور اس کے پاس جو بندوق تھی اس میں چھرے بھرے ہوئے تھے۔ ہماری امیدیں اس بات سے وابستہ تھیں کہ بندوقوں کے دھماکے دشمن کو خوف زدہ کر دیں گے۔ بشرطیکہ انہیں

استعمال کرنے کی ضرورت پیش آئے۔ اور وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ اس کا مقابلہ چھاپے مارنے والے ڈنچ سفید قاموں سے ہے جن کی دو بڑوں سے (کافر ذلتی بائیں مار بندوق کو دوڑ کبے تھے) سارے کے سارے کافر ذرتے تھے۔

چنانچہ سادو کو اپنے پچاس ماتحتوں کے ساتھ روانہ ہوا اور میں نے سوچا کہ خدا جانے کہ میں دوبارہ اس کی صورت دیکھ سکوں گا کہ نہیں۔ اور پھر میں اپنے خاص رکاوڑ، بقیہ دو کافر شکاریوں اور بقیہ اماگوانے کے ساتھ روانہ ہوا۔ ہم بائیں طرف مڑ کر چل پڑے اور کچھ ہی دیر بعد اس راستے پر تھے جس پر گزر کر ہم درے سے یہاں تک آئے تھے۔ میں نے اسے راستہ کہا ہے لیکن دراصل یہ ایک برساتی نالہ تھا جس میں بڑے بڑے پتھر بڑے ہوئے تھے چنانچہ اندھیرے میں ہمیں جہاں تک ممکن تھا ان پتھروں سے بچ کر اور حقیقت میں راستہ ٹول ٹول کر آگے بڑھنا پڑ رہا تھا۔ احتیاطاً ہم نے ہر بندوق کی بنٹی پر سے احتیاطی ٹوپی ہٹا لی تھی کیونکہ خوف تھا کہ اتفاقاً کہیں کوئی بندوق چل نہ جائے اور اگر ایسا ہوتا تو پھر ظاہر تھا کہ آما کو با باخبردار ہو جاتے۔ ہماری آگے گئی ہوئی دونوں پاریاں گڑ بڑا جاتیں اور ہمارے سارے کے کرائے پر پانی پھر جاتا۔

قصہ مختصر یہ سفر ہم نے جیسے تیسے طے کیا، اور ہم لوگ تین مختلف طویل قطاروں میں چل رہے تھے تاکہ ہر آدمی اپنے آگے والے سے رابطہ قائم رکھ سکے۔ عین اس وقت جب چاند طلوع ہو رہا تھا کہ ہم اس جگہ پہنچ گئے جو میں نے گھات لگانے کے لئے منتخب کر لی تھی۔ اور ج تو یہ ہے کہ اس مقصد کے لئے اس سے بہتر مقام کوئی اور نہ ہو سکتا تھا۔ یہاں درہ یا راستہ یا گھاٹی۔ آپ اسے جو بھی کہیں۔ تنگ ہو کر صرف سو فٹ کا رہ گیا تھا اور اس کے دونوں کناروں پر کی تقریباً عمودی چٹانوں پر چھدری چھدری جھاڑیاں اور انگلی کی شکل کے دو درخت تھے جو پتھروں کی درازوں میں سے اُگ آئے تھے۔

ان جھاڑیوں اور پتھروں کے پیچھے ہم لوگ دیکھ گئے۔ ایک ڈھلان پر اور دوسری چٹانی اس کے مقابل کی ڈھلان پر دوسرے سو آدمی۔ بائیں تو میں اپنے تین شکاریوں کے ساتھ، جو بندوقوں سے منجھے، اس پتھر کے پیچھے بیٹھے گئے جو تقریباً چھ فٹ موٹا اس گھاٹی کے دائیں طرف تھا جس میں سے ہمارے آدمی بانگو کے مویشیوں کو لانے والے تھے۔ یہ اس جگہ کا انتخاب میں نے دو وجوہات کی بنا پر کیا تھا۔ اول تو یہ کہ میں اپنی فوج کے دونوں پہلوؤں سے رابطہ قائم رکھ سکوں اور دوم یہ کہ یہاں سے ہم تعاقب کرنے والے آما کو با پر براہ راست اور سیدھی گولیاں چلا سکتے تھے۔

اماگوانے کو میں نے احکامات دیے وہ کچھ یوں تھے۔ لیکن پہلے میں نے انہیں خبردار کر دیا کہ جس نے بھی ان احکامات کے خلاف درزی کی اسے موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔ خبر تو میں نے جو احکامات دیے وہ تھے ان میں سے کسی کو بھی اس وقت تک اپنی جگہ سے نہیں ہلانا ہے جب تک کہ میں، اور اگر میں مارا جاؤں تو میرے شکاریوں میں سے کوئی ایک خبر نہیں کرتا کیونکہ مجھے خوف تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اماگوانے جوش میں آ کر وقت سے پہلے ہی ارادہ ابل دیں اور افراتفری میں خود ہمارے آدمیوں کو ہی قتل کر دیں اور ہمارے یہ آدمی وہ ہوں گے، جو تعاقب کرنے والوں میں ملے چلے ہوں گے۔ دوسرا یہ کہ جب مویشی آگے بڑھ جائیں اور جب قاتر کیا جائے جو حملے کا اشارہ ہوگا، تو وہ لوگ، یعنی ہمارے اماگوانے واقف آما کو با پر ٹوٹ پڑیں تاکہ دشمن کو ڈھلان پر کھڑے ہو کر مقابلہ کرنا پڑے۔

پھر میں نے ان سے کہا کہ بس وہ یہ وہی باتیں دھیان میں رکھیں کیونکہ آپ جاننے کافروں کو بہت زیادہ ہدایتیں دے کر انہیں گڑبڑا دیں گے۔ اس کے علاوہ ان کے سامنے درہی راستے تھے۔ سچا یا موت اگر وہ دشمن کے سامنے سے فرار ہو جائیں تو پھر انہیں رحم کی توقع رکھنی چاہئے ان کے نمائندے نے کہا۔ یہ عجیب بات ہے کہ کافروں کو ہر وقت اور ہر وقت اپنا

نما کر مل جاتا ہے۔ جواب دیا کہ وہ لوگ میری بدلتوں کا شکر یہ ادا کرتے ہیں اور یہ کہ انہوں نے سب کچھ سمجھ لیا ہے اور یہ کہ وہ ایسا ہی کریں گے جیسا کہ ان سے کہا گیا ہے۔ اور پھر انہوں نے اپنے بھالے بلند کر کے مجھے سلام کیا اور جب وہ درختوں اور پتھروں اور جھاڑیوں کے پیچھے چھپنے کے لئے بکھر کر جا رہے تھے تو چاندنی میں بڑے دشت انگیز معلوم ہو رہے تھے۔

اور پھر ہم انتظار کرنے لگے۔ اور بڑا طویل انتظار معلوم ہوا وہ۔ ایک پل ریک ریک کرتے صرف گزر رہا تھا بلکہ میرے اعصاب پر سوار ہونے لگا تھا۔ اور اگلے سیدھے خیالات تھے کہ میرے دماغ میں جھوم کرائے تھے۔ کیا میں کل کا سورج دیکھ سکوں گا؟ میں جو کچھ کر رہا تھا کیا اس میں حق بجانب تھا؟ ان وحشیوں کے ذاتی جھگڑے میں اپنی ٹانگ اڑنے کا مجھے کیا حق تھا؟

اور میں یہاں کیوں آیا تھا؟ ایک تاجر کے طور پر مویشی حاصل کرنے؟ نہیں۔ کیونکہ مجھے شک تھا کہ اگر وحشی مجھے بھی مجھے تو میں انہیں شاید اپنے ساتھ نہ لے جا سکوں گا۔ کیا اس لئے آیا تھا کہ سادو کو نے مجھے وعدہ خلافی کا طعنہ دیا تھا؟ جی ہاں۔ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ لیکن سچ تو یہ ہے کہ کوئی اہم اور بنیادی وجہ نہ تھی۔ بات یہ تھی کہ ہاتھوں کے مظالم اور سادو کو کے قبیلے کی تباہی کی نمناک داستان نے مجھے بے حد متاثر کیا تھا چنانچہ اس ظالم ہاتھوں کا خاتمہ کرنے میں سادو کو کا ساتھ دینا مجھے مناسب معلوم ہوا۔ بہر حال یہ وجہ نہ صرف قابل قبول بلکہ عملی بخش بھی تھی۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ایک نیا خیال آیا۔ سادو کو اور اس کے قبیلے پر جو مظالم ڈھائے گئے تھے اسے ایک زمانہ گزر چکا تھا اور ان ظالموں میں سے اکثر یا تو شاید مر گئے ہوں گے یا بہت زیادہ بوڑھے ہو کر پکار ہو گئے ہوں گے۔ چنانچہ ہم جو اہتمام لینے جا رہے تھے وہ ان ظالموں سے نہیں بلکہ ان کی اولاد سے لینے والے تھے۔

چنانچہ باپ کے گناہوں کی سزا ان کی اولاد کو

دینے کا مجھے کیا حق تھا؟ سچ تو یہ ہے کہ اس سوال کا جواب میرے پاس نہ تھا۔ چنانچہ یہ واقعہ بھی مجھے زندگی کے بہت سے مسائل میں سے ایک معلوم ہو رہا تھا جسے حل کرنا کم سے کم انسان کے بس کا روگ نہیں۔ چنانچہ میں نے اپنے شانے اچکائے اور یہ کہہ کر اپنے آپ کو تسلی دی کہ اس جنگ کا نتیجہ کم سے کم میرے خلاف ظاہر ہو اور میں اپنی اس احمقانہ ہم کا خلیانہ اس طرح بھگت لوں کہ خود ہی مارا جاؤں اس خیال نے میرے ضمیر پر مزہم رکھ دیا۔ کیونکہ آپ جانتے ہیں جب آدم کی کام میں چاہے وہ کام سچ ہو یا غلط، اپنی جان کی بازی لگا دیتا ہے تو پھر اس پر بزدلی کا الزام عائد نہیں ہوتا۔

وقت بڑی سست رفتاری سے گزرتا رہا اور کچھ نہ ہوا۔ شفاف آسمان میں چاند چمک رہا تھا اور چونکہ ہوا بندھی تھی اس لئے خاموشی مکمل ترین تھی۔ البتہ کبھی کبھی کسی لکڑ جھکے کی چیخ اور، اور ایک دوسرے کی دوسری آواز اس خاموشی کو چیر جاتی تھی۔ یہ دوسری آواز بہت دور سے آرہی تھی اور میرے خیال میں شیر کی آواز تھی۔ بس ان دو آوازوں کے علاوہ اور کوئی آواز سنائی نہ دے رہی تھی۔ آسمان اور زمین کے درمیان گہری خاموشی طاری تھی۔

آخر کار مجھے شک سا ہوا کہ میں کوئی آواز سن رہا تھا۔ بہت دور سے آتی ہوئی جیسے بڑا دانے کی آواز۔ یہ آواز تیز ہوتی چلی گئی۔ بڑھتی چلی گئی۔

ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ہزاروں چھڑیاں جیسے کسی بہت زیادہ سخت چیز پر مسلسل ماری جارہی ہوں۔ آواز بڑھتی رہی اور پھر میں نے اس آواز کو پہچان لیا۔ یہ بھاگتے ہوئے جانوروں کے نعروں کی آواز تھی۔ اور پھر اس آواز سے مختلف بھی دوسری آوازیں سنائی دیں، یہ آوازیں بہت بدھم، اور باریک تھیں۔ یہ یقیناً چیخنے چلانے کی آوازیں تھیں اور پھر ایک دوسری آواز۔ یہ بندھنوں کے دھماکے تھے جو بہت دور سے سنائی دیئے۔ چنانچہ معاملے کا آغاز ہو چکا تھا۔ مویشی آرہے تھے اور سادو کو اور میرا کافر شکاری بندوقس چلا رہے تھے۔

جوش ناقابل برداشت تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے جوش میرے دل و دماغ میں برے کی طرح اڑے جا رہا تھا۔ پتھروں پر چھڑیاں مارنے کی آواز بڑھتی گئی، فریب آتی گئی۔ یہاں تک کہ وہ لڑھکتی ہوئی گرج کی آواز میں تبدیل ہو گئی اور اس آواز میں دوسری گرج کی جلی جلی جیسے گرج کی بازگشت ہو۔ معلوم ہوا کہ یہ آواز کی جلی جلی نہ تھی بلکہ مویشیوں کے ڈکرانے کی گرج کی بازگشت نہ تھی بلکہ مویشیوں کے ڈکرانے کی آواز تھی۔

مویشیوں کے بھاگنے اور ڈکرانے کی آواز قریب سے قریب تر ہوتی چلی آئی۔ آدمیوں کی چیخ و پکاری آوازیں قریب سے قریب تر آتی چلی گئیں اور رات کی خاموشی درہم برہم ہو گئی۔

آخر کار ایک تنہا اور گھبراہٹا ہوا جانور نمودار ہوا۔ وہ چوپایا تھا، جسے کوڈو کہتے ہیں۔ خدا جانے کس طرح یہ کوڈو مویشیوں کی بھگدڑ میں پھنس گیا تھا۔ وہ بجلی کی سی تیزی سے ہمارے قریب سے گزر گیا۔ اس کے فوراً بعد ہی دوسرا کوڈو آیا جو پہلے سے زیادہ تیز تھا چنانچہ وہ اس روڑ میں اپنے پہلے ساھی سے آگے نکل گیا۔

اور پھر یوں نمودار ہوا۔ مجھے تو یہ مویشی بے شمار معلوم ہوئے۔ گائیں، بیل اور بکھڑے، سب کے سب آپس میں ملے جلے، ایک دوسرے کو دھکیلتے، ایک دوسرے کو گرانے کی کوشش کرتے بھاگے آرہے تھے۔ اور وہ سب کے سب ڈکرارہے تھے، پھنکار رہے تھے یا دوسری آوازیں نکال رہے تھے یہ منظر انتہائی خوفناک تھا۔ ایسا تھا کہ کان بڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ منظر دشت تک تھا کیونکہ مویشی ایک رنگ کے نہیں بلکہ مختلف رنگوں کے تھے اور ان کے سینک چاندنی میں لگی دانت کی طرح چمک رہے تھے ایسی بے تحاشہ بھگدڑ میں اُن کے کبھی دیکھی تھی تو اس دن جب بھینے زسٹوں میں سے نکل آئے تھے اور پھٹے ہوئے سینک والے بھینے نے مجھے زخمی کر دیا تھا۔

اور اب یہ ریوڑ ہمارے قریب سے گزر رہا تھا۔ مویشیوں ایک دوسرے سے لگے دوڑ رہے تھے کہ

آدنی ان کی پٹوں پر چلا ہوا اس سرے سے اس سرے تک جاسکتا تھا اور میں نے دیکھا کہ چند چھڑیوں کی ٹانگیں اس بھگدڑ میں زمین سے اوپر اٹھتی تھیں اور وہ آگے پیچھے اور دائیں بائیں کی گالوں کے درمیان جھپٹے اور زمین سے اوپر اٹھنے کی آواز آگے بڑھ رہے تھے بلکہ یوں کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ مویشی انہیں زمین سے اوپر اٹھا کر اپنے ساتھ کھینچنے لگے جا رہے تھے اور میں نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ ہم میں سے کوئی ان مویشیوں کے راستے میں نہ تھا۔ کوئی روک ہمیں بچانے نہ تھی کوئی بازائیں روک نہ تھی جس کی مضبوط اور قد آور درخت بھی مویشیوں کی لیٹ میں آکر یا تو جھجھ میں سے ٹوٹ گئے یا کھڑکھے۔

آخر کار یہ لمبی قطار دونوں طرف سے پکلی ہونے لگی۔ کیونکہ اب کزور یا ڈنی مویشی ٹوٹ کر آتے۔ آرہے تھے اور ان کی تعداد بھی کم نہ تھی۔ اور اب مویشیوں کے ڈکرانے کی آوازوں سے الگ سنائی دینے لگیں یہ آدمیوں کی آوازیں تھیں۔ وہ جوش اور خوشی سے چیخ رہے تھے۔ ہمارے ساتھ میں سے پیلا۔ یعنی ان لوگوں میں سے جو مویشی بھگانے لگے تھے۔ پیلا ساھی نمودار ہوا اور پھر دوسرے وہ سب کے سب کھٹکے ہوئے تھے اور ہانپ رہے تھے۔ لیکن اپنے بھالے بلا رہے تھے ان لوگوں میں، میں نے شوزا کو پہچان لیا۔ میں اس پتھر پر چڑھ گیا جس کے پیچھے چھپا ہوا تھا اور شوزا کو پکارنے لگا۔ اس نے میری آواز سن لی اور کچھ ہی دیر بعد وہ میرے قریب پتھر کے پیچھے لپٹا ہوا تھا۔

”میکو میزن! سارے کے سارے مویشی ہم لے آئے۔“ شوانے ہانپتے ہوئے کہا۔ ”ایک بھی پیچھے نہیں چھوڑا ہے سوائے ان مویشیوں کے جو پھل گئے ہیں۔ سادو کو بھی ہمارے بھائیوں کے ساتھ پیچھے ہی آرہا ہے۔ البتہ چند مارے گئے ہیں۔ پورا آٹا کو باقی ہے ہمارا اتفاق کر رہا ہے۔ سادو کو انہیں روکے ہوئے ہے تاکہ مویشی نکل جائیں۔“ دم دست کرنے کا دشت لی جائے۔

چنانچہ جیسے وہ آتے گئے شور انہیں روکنا گیا۔ شور کا آخری سا بھی ابھی مجازوں کے پیچھے جا کر نظروں سے اوجھل ہوا ہی تھا کہ کانوں کے پردے پھاڑ دینے والے شور اور پھر بندوق کے ایک دھماکے نے اس بات کا پتہ دیا کہ سادو کو اور اس کے ساتھ اور تعاقب کرنے والے آما کو بازو زیادہ دوزخ تھے۔

کچھ ہی دیر بعد وہ بھی نمودار ہوئے۔ یعنی مٹی بھر امانا گوانے جواب جنگ نہ کر رہے تھے بلکہ بھاگ رہے تھے اور حتی الامکان تیزی سے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اس جگہ کے قریب پہنچ رہے تھے جہاں ہم گھات لگائے بیٹھے تھے اور وہ چاہتے تھے کہ وہ اس مقام سے جلد از جلد نکل جائیں تاکہ جب تعاقب کرنے والوں پر حملہ ہو تو افراتفری میں یہ خود نہ مارے جائیں۔

ہم لوگوں نے انہیں اپنے درمیان سے گزر جانے دیا۔ آخری آنے والوں میں سادو کو تھا۔ وہ زخمی تھا۔ کیونکہ اس کے پیلو سے خون بہہ رہا تھا۔ اسے میرا کافر شکاری ہی سہا رویے ہوئے تھا اور وہ بھی زخمی تھا اور میرے خیال میں بری طرح سے زخمی تھا۔

میں نے اسے پکارا۔
”سادو کو! راستے کے سرے پر جا کر ٹھہر جاؤ تاکہ سستانے کے بعد ہماری مدد کو آسکوں۔“

اس نے جواب میں میری طرف بندوق ہلائی کیونکہ اس کا سانس اس بری طرح سے پھول رہا تھا کہ وہ جواب دینے کے قابل نہ رہا تھا۔ پھر وہ آگے بڑھ گیا تھا اپنے ان ساتھیوں کے ساتھ جو جگہ رہے تھے اور یہ تعداد میں تیس کے قریب تھے۔ وہ اسی طرح گئے جس طرح مویشی گئے تھے۔

ابھی سادو کو اور اس کے ساتھی نظروں سے اوجھل بھی نہ ہوئے تھے کہ آما کو آگے پانچ چھ سو آدمیوں کا جم غفیر جو بڑی بے ترتیبی سے بھاگ چلا آ رہا تھا۔ معلوم ایسا ہوتا تھا کہ یہ لوگ اپنے مویشی ہی نہیں بلکہ اپنے حواس اور عقلی بھی گنوا بیٹھے تھے ان میں سے چھ کے پاس پھینک کر مارنے والے بھالے تھے ان

میں سے اکثر بالکل ننگے تھے وہ لوگ اپنے مویشیوں کا باندھنے کے لئے بھی نہ ٹھہرے تھے چنانچہ جنگی لباس کا تو ذکر ہی کیا۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ سب کے سب مارے غصے کے دیوانے ہو رہے تھے کیونکہ ان کے منہ سے جو آوازیں نکل رہی تھیں وہ ایک زبردست گالی میں تبدیل ہو رہی تھیں۔

وقت آ گیا تھا۔ حالانکہ کچ تو یہ ہے کہ میں دل ہی دل میں دعا مانگتا رہا تھا کہ یہ وقت نہ آئے۔ میں خوفزدہ نہ تھا لیکن مجھے یہ سارا معاملہ ہی سہ سے پتہ نہ تھا۔ ہم نے ان لوگوں کے مویشی چرائے تھے اور اب میں ان میں سے اکثروں کی جان لینے والے تھے۔ چنانچہ ”سگنل“ دینے سے پہلے مجھے سادو کو کے قیلے کے قتل عام کی کہانی یاد کرنی پڑی۔ بہر حال اس یاد نے میرا دل سخت کر دیا اور پھر اس ٹھکی ہوئی حقیقت نے بھی کان کی تعداد ہم سے بہت زیادہ تھی چنانچہ بہت ممکن تھا کہ آخر میں خ آئی کی ہو۔ بہر حال اب انہوں کرنے کا وقت گزر چکا تھا۔ یہ ضمیر کم بخت بڑی دواہیات چیز ہے کہ یا تو عین وقت پر واقعہ کے بعد خواہ مخواہ پریشان کرنے لگتا ہے۔

میں اٹھ کر پتھر پر آ گیا اور آگے بڑھتی ہوئی آما کو با کی بھیڑ پر اپنی بندوق کی دونوں ٹالیاں خالی کر دیں۔ اب یہ میں کہہ نہیں سکتا کہ میری بندوق کی گولیوں نے کسی کو مار گرایا تھا کہ نہیں۔ خدا کرے کہ میری گولیوں سے کوئی نہ مرا ہو۔ لیکن چونکہ نشانہ سیدھا تھا اور پھر گولیاں میں نے بھیڑ میں چلائی تھیں اس لئے مجھے خوف ہے کہ وہ بے اثر نہیں رہیں۔

دوسرے ہی لمحے وحشت ناک دردوں کی طرح چیخ کر درے کے دونوں طرف سے امانگوانے بھالے بلند کر کے نکل آئے اور اپنے پرانے دشمن پر ٹوٹ پڑے اور یہ لوگ صرف مویشیوں کے لئے نہیں بلکہ انتقام لینے کے لئے جنگ کر رہے تھے کیونکہ ان آما کو بانے ان کو باپو اور ان کی ماؤں، ان کی بہنوں، اور ان کے بھائیوں کو قتل کر دیا تھا اور اب تنہا یہی لوگ مقتولین کا انتقام لینے

کے لئے باقی رہ گئے تھے۔

میرے خدا! کیا لڑے ہیں وہ لوگ! معلوم ایسا ہوتا تھا کہ انسان نہیں بلکہ شیطان جنگ کر رہے ہوں امانگوانے کی پہلی گرج کے بعد جس نے لفظ ”سادو کو“ کی صورت اختیار کر لی تھی، وہ لوگ خاموش ہو گئے حالانکہ وہ لوگ بہت کم تھے لیکن انہوں نے ایسا شدید اور سخت حملہ کیا کہ آما کو با کو پیچھے دھکیل دیا۔ جب آما کو با اپنی حیرت دور کر کے سنبھلے تو وہ اپنی تعداد کی وجہ سے امانگوانے پر غالب آنے لگے کیونکہ یہ لوگ بھی بہادر تھے اور خوفزدہ ہونے والوں میں سے نہ تھے۔

بہت سے آما کو با ڈھیر ہو گئے لیکن بقیہ نے امانگوانے کو درے کے پہلو کی ڈھلوان پر ڈھکیل دیا۔ میں نے اس جنگ میں بہت کم حصہ لیا اور لیا تو صرف اتنا کہ جب مجھے خود اپنی جان بچانے کی ضرورت پیش آئی میں بندوق چلا دیتا۔ قدم بہ قدم آما کو با ہمیں پیچھے دھکیلے رہے یہاں تک کہ ہم درے کی چوٹی پر پہنچ گئے۔ کچھ دیر تک وہاں جنگ ہوتی رہی۔ نہ ہم مزید پیچھے ہٹے اور نہ آما کو با۔ اور پھر ”سادو کو“ کا نعرہ سنائی دیا اور خود سادو کو اپنے تیس ساتھیوں کے ساتھ آما کو با پر آ پڑا۔

اور اس حملے نے جنگ کا فیصلہ کر دیا۔ آما کو با جانتے نہ تھے کہ ابھی اور کتنے آدمی آنے والے تھے چنانچہ آما کو با، جو مارے جانے سے بچ رہے تھے، پلٹ کر بھاگے اور ہم نے زیادہ دور تک ان کا تعاقب نہ کیا۔ ہم لوگ ڈھلوان کی چوٹی پر جمع ہوئے۔ اب ہمارے ساتھیوں کی تعداد تین سو سے گھٹ کر دس سو رہ گئی تھی۔ سو یا تو مارے گئے تھے یا بری طرح سے زخمی ہوئے تھے میرا کافر شکاری، جو سادو کو کے ساتھ گیا تھا، کھیت رہا تھا۔ حالانکہ وہ سخت زخمی تھا اس کے باوجود وہ آخر تک بڑی بہادری سے لڑتا رہا تھا اور گرتے وقت اس نے چیخ کر مجھ سے کہا تھا۔

میں بے حد تھکا ہوا اور بے دم تھا چنانچہ میں نے جیسے خواب میں دیکھا کہ امانگوانے دبلے پتلے بوڑھے

وحشی کو گھسنا ہوا لایا اور چیخ کر بولا۔

سادو کو آگے بڑھ کر اس کے سامنے پہنچا۔
”ابا۔ بانگو۔“ سادو کو نے کہا۔ ”اباؤ کہ میں بھی تمہیں کیوں نہ قتل کر دوں جس طرح کہ کئی برسوں پہلے زکالی نے مجھے نہ بچا ہوتا تو تم مجھے قتل کر دیتے؟“
”بے شک قتل کر دوں“ بانگو نے کہا۔ ”تمہاری روح میری روح سے زیادہ رقت سے زکالی نے اس کی پیش گوئی نہ کی تھی؟ بے شک قتل کر دوں گے۔“
”نہیں بانگو۔“ سادو کو نے کہا۔ ”اگر تم مجھے ہوئے ہو تو میں بھی تھکا ہوا ہوں اور زخمی بھی ہوں۔ بانگو! بھالا اٹھاؤ۔ ہم لڑیں گے۔“

چنانچہ وہاں چاندنی میں وہ دونوں ایک دوسرے کے مقابل ڈٹ گئے۔ دونوں بہادر تھے اور دونوں ہی قابل تعریف جنگ کر رہے تھے اور سب خاموش کھڑے دیکھ رہے تھے۔ یکایک بانگو نے اپنے دونوں ہاتھ پھیلا دیئے اور تورا کر کر لے۔

سادو کو اپنے والدین اور اپنے قلیبے کا انتقام لے چکا تھا۔

میں آج تک اس خیال سے خوش ہوں کہ بانگو نے اپنے دشمن کو مقابلے کی دعوت دے کر اور دست بہ دست لڑائی کے بعد قتل کیا نہ کہ اس طرح جیسی کہ اس وقت کسی بھی فاتح سے توقع کی جاسکتی تھی۔

لوہو لال

مال قیمت، یعنی مویشیوں کے اور اپنے زخمیوں کے ساتھ ہم لوگ دوسرے دن علی الصبح اس جگہ پہنچ گئے جہاں میں نے اپنے پھلے چھوڑے تھے چونکہ مویشی اور زخمی ہمارے ساتھ تھے اس لئے واپسی کا سفر بیدست رہا اور اس پورے سفر میں ہر دم یہ دھڑکا بھی لگا رہا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ بچے ہوئے آما کو با سمٹ کر ہمارے تعاقب میں آجائیں لیکن انہوں نے ایسا نہ کیا کیونکہ بہت سے مارے گئے تھے، بہت سے زخمی ہوئے تھے جو بچ گئے تھے ان کی ہمت چھوٹ گئی تھی۔ وہ لوگ اپنے پہاڑ پر چلے گئے اور غربت، بؤلت اور گمائی کی زندگی بسر

کرتے رہے کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ اب اس قبیلے کے پاس صرف پچاس گائیں باقی رہ گئیں تھیں اور بغیر مویشیوں کے کافروں کا کوئی درجہ اور کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ تاہم وہ بھوکوں نہ مرے کیونکہ ان کے قبیلے میں کھیتوں کی دیکھ بھال کے لئے اب بھی بہت سی عورتیں تھیں اور پھر ہم نے ان کی فصلیں بھی تباہ نہ کی تھیں۔ اس کا انجام یہ ہوا کہ کشاکش زولو پاڈا نے انہیں ان کے فارغ سادو کو کے سپرد کر دیا اور خود سادو کو نے انہیں اپنے قبیلے امانگوئے میں ضم کر دیا۔ لیکن یہ بہت بعد میں ہوا۔

اس جگہ جہاں میرے چھکڑے تھے، پہنچے اور آرام کرنے کے بعد مویشی شمار کئے تو معلوم ہوا کہ وہ بارہ سو سے کچھ ہی زیادہ تھے۔ ان میں وہ مویشی شامل نہ تھے جو بھگدڑ میں فوجی ہوئے تھے اور جنہیں بعد میں کھانے کے لئے ذبح کر دیا گیا۔

یہ واقعی زبردست مال قیمت تھا اور سادو کو نے جس کی ران کا زخم خشک ہو کر اب تکلیف دینے لگا تھا، کھڑے ہو کر ان مویشیوں کی طرف دیکھا تو اس کی آنکھیں چمکے لگیں اور اس میں تعجب کی کوئی بات بھی نہ تھی کیونکہ وہ چند دنوں پہلے غریب تھا، اب امیر بن گیا تھا اور ماینا سے شادی کرنے کی قیمت ادا کرنے کے بعد بھی امیر رہنے والا تھا۔ اس کے علاوہ اسے، اور مجھے بھی یقین تھا کہ اس بدلی ہوئی صورت حال کی وجہ سے اب بوڑھا امیزی اور اس کی بیٹی ماینا بھی اس ”امیدوار“ کی درخواست قبول کر لے گی۔ سادو کو اپنی سرداری بہ زور بازو دوبارہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا اور اب پورے زولو لینڈ میں ہر بیٹی کے باپ کے کراں کا دروازہ اس کے لئے کھلا تھا۔ حالانکہ ہم دونوں اس وقت یہ شاید بھول گئے تھے کہ پتہ نہیں جام کے ہونوں تک پہنچنے سے پہلے کیا ہوتا ہے کیونکہ جام اور ہونوں کے درمیان جو فاصلہ نہیں کے برابر ہوتا ہے لیکن اتنے میں بھی کچھ ہو سکتا ہے۔ جام ہاتھ سے پھسل سکتا ہے۔ اس سے ملنے جلتے بہت سے مہادرات زولو زبان میں ہیں۔ جن میں سے ایک شاید یوں ہے کہ ”مرغی کتنے ہی روز

سے کیوں نہ کڑکڑائے کبھی کبھار ہی مگروالی کے ہاتھ اند اگلتا ہے۔“

اور یہاں بھی معاملہ کچھ ایسا ہی ہوا۔ حالانکہ سادو کو کی مرغی اس وقت بڑے زوروں سے کڑکڑا رہی تھی لیکن اپنا پسندیدہ انڈا، جس کی آرزو میں وہ مہاراجا تھا، حاصل کرنا اس کے مقدور میں نہ تھا لیکن اس واقعہ کا ذکر میں اس کے وقت پر کروں گا۔

میں خود بھی ان مویشیوں کی طرف دیکھ کر دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ کیا اب سادو کو کو وہ سارا ہوا جو ہمارے درمیان ہوا تھا اور جس کی رو سے ان میں سے چھ سو مویشی میرے ہو جاتے تھے۔ چھ سو۔ میرے خدا! اگر ایک جانور کی قیمت پانچ پونڈ بھی لگائی جائے تو ان کی قیمت ہوتی تھی تین ہزار پونڈ۔ اور یہ اسکی خلیہ تم تھی کہ مجھے اپنی عمر میں پہلے بھی یکشت نہ لگی تھی واقعی تشدد کا راستہ بڑا ہی منافع بخش ہوتا ہے۔ غالباً اسی لئے ہر ظالم ابتدائے آفریش لے کر اب تک خوب بھولا بھالا ہے۔ تو یہ۔ یہ میں کیا۔

کلمات کہنے لگا۔ فی الحال تو سوال یہ تھا کہ سادو کو کو اپنا یہ وعدہ یاد ہوگا؟ میں نے سوچا کہ یقیناً نہیں کیونکہ کافر اپنے مویشی کسی کو بھی بخشنا پسند نہ کرتے تھے۔

لیکن میں نے ایسا خیال کر کے سادو کو سے انصافی کی تھی کیونکہ اس نے فوراً گھوم کر کہا:

”میکو میزن! ان میں سے اب آدھے تمہارے ہیں اور تم اس کے بجا طور پر مستحق ہو کیونکہ تمہاری ہوشیاری اور مشورے کی وجہ سے ہی ہمیں یہ فتح حاصل ہوئی ہے۔ اب ہم ایک ایک جانور کر کے اپنا اپنا حصہ لے لیں گے۔ پہلے تم میکو میزن۔“

چنانچہ میں نے اپنے لئے پہلا تیل منتخب کیا اور پھر سادو کو نے اور یہ سلسلہ اس وقت جاری رہا جب تک کہ میں نے اپنا آٹھواں تیل منتخب نہ کر لیا۔ جب آٹھویں تیل کو ایک طرف لے جایا گیا تو میں سادو کو کی طرف گھوم گیا۔

”ابن سادو کو۔ یہ آٹھ تیل میں نے ان بیلوں کی جگہ پر کرنے کے لئے منتخب کئے ہیں جو میرے اس سڑ میں اور راستے میں مارے گئے ہیں۔ بس اب مجھے زیادہ جانور نہیں چاہئیں۔“

دارو سادو کو نے کہا۔ دارو دھال کھڑے ہوئے ہر شخص کے منہ سے نکلا۔ اور پھر کسی نے میرے خیال میں یہ شوز اٹھا، کہا: ”یہ شخص یقیناً پاگل ہو گیا ہے کہ ان چھ سو مویشیوں کو لینے سے انکار کر رہا ہے جو صرف آپ کے ہیں۔“

”نہیں بھائیو! میں پاگل نہیں ہوں۔“ میں نے جواب دیا۔ ”ساتھ ہی ساتھ میں برا اور احسان فراموش بھی نہیں ہوں۔ اس مہم میں سادو کو کا ساتھ میں نے اس لئے دیا کہ وہ نہ صرف میرا گہرا دوست ہے بلکہ وہ مجھے عزیز ہے اور ایک دفعہ جب میں موت کے قریب پہنچ گیا تھا تو اس نے اپنی جان کی پروا نہ کرتے ہوئے میری مدد کی تھی۔ لیکن ان آدمیوں کو قتل کرنا پسند نہیں کرتا جن سے میرا کوئی جھگڑا نہ ہو۔ یہ مویشی چونکہ خون بہا کر حاصل کئے گئے ہیں اس لئے انہیں نہ لوں گا۔“ ”وارد“ شوز نے پھر کہا کیونکہ سادو کو کی زبان تو مارے حیرت کے لگ گئی تھی۔ ”یہ میکو میزن انسان نہیں روح ہے۔ یہ مقدس ہے۔“

”جی نہیں۔ میں نہ روح ہوں اور نہ مقدس“ میں نے کہا۔ ”اگر یقین نہ آئے تو ماینا سے پوچھ لو۔“ یہ میں نے بڑی بہم بات کہی تھی چنانچہ وہ لوگ سمجھے نہیں۔

”اچھا۔ سنو۔“ میں نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ”میں یہ مویشی نہ لوں گا کیونکہ میرے خیالات تم لوگوں سے مختلف ہیں۔ لیکن چونکہ تمہارے قانون کی رو سے یہ میرے ہیں چنانچہ ان کے متعلق فیصلہ میں کروں گا میرے حصے کے جانور میں سے دس دس مویشی میرے شکار یوں کو اور پندرہ اس شکاری کے، جو اس جنگ میں مارا گیا ہے، اہل و عیال کو دے دیئے جائیں۔ بقیہ مویشی میں شوز اور ان امانگوئے نے بہادروں

کو دیتا ہوں، جنہوں نے ہمارے ساتھ مل کر جنگ کی ہے۔ یہ مویشی ان لوگوں میں اس طرح تقسیم کر دیئے جائیں جس طرح وہ خود پسند کریں۔ تقسیم کے سلسلے میں اگر کوئی جھگڑا اٹھے تو اس کا فیصلہ میں کروں گا۔“

میرے خاموش ہوتے ہی ان لوگوں نے اپنے بھالے بلند کر کے ”اکوسی“ کا ایک فلگ شانہ غرور لگایا۔ شوز نے دوڑ کر میرا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے چومنے لگا۔

”تمہارا دل بہت بڑا ہے میکو میزن! وہ بولا۔ ”حالانکہ تم اتنے چھوٹے سے ہو لیکن تمہارے جسم میں بادشاہوں کی روح ہے اور عظیم ہر دلی کی ذہانت ہے۔“

اور وہ یوں میری تعریف کرتا رہا۔ دوسروں نے اس کا ساتھ دیا یہاں تک کہ ایسا شور بلند ہوا کہ فضا اس سے تھرا گئی۔ سادو کو نے بھی میرا شکر یہ ادا کیا لیکن میرا خیال ہے کہ وہ میرے اس فیصلے سے خوش نہ تھا حالانکہ میری اس سخاوت نے خود اس کے حصے کے مال قیمت میں سے اپنے ساتھیوں کو کھدہ دینے کے نقصان سے بچا لیا تھا۔ اس کی ناخوشی کا سبب میرے خیال میں یہ تھا کہ اس نے سمجھ لیا کہ اب امانگوئے خود سادو کو سے زیادہ مجھے چاہنے لگیں گے۔ اور وہ بھی ایسا ہی کیونکہ ان دس کافروں میں ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جو مرتے دم تک میری خدمت کرنے کو فخر نہ سمجھتا اور آج تک اس قبیلے میں میرا نام عزت و احترام اور خوف سے لیا جاتا ہے۔

اس کے علاوہ حاتم کی سخاوت کی طرح امانگوئے اور دوسرے قبائل میرا بھی میری یہ سخاوت ضرب النمل بن چکی ہے اگر وہ کسی کی سخاوت کی تعریف کرنا چاہتے ہیں تو کہتے ہیں ”یہ میکو میزن کی طرح غنی ہے“ یا ”یہ اپنے دور کا میکو میزن ہے“ اور جب کوئی اپنے حق سے دست بردار ہو جاتا ہے تو کہتے ہیں ”اس نے میکو میزن کا کمال اڑھ لیا ہے“ یا ”یہ وہ ہے جو میکو میزن کے سامنے میں بیٹھا ہے۔“

چنانچہ یوں میں نے بڑی آسانی سے اور سستے میں شہرت حاصل کر لی کیونکہ آپ جانے میں وہ مویشی نہ لے سکتا تھا اور اگر لے لے ہوتے تو میں سمجھتا ہوں وہ

میرے لئے بدبختی لے آتے۔ میری زندگی کے بہت سے ایسے واقعات ہیں جن پر مجھے آج تک تاسف ہے اور ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ میں نے اما کو باکے معاملے میں حصہ لیا حالانکہ اس کا مجھے کسی بھی طرف سے کوئی حق حاصل نہ تھا۔

اوہیری کے کراٹیک کا۔۔۔ کیونکہ ہم اسی طرف جا رہے تھے۔ ہمارا سفر بے حدست رہا۔ اول تو اس لئے کہ زخمی ہمارے ساتھ تھے اور دوم اس لئے کہ مویشی بھی تھے۔ مویشیوں سے تو بہر حال بعد میں ہمیں چھٹکارا مل گیا۔ کیونکہ ان مویشیوں کے علاوہ، جو میں نے اپنے آدمیوں کو دیئے تھے، اور سو دوسرے مویشیوں کے علاوہ، جو سادو کو نے اوہیری کو دینے کے لئے منتخب کئے تھے سادو کو نے بقیہ سارے مویشی اپنے نصف آدمیوں اور ہجرا کے ساتھ ایک خاص مقام کی طرف روانہ کر دیئے۔ اس نے اپنے چچا شوزا سے کہا کہ وہ اور اس کے ماتحت وہاں سادو کو کی واپسی کا انتظار کریں۔

جس رات ہم نے آما کو با سے جنگ کی تھی اس کے ٹھیک ایک مہینے بعد اوہیری کے کراٹیک کے قریب ان جھاڑیوں میں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے۔ جہاں میں پہلی دفعہ سادو کو کے ساتھیوں سے ملا تھا۔ اور اب یہ لوگ ان وحشت ناک لوگوں سے، جو سادو کو کے پکارنے پر جھاڑیوں میں سے بھوتوں کی طرح نکل آئے تھے، کھلی ہتھکے یہاں تک کہ سفر میں سادو کو نے ان لوگوں کے لئے بے حد خوبصورت مोजے اور مکمل خرید لئے تھے۔ صرف یہی نہیں بلکہ ان میں سے ہر ایک کے لئے کالے چمکدار پردوں والی ٹوپیاں بھی بنائی تھیں۔ اب ان کی ڈھالیں بھی نئی اور خوبصورت تھیں اور ان کے پردوں میں کڑے پڑے ہوئے تھے اور کمر سے بیلوں کی دھن باندھی ہوئی تھیں۔ اس کے علاوہ اب انہیں پیٹ بھر کر اور اچھا کھانا ملا تھا اور چونکہ انہوں نے خاصا طویل سفر بھی کیا تھا اس لئے وہ مونے اور مضبوط بن گئے تھے۔

سادو کو کی تجویز یہ تھی کہ وہ رات دیں

جھاڑیوں میں بسر کی جائے اور دوسرے دن صبح اپنے ساتھیوں کے ساتھ بڑی شان اور جھنڈت سے روانہ ہو، سو مویشی اوہیری کے سامنے پیش کرے۔ (قارئین بھولے نہ ہوں گے اوہیری نے مویشی کی طلب کئے تھے) اور پھر اس کی بیٹی کا ہاتھ طلب کرے۔ میرے خیال میں اب تک قارئین سادو کو کی اس خصوصیت سے واقف ہو چکے ہوں گے کہ اس میں نمائش کا زیادہ مادہ تھا۔

بہر حال سادو کو کی اس تجویز پر آخر تک عمل کیا گیا۔

دوسرے دن جب سورج کافی بلند ہو گیا تو سادو کو نے افریقہ کے بڑے بڑے سرداروں کی طرح اپنے دوستاقتوں کو بجانا کر اپنے قبیلوں کے طور پر آگے روانہ کیا کہ وہ اوہیری کو اس کی آمد کی خبر کر دیں۔ ان کے بعد دو دوسرے آدمی سادو کو کے کارناموں کی داستان گاتے اور اس کی مدح سرائی کرتے روانہ ہوئے۔ یہاں میں یہ بتا دوں کہ میں نے یہ بات خصوصیت سے نوٹ کی کہ انہیں ہدایت کردی تھی کہ وہ اپنے گیتوں اور مدح سرائی میں اس شخص کا نام نہ لیں جو میکویزن کہلاتا تھا۔

خیر تو اس کے بعد ہم بڑی شان سے روانہ ہوئے۔ سب کے آگے سادو کو تھا اور اس کی شان حقیقت میں ایک سردار کی سی ہی تھی۔ ہاتھ میں چوہا بھالا، سر پر رنگ برنگے پردوں کی ٹوپی، نتھوں میں کڑے اور شانے پر چھتے کی کھال کا لبادہ۔ اس کے ساتھ اس کے دس ساتھی تھے جو بہترین طور پر بچے ہوئے تھے۔ یہ دس اماگوئے گویا اس کے انڈوانہ یا شیر تھے۔ ان کے پیچھے میں تھا۔ پست قامت اور دھول آلودہ چھتر سا نظار آتا ہوا انسان۔ میرے ساتھ بد صورت اور گومڑی ناک والا سکاؤل تھا جس کی پتلون پر تیل کے بے شمار دانے تھے، جس کے جوتے گھسے پٹے اور پھٹے ہوئے تھے جن میں سے اس کے پٹے جھانک رہے تھے۔ سکاؤل کے علاوہ میرے ساتھ میرے تین کافر شکاری بھی تھے جن

کی ٹاہری وضع قطع سکاؤل سے بھی زیادہ خراب تھی۔ ہمارے پیچھے تقریباً اسی اماگوئے تھے جنہوں نے نئے مोजے باندھ رکھے اور سردوں پر کالے پرنگ رکھے تھے اور ان کے بعد چند اماگوئے سو مویشیوں کے ریوڑ کو ہانکتے چلے آ رہے تھے۔

اس شان سے ہم روانہ ہوئے اور آخر کار کراٹیک کے پھانک کے سامنے پہنچ گئے۔ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ سادو کو کے قیام اور مدح سرائی کرنے والے بیٹھے رہے اور گیت گارہے تھے۔

”اوہیری سے ملے؟“ سادو کو نے ان سے پوچھا۔

”نہیں۔“ انہوں نے جواب دیا۔ ”جب ہم یہاں پہنچے ہیں تو وہ سو رہا تھا لیکن اس کے آدمیوں نے بتایا ہے کہ کس اب وہ آئے ہیں والا ہے۔“

”تو پھر اس کے آدمیوں سے کہو کہ بہتر ہے کہ وہ جلد ہی آجائے ورنہ میں خود اسے گردن سے پکڑ کر باہر تھمٹ لاؤں گا۔“ سادو کو نے کہا۔

عین اس وقت کراٹیک کا پھانک کھلا اور اوہیری نمودار ہوا۔ وہ پہلے سے زیادہ موٹا اور بیوقوف دکھائی دے رہا تھا اور میں نے دیکھا کہ وہ کچھ خوفزدہ بھی تھا حالانکہ وہ اپنا خوف چھپانے کی کوشش کر رہا تھا۔

”ایس! کون مجھ سے میرے کراٹیک میں ملے آیا ہے؟“ وہ بولا اور وہ بھی۔ آہم۔۔۔ ایسی شان سے؟“ اور اس نے اپنے ہاتھ کی چھتری سے مسل اماگوئے کی طرف اشارہ کیا۔

”ارے! یہ تم ہو سادو کو؟“ وہ چونکا اور اس نے سادو کو کو سر سے پاؤں تک دیکھا۔ ”آہا۔ کیا شان ہے۔ کیا رعب و داب ہے۔ کیا عظیم نظر آتے ہو تم۔ کس کو لوٹا ہے تم نے؟ اور تم بھی ہو میکویزن؟ لیکن تم تو ذرا بھی عظیم نظر نہیں آتے تم تو اس بوڑھی گائے کی طرح دکھائی دیتے ہو جو موسم سرما میں، جب گھاس نہیں ہوتی، اپنے پچھڑوں کو دودھ پلائی رہی ہو لیکن یہ بتاؤ کہ یہ سپاہی کیوں آئے تم لوگوں کے ساتھ؟ یہ

میں اس لئے پوچھ رہا ہوں کہ اتنے بہت سے آدمیوں کے لئے میرے پاس کھانا نہیں ہے خصوصاً اس لئے بھی کہ حال ہی میں میرے کراٹیک میں شاندار دعوت ہو چکی ہے۔“

”تم فکر نہ کرو اوہیری“ سادو کو نے سینہ پھلا کر اور گردن اٹھا کر کہا۔ ”اپنے آدمیوں کے لئے کھانا میں ساتھ لے کر آیا ہوں۔ اب رہا یہ سوال کہ میں کیوں آیا ہوں تو اس کا جواب یہ ہے کہ تم نے اپنی بیٹی ماینا کے لوبلا (شادی کا تھن یا قیمت) کے طور پر سو مویشی طلب کئے تھے۔ وہ میں لے آیا ہوں۔ جاؤ۔ اپنے آدمیوں کو بھیج دو کہ وہ انہیں شہر کر لیں۔“

”ہاں۔ ہاں۔“ اوہیری نے بے چینی سے کہا۔ اور پھر اپنے پیچھے کھڑے ہوئے چند آدمیوں کو کچھ ہدایت دینے کے بعد سادو کو کی طرف گھوم گیا۔ ”یہ دیکھ کر مجھے بے حد مسرت حاصل ہوئی ہے کہ تم دفعتاً بہت امیر بن گئے ہو حالانکہ یہ نہیں جانتا کہ یہ کیسے ہوا سادو کو؟“

”تمہیں آم کھانے سے مطلب ہے یا بیڑا گھسنے سے؟“ سادو کو نے جواب دیا بیانیہ اظہار تہارے لئے یہی جان لینا کافی ہے کہ میں امیر ہوں اب ذرا ماینا کو بلا بھیجو۔ میں اس سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔“

”ہاں۔ ہاں۔ میں سمجھتا ہوں سادو کو کہ تم ماینا سے باتیں کرنے کے لئے چناب ہو گے۔ لیکن۔۔۔“ اور اس نے انتہائی بے بسی سے ادھر ادھر دیکھا۔ ”لیکن مجھے خوف ہے کہ وہ اب تک بیدار نہیں ہوئی ہے اور پھر یہ بھی ہے کہ اسے جگانا مناسب نہیں۔ تم تو جانتے ہی ہو کہ وہ ہمیشہ دیر سے اٹھا کرتی ہے۔ سادو کو! کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ تم کل صبح آؤ؟ بلکہ میرے خیال میں پرسوں آؤ۔ تو اور بھی اچھا ہے؟“

”کون سی جھوٹی بیوی میں سوری ہے ماینا؟“ سادو کو نے سختی سے پوچھا۔ ”لیکن میں نے تجھ لیا کہ یہاں دال میں کچھ



پیری آنکھیں

نگہ غفار - کراچی

وہ بچپن سے اس کی آنکھوں پر عاشق ہے وہ ساحرہ کو کسی اور کا نہیں ہونے دے گا کوئی اور اس کی آنکھوں کا مالک بن سکے یہ سب کچھ میں نہیں چاہوں گا۔

ایک جن کی در پردہ دیدہ دلیری اور پھر جب وہ کلمے عامہ سنے آیا تو لوگ تھر تھر کر گئے

اس کی آنکھیں بہت ہی حسین اور بڑی خوبصورت تھیں ہر دیکھنے والے کو کچھ لحوں کے لئے اپنے حرم میں جکڑ لیتی تھیں، ویسے سراپا وہ ایک قبول مورت لڑکی تھی۔ بہت معصوم سیدھی سادھی ہنس مکھی آنکھوں کو تلنے ملانے والے دوست احباب برملا اس کی آنکھوں کی تعریف کئے بغیر نہیں رہتے تھے وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتی عمر کے ساتھ وہ اور زیادہ متاثر کن ہو رہی تھیں۔

ساحرہ اب کالج میں آگئی تھی۔ یہ دنیا کا دستور ہے یہاں رہنے والے سارے ہی ایچھے خیالات، سوچوں اور جذبات کے نہیں ہیں۔ کچھ ٹیکو پوائنٹ پر سوچنے والے ہیں اب ساحرہ کو لوگوں کی بد نظر اور حسد کا شکار ہونے لگی اکثر بیمار رہنے لگی والدین ہر طرح سے اس کا خیال رکھتے بڑے سے بڑے سرجن کو دکھاتے

مالک ہے۔“

اور اس کے آگے بوڑھا ادبیری کچھ نہ کہہ سکا۔ اگر اس وقت میں بیچ میں نہ پڑا ہوتا اور اگر میں نے سادو کو سے لپٹ کر اسے پیچھے نہ گھسیٹ لیا ہوتا تو وہ ادبیری کی زندگی کا آخری لمحہ ہوتا کیونکہ سادو کو اپنے بھالے سے بوڑھے ادبیری کو زمین سے ٹانگ دینے والا تھا۔ لیکن میں نے عین وقت پر سادو کو کو پیچھے گھسیٹ لیا اور سادو کو چونکہ غصے کی شدت سے کمزور ہو رہا تھا اس لئے گھٹا چلا آیا۔ میں اس کے دل کو بری طرح سے دھڑکنے محسوس کر رہا تھا۔

آخر کار اس کا غصہ قدرے کم ہوا، اس کے حواس واپس آئے تو اس نے اپنا بھلا پھینک دیا کہ وہ پھر آپا سے باہر ہو کر ادبیری کو قتل نہ کر دے اور پھر اس نے اپنا کے باپ کو مخاطب کیا۔ اپنی وہی لرزہ خیز آواز میں۔

”ادبیری! اس معاملے میں تمہیں اور بھی کچھ کہنا ہے؟ تمہیں جواب دینے سے پہلے میں سب کچھ سن لیا چاہتا ہوں۔“

”صرف یہ سادو کو“ ادبیری نے جواب دیا جواب اٹھ کھڑا ہوا تھا اور نرسل کی طرح کانپ رہا تھا۔ میں نے وہی کیا ہے جو دنیا کا ہر باپ کرتا ہے۔ ماسو پو بڑا ہی پر قوت سردار ہے اور وہ میرے بڑھاپے کا سہارا ثابت ہو سکتا ہے۔ مایانے کہا۔ کہا کیا بلکہ اعلان کیا کہ کہہ دو کی زولو سے شادی کرنا نہیں چاہتی چنانچہ میں سمجھتی ہوں کہ اسے کسی سفید کام کی تلاش ہے۔“ اور یہاں بوڑھی گائے نے میری طرف دیکھا۔ ”لیکن اس نے یہ بھی کہا کہ اگر اس کا باپ چاہتا ہے کہ وہ ماسو پو سے شادی کرے تو پھر وہ ایک فرمانبردار بیٹی کی طرح اس کے اس حکم کی تعمیل کرے گی لیکن اگر اس شادی سے مصائب اور خون خرابے کے دروازے کھل جائیں تو اس کی ذمہ داری اس پر نہیں بلکہ اس کے باپ پر عائد ہوگی۔“

”اس وحشی بلی! مجھے بے بس دیکھ کر اب تو مجھے اپنے ناخنوں سے مجھے گھسٹ رہی ہے؟“ ادبیری بولا۔ (جاری ہے)

کالا ہے چنانچہ میں آپ ہی آپ مسکرانے لگا۔ یہ تو میں خود بھی نہیں جانتا سادو کو۔“ ادبیری نے جواب دیا۔ ”کبھی وہ اس جھوپڑی میں سوتی ہے اور کبھی اس جھوپڑی میں اور کبھی کبھی وہ یہاں سے کئی گھنٹوں کی مسافت پر اپنی چچی کے یہاں چلی جاتی ہے۔ اب اگر وہ گزشتہ رات اپنی چچی کے کمرال میں چلی گئی ہو تو میں کہہ نہیں سکتا۔ تم جانو وہ بڑی خود مختار لڑکی ہے اور میرے اختیار میں تو قطعی ہے ہی نہیں۔“

اس سے پہلے کہ سادو کو کچھ کہتا ایک تیز اور تیکسی آواز ہمارے کانوں سے نکرائی۔ تھوڑی سی تلاش کے بعد میں نے دیکھا کہ یہ آواز ایک بہت بوڑھی اور بد صورت عورت کی تھی جو سائے میں بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نے اس عورت کو پہچان لیا۔ یہ ادبیری کی وہی بیوی تھی جسے ”بوڑھی گائے“ کا لقب دیا گیا تھا۔

”یہ جھوٹ بول رہا ہے۔“ وہ بولی۔ ”یہ جھوٹ کہتا ہے۔ اپنے اجداد کی روحوں کا شکر ہے کہ وہ جنگلی بلی مایانے اس کمرال سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گئی۔ وہ گزشتہ رات اپنی چچی کے ساتھ نہیں بلکہ اپنے شوہر ماسو پو کے ساتھ سوئی تھی کیونکہ دو دن پہلے ادبیری نے بچپس گائے تم سے زیادہ دی ہیں۔“

سادو کو یہ الفاظ سے تو میں سمجھا کہ اب وہ مارے غصے کے پاگل ہو جائے گا۔ اپنی سیاہ کھال کے نیچے اس کا رنگ سفید ہو گیا۔ چند لمحوں تک وہ پتے کی طرح کانپتا رہا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ گر پڑے گا۔ پھر اس نے شیر کی طرح چھلانگ لگائی اور ادبیری کا گلا پکڑ کر اسے پھینچا دیا اور اب وہ بوڑھے ادبیری کے سر پر بھالا لئے کھڑا تھا۔

”لا لچی کتے“ سادو کو نے لرزادنے والی آواز میں کہا۔ ”جی بچا بتا ورنہ میں تجھے ادبیر کر رکھ دوں گا۔ بتا۔ کیا کیا تو نے مایانے کا؟“

”ہائے ہائے سادو کو“ ادبیری نے گھٹی ہوئی آواز میں کہا۔ ”مایانے نے خود شادی کرنا چاہی اور کر لی۔ اس میں میرا کیا قصور۔ وہ اپنی مرضی کی

پیسہ پانی کی طرح بہاتے مگر ساحرہ دن بہ دن گھٹی جا رہی تھی۔

کوئی بھی یہ سمجھ نہ سکا۔ آخر کس بیماری میں مبتلا ہے۔ ہر نرس صبح ہر رپورٹ کلیر، ڈاکٹر زنجی پریشان مگر بیماری پکڑی نہیں آ رہی ہے۔

اب تو یہ حال ہو گیا تھا کہ بیٹھے بیٹھے گر جاتی۔ چلتے چلتے نہیں بھی گر جاتی۔ نہ کسی محفل میں جا سکتی نہ کالج جا رہی تھی۔ بالکل خاموشی اختیار کر لی بہت ہی مختصر بہت ضروری بات کرنی آدم بیزار ہر ایک سے روٹی روٹی۔

کچھ دنوں سے اس کے رشتے کی باتیں گھر میں گردش کر رہی تھیں ایک اچھا رشتہ آیا ہوا تھا مگر اس کی اس حالت کی وجہ سے ابھی یہ لوگ اس سلسلے میں خاموش تھے۔ وہ جب سے رشتے کی باتیں ہو رہی تھیں تب سے ساحرہ پر اکثر غصہ اور بے ہوشی کے دورے پڑنے لگے تھے۔ لڑکا خاندان کا تھا۔ بچپن سے ساحرہ کو پسند کرتا تھا۔ وہ لوگ زور دے رہے تھے کہ شادی کر دیں۔ ہو سکتا ہے ماحول اور حالات بدلنے سے صحت پر اچھا اثر پڑے۔ مگر ہوا یوں کہ اس بار والدین اسے پیر صاحب کے پاس لے گئے۔ بڑی دیر تک پیر صاحب نے حساب کتاب کیا اور بتایا۔ ”بھئی اس بچی کی آنکھوں پر جن عاشق ہے۔ چلو میں علاج کرتا ہوں۔“ علاج شروع کیا گیا۔

جو چیز انسان کو اچھی لگتی ہے وہ اس مخلوق کو بھی انٹریکٹ کرتی ہے۔

تین ماہ کا علاج تھا۔ لیکن ہوا یوں کہ ایک مہینے بعد ہی پیر صاحب بیمار ہو گئے اور علاج مکمل نہ ہو سکا۔ پیر صاحب اور جن میں بڑی حد تک بحث ہوئی تھی اس نے کہہ دیا تھا کہ وہ اس پر سے نہیں جائے گا۔ وہ بچپن سے اس کی آنکھوں پر عاشق ہے وہ ساحرہ کو کسی اور کا نہیں ہونے دے گا کوئی اور اس کی آنکھوں کا مالک بن سکے یہ سب کچھ میں نہیں چاہوں گا یہ آنکھیں میری ہیں اور صرف میری ہی رہیں گی۔ اور پھر ایک روز پیر

صاحب کا انتقال ہو گیا۔

ایک دن اچانک ساحرہ کی آنکھوں کی روشنی بلب گئی۔ اور وہ اب ایک کمرے میں بند ہو کر رہ گئی۔ مگر بہت اکثر لوگوں نے گھر والوں نے غور کیا کہ اس کے کمرے سے ہنسنے کی اور باتیں کرنے کی آوازیں آتی ہیں۔ ساحرہ کے علاوہ کسی اور کی موجودگی کا احساس ہوتا ہے۔ والدین نے دوسرے پیر صاحب کی تلاش شروع کی مگر ایک دن اچانک خبر ملی کہ اسد جو ساحرہ کا کزن تھا اور اس سے شادی کا خواہش مند تھا اپنے کمرے میں مردہ حالت میں پایا گیا کیونکہ اس نے صاف لفظوں میں کہا تھا اس ہنسنے میں ساحرہ سے شادی کر لوں گا۔

ساحرہ اس کی اچانک موت سے بہت دکھ ہو گئی تھی۔

اب اس کے کمرے سے زیادہ آوازیں آنے لگی تھیں۔ پہلے دن میں کچھ گھنٹے آوازیں آتی تھیں مگر رات بارہ بجے کے بعد سے صبح فجر کی اذان تک مسلسل آوازیں آتیں مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا باتیں ہو رہی ہیں۔ نئے پیر صاحب آئے تو سہی مگر لگتا تھا کہ اس مسئلے کا حل ان کے بس میں نہیں ہے کیونکہ ایک روز وہ ساحرہ کے علاج کے غرض سے ادھر آ رہے تھے کہ ان کی گاڑی کا ایکسٹنٹ ہو گیا اور وہ زخمی حالت میں ہسپتال میں ایڈمٹ ہو گئے۔

والدین بیٹی کا علاج کروا کر داکٹر کے پیروں کے پیچھے بھاگ بھاگ کر تھک گئے تھے۔ مگر بہتری کی کوئی صورت نظر نہیں آ رہی تھی۔ اب جن گھر والوں کو بھی پریشان کرنے لگا تھا۔ گھر سے چیزیں غائب ہونے لگیں گھر کے افراد گھر سے نکلنے واپسی پر گھر کا راز بھول جاتے۔ جن چاہتا تھا کہ وہ ساحرہ کی طرف سے گھر والوں کی توجہ ہٹائے اس وجہ سے وہ اب تلف طریقوں سے پریشان کرنے لگا۔

ان لوگوں کی پریشانی دیکھ کر کسی نے کسی کو صاحب کا پتہ بتایا۔ جب ساحرہ کو ان کے پاس لے جانے لگے تو راستے میں زبردست حادثہ پیش آیا۔

اور اس حادثے میں ساحرہ کی موت واقع ہو گئی۔ میری اللہ سے یہ دعا ہے کہ ہم سب کو اس مخلوق سے اس کے شر سے محفوظ رکھے۔ ہم پر اپنی رحمتوں اور کرم کا حصار رکھے۔ یہ مخلوق اکثر بندے کو قبر تک پہنچا کر پیچھا چھوڑتی ہے۔

ان کو جو چیزیں انٹریکٹ کرتی ہیں وہ ہیں۔ خوبصورت آنکھیں، لمبے بال، کلمے بال، سریلی خوشی، ایک واقعہ میری امی نے بتایا تھا ان کی کزن جن کے بال بہت زیادہ لمبے تھے ایک روز وہ نہا کر نکلیں رات کا وقت قمارات کے بارہ بج چکے تھے گریموں کے دن تھے کچھ لوگ محن میں بیٹھے تھے تریا حال بھی محن میں چلی آئیں پہلے کا درخت تھا اس کے نیچے کھڑی ہو گئیں۔ چند ہی لمحوں میں ان کے سارے بال ایک ایک بال کر کے درخت کی پتی سے لپٹ گئے بالوں کے کنارے ان کے سر سے پڑے لپٹ گئے اور وہ ہوا میں معلق ہو گئیں زمین سے بہت اوپر اٹھ گئیں فوراً گھر کے مرد پیر صاحب کو لینے بھاگے۔ پیر صاحب آئے بڑی دیر کی جدوجہد کے بعد خالد کے بال بیڑ سے الگ ہوئے اور وہ نیچے گر پڑیں۔ کئی مہینوں تک وہ شدید بیمار رہیں۔ پھر نانی نے اس گھر کو چھوڑ دیا اور دوسرے گھر میں شفٹ ہو گئیں۔

میری ایک دوست تھی منیجر ملیر جامعہ ملیہ کی طرف سے لائسنس یافتہ آباد کے اسکول آئی تھی مرید تھی خوشبو بہت لگاتی تھی اور اس کا گزر گھر سے اسٹاپ تک ایسی جگہ سے ہوتا تھا جہاں کھنی جہازیاں تھیں وہاں آسب کا گزر تھا۔

ایک روز اچانک وہ بیمار ہو گئی دور سے پڑنے لگے حالت بہت خراب ہو گئی فوراً بڑے سے بڑے ڈاکٹرز سے رابطہ کیا مگر اتفاقاً نہیں ہوا۔ پھر وہی ہوا فوراً پیر صاحب سے رابطہ کیا۔ جب علاج ڈاکٹرز سے نہ ہو سکے مرلیض کو اتفاقاً نہ ہو تو پھر ہر ایک کا خیال پیر صاحب کی طرف ہی جاتا ہے۔ ڈاکٹرز کے بس سے ابھر ہو جائے تو ایک یہ ہی راستہ بھائی دیتا ہے۔ فوراً

کامیاب زندگی کا راز
صبح سویرے اٹھو اور اپنے خالق کو یاد کرو۔

ماں باپ اور بزرگوں کا ادب کرنا عین عبادت ہے۔

استاد کی دل و جان سے محبت کرو اور دعائیں لو جن کے تم عمر بھر محتاج ہو۔

ہمیشہ سچ بولو یہ ہی تمہاری کامیاب زندگی کا راز ہے۔

کسی کی ناجائز خوشامد مت کرو اس سے خمیر پرانگندہ ہوتا ہے۔

تکبر مت کرو انجام کار گردن کے گرو گے اور دنیا کی نظر میں ذلیل و خوار ہو گے۔

حسد یری چیز ہے اس سے پرہیز کرو۔

آج کا کام کل پر مت چھوڑو، زندگی کبھی کامیاب نہ بن سکے گی۔

صبر کرو تاکہ سے نہ جانے دو، یہ دانتی کی نشانی ہے۔

محنت ہی سرچشمہ کامیابی ہے۔

(گہمت غفار..... کراچی)

ہی اچھے آستانے کا رخ کیا گیا۔ پیر صاحب نے ساری کیفیت سن کر علاج شروع کیا دم درد و تنوید گنڈے ہانڈی مختلف چیزوں کے ساتھ سمندر میں بہائی گئی اور ساری زندگی کے لئے پر فیوم استعمال کرنے پر پابندی لگ گئی۔

میری دعا ہے کہ اللہ رب العزت اس قسم کے ناگہانی آفات اور حادثات سے ہم سب کو محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین۔



زندہ لاش

غلام زادہ نعمان صابری - لاہور

وقت اتنا بھی بے رحم ہوگا اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ کل تک دوسروں کو موت کی نیند سلانے والا آج خود موت کا منتظر تھا مگر موت اس کے قریب آنے سے گریزاں تھی۔

دل و دماغ پر سکتہ طاری کرتی اور سطر سطر روٹنے لگے کھڑے کرتی دہشت ناک کہانی



کی دم کو چھو ہاتھا۔ اس کے یوں گاؤنا کو چھوٹے سے گاؤ مانا پلید ہوئی تھی اور یہ ہندو دھرم کی توہین تھی۔ وہ اسے پکڑ کر مار چرسل میں لے گئے تھے۔

جوزف سکا نے ہاتھ جوڑ کر معافیاں مانگیں اپنی بے گناہی کا ثبوت لگے پھاڑ پھاڑ کر دیا مگر اندھی آنکھیں اسے بہرے کان نہ کھڑکھڑا رہے تھے اور نہ کچن رہے تھے۔

گائے کے قریب سے گزرا جوزف سکا کی زندگی کا سورج غروب کر گیا۔

یہ ایک مذہبی معاملہ تھا جس کی مخالفت ہندو کو ہندو سے لڑا سکتی تھی اس لئے عام ہندو خاموش تھے جب کہ انتہا پسند ہندو دھرم کے ٹھیکیدار بے ہوش تھے۔

سر بازار شیطانت مانج رہی تھی گاؤ مانا کو بہانہ بنا کر مسلمانوں اور دیگر اقلیتوں کو دن دھاڑے قلم و بربریت کا نشانہ بنایا جا رہا تھا اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے چند دنوں میں گائے کی کھال اور بائے علی

احمد کے گھر کے قریب رکھ دیئے اور صبح اٹھ کر شہر چلا گیا کہ یہاں رات کو گاؤ مانا ذبح کی گئی ہے۔

ہندو انتہا پسندوں کا ایک جم غفیر جمع ہو گیا مار دو پکڑو ذبح کر دو کے فلک شگاف نعرے بلند ہوا شہر دھلے

خمی غربت و افلاس میں گزر رہے ہوئے مشکل ترین دن وہ بول چلی تھی کیوں کہ علی احمد نے میٹرک کا امتحان اعلیٰ حیثیت سے پاس کر لیا تھا۔

وہ بھی بہت خوش تھا۔ وہ اپنی ماں کو ہر طرح کی خوشیاں دینے کا آرزو مند تھا وہ اپنی ماں کی محرومیوں کا ازالہ کرنا چاہتا تھا۔

انتہا پسند ہندوؤں کو علی احمد کی شاندار کامیابی ہضم نہ ہو سکی انہوں نے اس کے خلاف قتل کے منصوبے بنانے شروع کر دیئے چند دنوں میں علی احمد کی ماں کی سخت خلاف تھا۔

انتہا پسندوں نے چند دنوں میں علی احمد کو شیشے میں اتارا اور اسے علی احمد کے قتل پر اکسایا۔ وہ کوئی ایسا بہانہ تراش رہے تھے جس سے سانپ بھی مر جائے اور لاش بھی بچ جائے۔

انہوں نے مار چرسل بنائے ہوئے تھے جس کو جی چاہتا تھا پکڑ لیتے اور وہاں لے جا کر تشدد کرتے اس کی ہڈی پھیلے توڑ دیتے اور پھر اس کی لاش کسی دیرانے میں پھینک دیتے۔

چند دن پہلے دیرانے سے ایک عیسائی کی لاش ملی تھی جسے ڈی این ای ٹیسٹ سے پہچانا گیا تھا لیکن ذرا لے لاسٹ نے اس قتل کو ڈاکوؤں کا شاخسانہ قرار دیا تھا ہندوؤں کی انتہا پسند تنظیم کا سرے سے نام ہی نہیں لیا گیا تھا۔

جوزف صبح پر الزام تھا کہ اس نے راہ چلے گاؤ مانا

کل کا دہشت ناک انسان آج گھر والوں کے لیے دہال جان بنا ہوا تھا۔ کل سب لوگ کھیتوں کی طرح اس کے ارد گرد منڈلاتے تھے چڑھتے سورج کی طرح پوچھا کرتے تھے اور آج اس کے قریب آنے سے بھی گھبراتے تھے۔ وقت اتنا بھی بے رحم ہوگا اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ کل تک دوسروں کو موت کی نیند سلانے والا آج خود موت کا منتظر تھا مگر موت اس کے قریب آنے سے گریزاں تھی۔

☆.....☆.....☆

پچاس سال پہلے جب چند دنوں میں جو ان تھا وہ اپنے مقابل کسی کو کچھ نہیں سمجھتا تھا۔ مسلمانوں کا شدید مخالف تھا۔ وہ انتہا پسند ہندوؤں کا آلہ کار بنا ہوا تھا۔ وہ اقلیتوں کو ہندوستان کا بایں نہیں سمجھتا تھا۔

بڑا ضدی اور اکھڑ مزاج ہندو تھا۔ کئی مکہ، عیسائی، چلی ذات کے ہندو اور مسلمان قتل کر چکا تھا۔ پولیس اس پر ہاتھ نہیں ڈالتی تھی کیوں کہ اسے انتہا پسند ہندوؤں کی حمایت حاصل تھی اور انتہا پسند ہندوؤں سے پولیس ڈرتی تھی۔

چند دنوں میں علی احمد کے محلے میں ایک مسلمان بیوہ عورت رہتی تھی اس کا ایک ہی بیٹا تھا علی احمد جو بڑا فرما تیر دار اور ذہین تھا۔ وہ دونوں ہم جماعت تھے۔ علی احمد ہر وقت پڑھائی کی طرف متوجہ رہتا تھا جب کہ چند دنوں میں دہشت گردانہ سوچ کا مالک تھا اور دہشت گردی کے کاموں میں لگا رہتا تھا۔

علی احمد ماں کی خواہشوں کا مرکز تھا۔ وہ اپنے بیٹے کی ذہانت اور فرمانبرداری پر اللہ تعالیٰ کی نہایت شکر گزار

چند دنوں میں علی احمد کے محلے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی گئی تھی۔ بڑے بڑے حکماء، طبیب اور ڈاکٹر علاج میں ہزاروں نئے آزمائے تھے۔ اس کے باوجود صحت یابی کی امید نظر نہیں آ رہی تھی۔ ”مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی“ کے مصداق اس کی حالت بری سے بری بلکہ ابتر ہوتی چلی جا رہی تھی۔ علاج کے تمام حربے ناکام ہو چکے تھے۔

وہ چار پائی کے ساتھ چپک کر رہ گیا تھا۔ اب وہ بستر سے اٹھنے کے قابل بھی نہیں رہا تھا۔ وہ ایک زندہ لاش کی مانند بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا اب تو کبھی خونی رشتے بھی قریب آنے سے گھبرانے لگے تھے۔

بیاری ہی کچھ ایسی تھی کہ اس کے وجود سے بدبو آنا شروع ہو گئی تھی۔ اس کی ناگفتہ بہ حالت دیکھ کر گھر والے اس کے مرنے کی آرزو کرنے لگے تھے۔ یوں لگ رہا تھا جیسے خدا نے چند دنوں میں اس کی زندگی کے ساتھ موت لکھی ہی نہیں تھی۔ اس کا بدبو دار وجود عبرت کا منظر پیش کر رہا تھا۔ جو دیکھتا وہ کانوں کو ہاتھ لگاتا۔

یہ ایک ایسا علاج مرض تھا جس کی تشخیص کسی سے نہیں ہو رہی تھی۔ بڑے بڑے ڈاکٹر، حکیم اور سنیا سی اپنے تجربات آزمائے تھے۔ ہلا خراس مرض کی تشخیص نہ ہونے کے سبب چند دنوں میں اس کو لا علاج قرار دے دیا گیا تھا۔ گھر والے گھر کے ایک کونے میں اس کی چار پائی ڈال کر اس کی موت کا انتظار کرنے لگے تھے۔

اور کانوں پر ہی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔
چند دن چپکے سے اپنے ساتھیوں کی مدد سے علی
احمد کو وہاں سے نکال کر عقوبت خانے لے آیا اور اسے
سیوں میں جکڑ دیا۔

ماں کی مانتا ہاتھ ملتی رہ گئی شیطان کے بیرو کاروں
نے اسے بھی زد و کوب کیا شاید ماں نے زندگی میں ابھی
حزید کچھ دکھ جھیلنے تھے اس لئے اسے موت چھو کر گزر
گئی۔ چنانچہ وہ زندہ ہی مگر زندہ لاش کی صورت میں۔
انکو تے بیٹے کی رہائی کے لیے درد کی خاک چھانی
مگر کسی نے فریاد نہیں سنی۔ بیٹے کی جدائی اور غم نے رات
کی نیندیں اور دن کا چین حرام کر دیا تھا۔ رات بھر دماغ
میں مختلف خیالات اور منظر گردش کرتے رہتے تھے۔ وہ
ہندوؤں کی خصلت سے بخوبی واقف تھی۔

سوچوں میں گم اکثر یہ سوچتی رہتی تھی کہ انسان
کے لہادے میں شیطان کیا کیا کل کھلا رہا ہے یہ ساری
دنیا دیکھ رہی ہے مگر جہاں مسلمانوں کی بات آتی ہے
وہاں انسانیت کے علمبردار آنکھوں پر پٹی باندھ لیتے
ہیں اور کانوں میں روٹی ٹھونس لیتے ہیں شاید ان کی نظر
میں مسلمان انسان نہیں ہیں۔

جنت مسیح کے معاملے میں انسانیت کی علمبردار عالمی
تکلیفوں نے احتجاج کیا تھا اور اس کے وارثوں کو اپنے ملک
لے گئے تھے یہاں کی ہر طرح سے اخلاقی اور مالی مدد تھی۔
مسلمان ملکوں کی تنظیم میں اتحاد قائم کیوں نہیں؟
یہ ایک ایسا سوال تھا جو اسے چھوڑ کر کھدیتا تھا۔
مسلمانی کا حق تو یہ ہے کہ اگر مشرق میں کسی مسلمان کو
کافرا جیسے تو غریب میں لینے والے مسلمان کو اس کی تکلیف
چینتی چاہئے۔ مگر کہاں گئے وہ مسلمان۔۔۔۔۔؟

اس کے پاس آنسوؤں کے سوا کچھ نہیں تھا۔
آخر ماں بھی سنگ سنگ کر راکھ تھی جاری تھی۔

علی احمد نے چند دن اس کو بچپن کے وہ حسین دن یاد
کرائے جب وہ دونوں مل کر کھیلتے تھے اور اسکول جاتے
تھے۔ چند دن کو علی احمد کی ماں بہت پیار کرتی تھی وہ
جب گھر میں آتا تھا تو وہ اسے کھانا کھلاتی تھی۔ بچپن میں

جب وہ گھر آتا تھا اسے کھلونے تھے میں دے کر بھیجتی تھی
کبھی اسے گھر سے خالی ہاتھ نہیں جانے دیا تھا۔
چند دن اس شیطان کے ہاتھوں میں کھلونا ہوا تھا
اس نے جانے کیسے کیسے خواب دکھائے گئے تھے جن کے
لئے وہ انسانیت کی تمام حدود پھیلا گئے چکا تھا اور جہاں
سے اب اس کی واپسی ناممکن تھی۔

اس پر شیطان بھوت سوار تھا اسے علی احمد کی کوئی
بات سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ تم نے گائے کیوں ذبح کی؟
کیا تمہیں معلوم نہیں ہم گائے کی پوجا کرتے ہیں
اور وہ ہماری مانتا ہے؟ میں گائے کیوں ذبح کروں گا
جب کہ مجھے معلوم ہے کہ گائے ہندوؤں کے نزدیک
مقدس ہے اور تم لوگ اس کی پوجا کرتے ہو۔

چند دن داس اور علی احمد کے درمیان گفتگو جاری تھی
کہ ایک انتہا پسند ہندو نے علی احمد کی کمر میں اتنی شدید
ضرب لگائی کہ وہ درد کی وجہ سے دہرا ہو گیا اور بے بسی
کے عالم میں اس کے منہ سے نکلا۔

ہائے میری ماں! وہ مسلسل اس پر تشدد کر رہے تھے اب
انہوں نے اسے مکمل طور پر ٹھکانے لگانے کا پروگرام بنالیا تھا۔
علی احمد نے چند دن داس کی بڑی مٹیس کیں اور اسے
اپنی اکیلی اور لاوارث ماں کے واسطے دیے اور اس سے
کہا کہ میری ماں میری جدائی میں تڑپ رہی ہوگی تمہیں
تو معلوم ہے کہ اس کا میرے سوا کوئی پرسان حال
نہیں میرے بغیر اسے تنہائی میں خوف آتا ہوگا۔ وہ
تمہاری بھی تو ماں ہے۔ وہ تمہیں اپنا بیٹا سمجھتی ہے۔

گئے دنوں پر نظر دوڑا کرو کبھی شاید تمہیں کچھ نظر جائے۔
علی احمد کی چند دن داس سے گفتگو جاری تھی کہ

ایک کم بخت نے گائے کی کھال اس کے بدن پر لہ
پائے گلے میں ڈال دیئے۔ بدبو سے اس کا بدن حال ہو رہا تھا۔
کئی دنوں کے تشدد کے بعد جب انہوں نے دیکھا
کہ علی احمد کی رہائی کے لیے کوئی تحریک نہیں چلی اور
مسلمانوں میں مکمل خاموشی چھائی ہوئی ہے تو انہوں نے
مزید انتظار کرنا برکار جانا۔ وہ پہلے ہی شیطان منسوب بنا
چکے تھے کہ علی احمد کو کس طرح ٹھکانے لگانا ہے۔

ہم اپنے مردوں کو جلاتے ہیں تو تمہیں اچھا نہیں لگتا
اور تم مسلمان لوگ اس پر اعتراض کرتے ہو اور ہمارا
ذاتی اڑاتے ہو آج میں تمہیں بتاؤں گا کہ ہم مردے
کیسے جلاتے ہیں۔۔۔۔۔ بابا بابا۔

چند دن داس انتہا پسند ہندو ساتھیوں کے جھرمٹ
میں کھڑا شیطان قہقہہ لگا رہا تھا۔ علی احمد سیوں میں جکڑا
ہوا اس کے سامنے دو زنانوں بیٹھا ہوا تھا۔

چند دن داس نے تیل کی بوتل علی احمد پر انڈیلی اور
آگ لگادی۔ اس کی چیخ و پکار شیاطین کے قہقہوں میں
دب کر رہ گئی۔ وہ ان کی آنکھوں کے سامنے جلتا رہا اور
یہ اسے جلتا ہوتا دیکھ کر خوش ہوتے رہے۔ وہ جلی بھر
میں جل کر سیاہ بن گیا۔

رات کے اندھیرے میں انہوں نے علی احمد کا جلا
ہوا بخرہ اس کے گھر کے دروازے کے باہر پھینک دیا۔
صبح جب اس کی ماں نے دیکھا تو وہ اسے جلی ہوئی
کوئی لکڑی بھیجی اور حیران ہوئی کہ یہ جلی ہوئی لکڑی اس
کے دروازے پر کون پھینک گیا۔

نظری کمزوری کے باعث اس نے نزدیک جا کر
ٹٹولا اور غور سے دیکھا تو اسے جلا ہوا انسانی ڈھانچہ محسوس
ہوا اس نے ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہو گئی۔

جب وہ ہوش میں آئی تو دماغی توازن کھو چکی تھی۔ گلی
کوچوں میں اس کی ایک ہی صدا تھی۔ کسی نے میرا علی احمد

دیکھا ہے؟ کوئی مجھے بتائے گا میرا علی احمد کہاں ہے؟
ہے کوئی مجھے بتائے والا میرا علی احمد کہاں گیا؟

رات دن اس کا ایک ہی درد تھا میرا علی احمد میرا علی احمد۔
☆ ☆ ☆

چند دن داس کے وجود میں کیڑے بڑھ چکے تھے۔ وہ
چار پالی پر پڑا ہوا تھا اور بٹنے بٹنے کے قابل نہیں تھا مگر
اس کی چٹیں ساتویں آسمان تک جاتی تھیں۔ کیڑوں
نے اس کا گوشت جات لیا تھا اور ہڈیاں نظر آنا شروع
ہو گئی تھیں۔ اکثر و بیشتر علی احمد کی ماں یہ دردناک آواز
نکالتی تھی مگر وہ اپنے غم میں کسی کے غم کو بھول چکی تھی
الہیہ دیکھی اس طرف متوجہ نہیں ہوئی تھی۔

آج نہ جانے کیوں یہ دردناک آواز اس کے بچے
کو چر کر گزر رہی تھی۔ وہ لاشی کے سہارے آہستہ آہستہ
آواز کی جانب بڑھنے لگی وہ جب چند دن داس کے گھر
کے دروازے پر پہنچی تو وہ آواز اس کی کرک لگی اور سوچنے
لگی تو میرے دل میں کچھ گھبراہٹ ہوئی!

کیوں یہ دردناک آواز اس کی ہے؟
اس نے دروازے پر دستک دی اور گھر میں داخل ہو گئی۔
لو مجھے یہ معلوم ہوا کہ یہ چند دن داس ہے جو موت و
حیات کی کشمکش میں جکڑا ہے۔ زندہ لاش ہے موت
مانگ مانگ کر تھک گیا ہے مگر موت آنے کا نام ہی نہیں
لے رہی۔ کیڑوں نے پورے وجود کا سارا گوشت چاٹ
لیا ہے۔ ہڈیاں نظر آنا شروع ہو گئی ہیں۔

وہ کچھ دیر سوچا و پکار کے سمندر میں ڈوب گئی
اسے علی احمد سیوں میں جکڑا ہوا نظر آیا۔ بے یار و
مددگار دشمنوں کے زہن میں۔ اس کی درد بھری چیخیں کس
نے سنی ہوں گی۔ آخر اسے بھی تو جلا یا گیا تھا۔

چند دن داس کی چیخ و پکار اس قدر دردناک تھی جس
کی وجہ سے اس کی سوجن کا تسلسل ٹوٹ گیا۔ اس کا دل
پانی پانی ہو گیا۔ اس نے سوجا قدرت نے علی احمد کا انتقام
لے لیا ہے۔ مرنے کی ہزار خواہشیں بھی چند دن داس کو
موت نہ دے سکیں۔ اس سے بڑا انتقام اور کیا ہو سکتا ہے۔

اسے اپنے آقا علیہ السلام کی حدیث مبارکہ یاد
آگئی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ
آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ بشر کیسے کہ
کے لیے بدو عافرا میں۔ آپ نے فرمایا: مجھے رحمت بنا
کر بھیجا گیا ہے نہ کہ رحمت۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے
جب قوم کے لیے دعا فرمائی تو عرض کیا: اے اللہ! میری

قوم کو معاف فرما دے کہ یہ جانتی نہیں ہے۔ (مسلم)
اس نے اپنے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم
کی سنت پر عمل کرتے ہوئے دشمن کو معاف کر دیا اور
اللہ کے حضور اس کے لیے آسانی کی درخواست کر دی۔
اور یوں ایک زندہ لاش اپنے انجام کو پہنچی۔



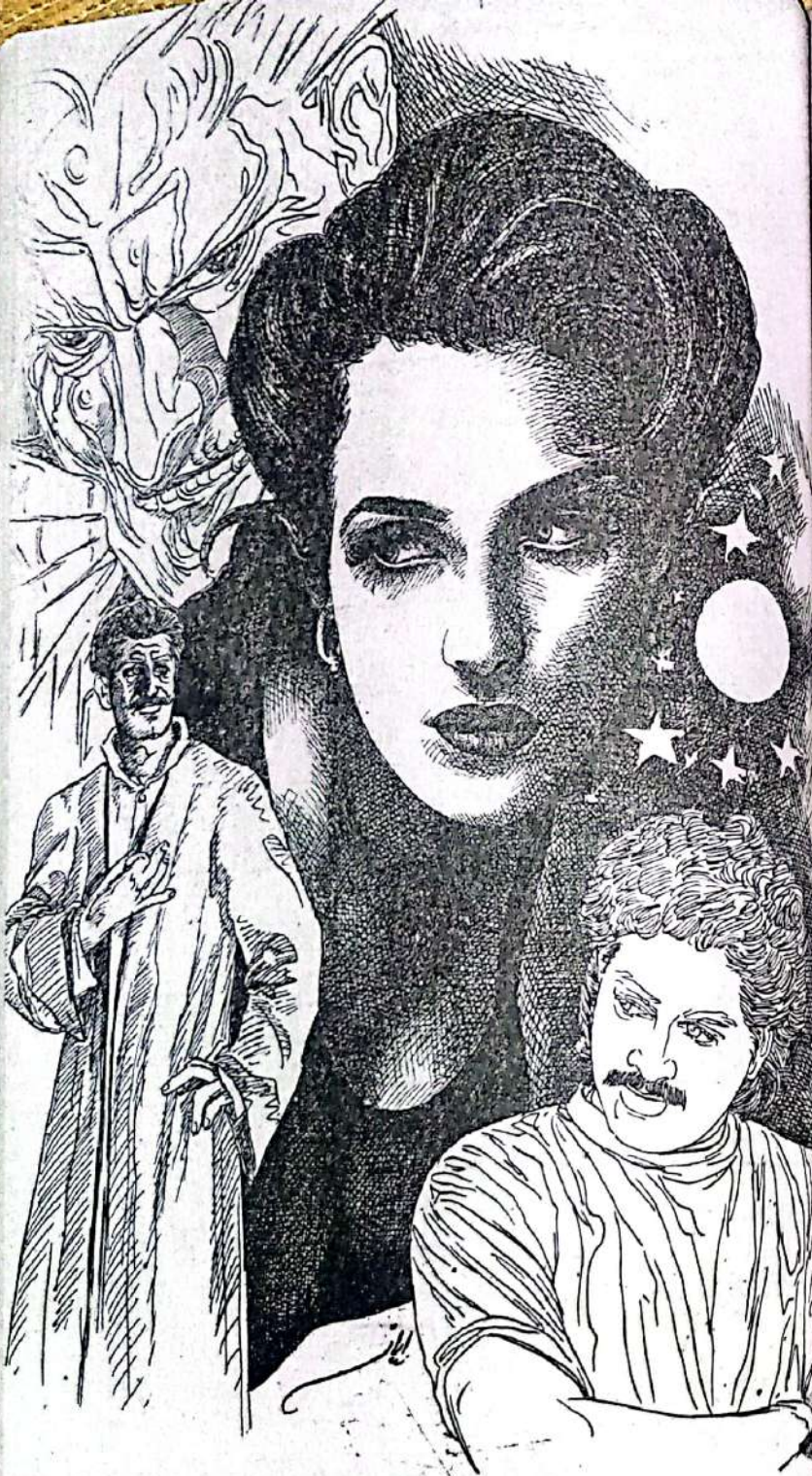
میرے ہم زاد

عثمان غنی خان - پشاور

قسط نمبر: 12

شناختی کارڈ پر موجودہ ایڈریس ڈھونڈتے ڈھانڈتے وہ بلا آخر ایک جنگ پہنچ گئے۔ جن کی انہیں تلاش تھی۔ یہ اچھا خاصہ ویلڈ سینٹل ایریا تھا۔ جس میں ڈیل اسٹورزی مکان تھے۔ اور ہر مکان بہت خوبصورت نقشے کے تحت بنایا گیا تھا۔

کیا آپ کا ہمزاد بھی آپ کی کوئی مدد کر سکتا ہے، ایسی کہانی جسے برسوں نہ بھلائیں گے



باپ کا بینک اکاؤنٹ بھی تو ہے۔۔۔!! جوں کا توں پڑا ہے۔۔۔!! اس کے ساتھ بھی چھیڑ خونی نہیں کی گئی ہے۔۔۔!! کیا چچا چچی کو اس بارے میں علم نہیں تھا۔۔۔!! یا پھر بینک کے قوانین بہت سخت تھے۔۔۔!! خیر سب کچھ پتہ چل جائے گا۔۔۔!! ”وہ ایک دم بے چین ہو گئی۔ اس نے اٹھ کر نیم اندھیرے میں گہری سانس لیں۔“

”ان لوگوں نے کبھی مڑ کر مجھے نہیں دیکھا۔۔۔!! میں کس حال میں ہوں؟ زندہ بھی ہوں۔۔۔!! کیا کہیں مر گئی ہوں۔۔۔!!“ وہ رو بائیں ہو رہی تھی۔

”شاید۔۔۔!! ان کی نظر میں، میں اس دن ہی مر چکی تھی۔۔۔!! جس دن میرے ماں باپ مرے تھے۔۔۔!! پر ماموں جان کو کیا ضرورت تھی؟ مجھے اپنے ساتھ گھر لے جانے کی ہاں۔۔۔!! ممانی جان کو الفت کی نوکرائی چاہیے تھی۔۔۔!! میرا بچپن جیمن لیا۔۔۔!! میری خوشیاں جیمن کر بھی اس بد بخت عورت کو سکون نہیں ملا۔۔۔!! اسے سکون صرف ایک صورت میں مل سکا تھا۔۔۔!! جب میں ان کی خدمتیں کرتی کرتی مر جاتی۔۔۔!! تب وہ پر سکون ہو جاتی۔۔۔!!“

”پر ایسا نہیں ہوا۔۔۔!! اگر دوبارہ مجھے اُن گھر میں جانے کا موقع ملا۔۔۔!! تو میں ان سب کا سکون نہیں

دات کا آدھا چاند آسمان کے وسط میں دکھائی دے رہا تھا۔ روشن ستارے دور تک پھیلے دکھائی دے رہے تھے۔ اور شہر کے عمارات کی روشنیاں مدہم دکھائی دے رہی تھیں۔ نیم تاریکی کو سڑک پر لگے روڈ لائٹس نے مدہم کر لیا تھا۔ بڑی اماں نازہ کو کہانی سناتے سناتے سوچتی تھی۔ اور نازہ اب کمرے میں اکیلے بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ سوچنے کی کوشش کر رہی تھی۔

نازہ نے کافی سوچا اس نے بلا خرابیے چچا کے ہاں جانے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ اپنے ماں باپ کے قبر پر جانا چاہتی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی۔ اور اثبات میں گردن ہلا رہی تھی۔ بڑی اماں سوچتی تھی۔ بظاہر وہ بھی سونے کی کوشش کر رہی تھی۔ مگر نیند اس کی آنکھوں سے کہوں دور کھڑی تھی۔

”ہاں۔۔۔!! مجھے اپنے ماں باپ کی قبر پر جانا چاہیے۔۔۔!! اور اس نام نہاد چچا چچی سے بھی ملنا چاہیے۔۔۔!! نہیں۔۔۔!! پہلے مجھے لاکر کھولنا چاہیے۔۔۔!! پتہ تو چلے۔۔۔!! میرے ماں باپ نے لاکر میں کیا کچھ میرے نام چھوڑا تھا؟ اگر ماں باپ کے جانے کے بعد لاکر ابھی تک محفوظ ہے۔۔۔!! تو چچا چچی کو اس بارے میں پتہ نہیں ہوگا۔۔۔!! مگر میرے ماں

نہیں کروں گی۔۔۔ اس بار میں ان کو بھی پرسکون کروں گی۔۔۔ سکون کیا ہوتا ہے؟ اس لفظ کا مطلب بتا دوں گی۔۔۔ اس لفظ کی معنی دکھا دوں گی۔۔۔ ان کو وہ اسباق پڑھاؤں گی۔۔۔ جو انہوں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔۔۔ اس کے لیے میں زیادہ بات کا بلبل روشن تھا۔ وہ بیٹھ کر سوچتی رہیں۔

☆ ☆ ☆

”میاں۔۔۔ تم نے کیا سوچا ہے؟ اب میں اپنے گھر والوں کو مزید نہیں سمجھا پاؤں گی؟“ رات کے اندھیرے ہر طرف چھائے ہوئے تھے۔ اور میاں سوپائیل پر بات کر رہا تھا۔ اس پر تو آدمی دنیا سوچتی ہوئی ہے۔ اور اس کو تو نیند ہی نہیں آ رہی تھی۔ اسے مہکاش کو راضی کرنا تھا۔ وہ اس پر زور ڈال رہی تھی۔ سلسلہ وہیں پر لگا تھا۔ جہاں تھا۔ مہکاش اس سے کچھ ناراض ہو گئی تھی۔

”مہکاش۔۔۔ گھر والوں سے میں بات کرنے والا تھا۔۔۔ مگر ایک اور مسئلہ ہو گیا ہے۔۔۔ میرے ڈیڈی کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی ہے۔۔۔ تم اپنے گھر والوں کو منع کرو۔۔۔ ان کو صاف الفاظ میں، بتا دو۔۔۔ تم مجھ سے پیار کرتی ہو۔۔۔ صرف مجھ سے شادی کرو گی۔۔۔“

”تم لڑکے ہو، ابھی تک کہہ نہیں پاتے ہو۔۔۔ میں کیسے ڈار ایکٹ کہہ سکتی ہوں؟“

”تو تم چاہتی کیا ہو۔۔۔ تمہارے گھر والے تمہارے ساتھ جو کچھ کرنا چاہیں۔۔۔ وہ کر لیں۔۔۔ تم منہ نہیں کھولو گی؟“ میاں کو تھوڑا سا غصہ آیا۔

”نہیں۔۔۔ ایسا نہیں ہے۔۔۔“ مہکاش نے جلدی سے وضاحت دی۔

”تو پھر تمہیں ان کو صاف الفاظ میں منع کرنا ہوگا۔۔۔ ورنہ وہ ایسے ہی تمہارے لیے رشتے تلاش کرتے رہیں گے۔۔۔“ میاں نے الفاظ پر زور انداز میں ادا کیے۔

”میاں۔۔۔ میں چاہتی ہوں۔۔۔ تم رشتہ

نہیں کرو۔۔۔ اس بار میں ان کو بھی پرسکون کروں گی۔۔۔ اس لفظ کا مطلب بتا دوں گی۔۔۔ اس لفظ کی معنی دکھا دوں گی۔۔۔ ان کو وہ اسباق پڑھاؤں گی۔۔۔ جو انہوں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔۔۔ اس کے لیے میں زیادہ بات کا بلبل روشن تھا۔ وہ بیٹھ کر سوچتی رہیں۔

☆ ☆ ☆

”میاں۔۔۔ تم نے کیا سوچا ہے؟ اب میں اپنے گھر والوں کو مزید نہیں سمجھا پاؤں گی؟“ رات کے اندھیرے ہر طرف چھائے ہوئے تھے۔ اور میاں سوپائیل پر بات کر رہا تھا۔ اس پر تو آدمی دنیا سوچتی ہوئی ہے۔ اور اس کو تو نیند ہی نہیں آ رہی تھی۔ اسے مہکاش کو راضی کرنا تھا۔ وہ اس پر زور ڈال رہی تھی۔ سلسلہ وہیں پر لگا تھا۔ جہاں تھا۔ مہکاش اس سے کچھ ناراض ہو گئی تھی۔

”مہکاش۔۔۔ گھر والوں سے میں بات کرنے والا تھا۔۔۔ مگر ایک اور مسئلہ ہو گیا ہے۔۔۔ میرے ڈیڈی کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی ہے۔۔۔ تم اپنے گھر والوں کو منع کرو۔۔۔ ان کو صاف الفاظ میں، بتا دو۔۔۔ تم مجھ سے پیار کرتی ہو۔۔۔ صرف مجھ سے شادی کرو گی۔۔۔“

”تم لڑکے ہو، ابھی تک کہہ نہیں پاتے ہو۔۔۔ میں کیسے ڈار ایکٹ کہہ سکتی ہوں؟“

”تو تم چاہتی کیا ہو۔۔۔ تمہارے گھر والے تمہارے ساتھ جو کچھ کرنا چاہیں۔۔۔ وہ کر لیں۔۔۔ تم منہ نہیں کھولو گی؟“ میاں کو تھوڑا سا غصہ آیا۔

”نہیں۔۔۔ ایسا نہیں ہے۔۔۔“ مہکاش نے جلدی سے وضاحت دی۔

”تو پھر تمہیں ان کو صاف الفاظ میں منع کرنا ہوگا۔۔۔ ورنہ وہ ایسے ہی تمہارے لیے رشتے تلاش کرتے رہیں گے۔۔۔“ میاں نے الفاظ پر زور انداز میں ادا کیے۔

”میاں۔۔۔ میں چاہتی ہوں۔۔۔ تم رشتہ

نہیں کرو۔۔۔ اس بار میں ان کو بھی پرسکون کروں گی۔۔۔ اس لفظ کا مطلب بتا دوں گی۔۔۔ اس لفظ کی معنی دکھا دوں گی۔۔۔ ان کو وہ اسباق پڑھاؤں گی۔۔۔ جو انہوں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔۔۔ اس کے لیے میں زیادہ بات کا بلبل روشن تھا۔ وہ بیٹھ کر سوچتی رہیں۔

☆ ☆ ☆

”میاں۔۔۔ تم نے کیا سوچا ہے؟ اب میں اپنے گھر والوں کو مزید نہیں سمجھا پاؤں گی؟“ رات کے اندھیرے ہر طرف چھائے ہوئے تھے۔ اور میاں سوپائیل پر بات کر رہا تھا۔ اس پر تو آدمی دنیا سوچتی ہوئی ہے۔ اور اس کو تو نیند ہی نہیں آ رہی تھی۔ اسے مہکاش کو راضی کرنا تھا۔ وہ اس پر زور ڈال رہی تھی۔ سلسلہ وہیں پر لگا تھا۔ جہاں تھا۔ مہکاش اس سے کچھ ناراض ہو گئی تھی۔

”مہکاش۔۔۔ گھر والوں سے میں بات کرنے والا تھا۔۔۔ مگر ایک اور مسئلہ ہو گیا ہے۔۔۔ میرے ڈیڈی کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی ہے۔۔۔ تم اپنے گھر والوں کو منع کرو۔۔۔ ان کو صاف الفاظ میں، بتا دو۔۔۔ تم مجھ سے پیار کرتی ہو۔۔۔ صرف مجھ سے شادی کرو گی۔۔۔“

”تم لڑکے ہو، ابھی تک کہہ نہیں پاتے ہو۔۔۔ میں کیسے ڈار ایکٹ کہہ سکتی ہوں؟“

”تو تم چاہتی کیا ہو۔۔۔ تمہارے گھر والے تمہارے ساتھ جو کچھ کرنا چاہیں۔۔۔ وہ کر لیں۔۔۔ تم منہ نہیں کھولو گی؟“ میاں کو تھوڑا سا غصہ آیا۔

”نہیں۔۔۔ ایسا نہیں ہے۔۔۔“ مہکاش نے جلدی سے وضاحت دی۔

”تو پھر تمہیں ان کو صاف الفاظ میں منع کرنا ہوگا۔۔۔ ورنہ وہ ایسے ہی تمہارے لیے رشتے تلاش کرتے رہیں گے۔۔۔“ میاں نے الفاظ پر زور انداز میں ادا کیے۔

”میاں۔۔۔ میں چاہتی ہوں۔۔۔ تم رشتہ

نہیں کرو۔۔۔ اس بار میں ان کو بھی پرسکون کروں گی۔۔۔ اس لفظ کا مطلب بتا دوں گی۔۔۔ اس لفظ کی معنی دکھا دوں گی۔۔۔ ان کو وہ اسباق پڑھاؤں گی۔۔۔ جو انہوں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔۔۔ اس کے لیے میں زیادہ بات کا بلبل روشن تھا۔ وہ بیٹھ کر سوچتی رہیں۔

☆ ☆ ☆

”میاں۔۔۔ تم نے کیا سوچا ہے؟ اب میں اپنے گھر والوں کو مزید نہیں سمجھا پاؤں گی؟“ رات کے اندھیرے ہر طرف چھائے ہوئے تھے۔ اور میاں سوپائیل پر بات کر رہا تھا۔ اس پر تو آدمی دنیا سوچتی ہوئی ہے۔ اور اس کو تو نیند ہی نہیں آ رہی تھی۔ اسے مہکاش کو راضی کرنا تھا۔ وہ اس پر زور ڈال رہی تھی۔ سلسلہ وہیں پر لگا تھا۔ جہاں تھا۔ مہکاش اس سے کچھ ناراض ہو گئی تھی۔

”مہکاش۔۔۔ گھر والوں سے میں بات کرنے والا تھا۔۔۔ مگر ایک اور مسئلہ ہو گیا ہے۔۔۔ میرے ڈیڈی کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی ہے۔۔۔ تم اپنے گھر والوں کو منع کرو۔۔۔ ان کو صاف الفاظ میں، بتا دو۔۔۔ تم مجھ سے پیار کرتی ہو۔۔۔ صرف مجھ سے شادی کرو گی۔۔۔“

”تم لڑکے ہو، ابھی تک کہہ نہیں پاتے ہو۔۔۔ میں کیسے ڈار ایکٹ کہہ سکتی ہوں؟“

”تو تم چاہتی کیا ہو۔۔۔ تمہارے گھر والے تمہارے ساتھ جو کچھ کرنا چاہیں۔۔۔ وہ کر لیں۔۔۔ تم منہ نہیں کھولو گی؟“ میاں کو تھوڑا سا غصہ آیا۔

”نہیں۔۔۔ ایسا نہیں ہے۔۔۔“ مہکاش نے جلدی سے وضاحت دی۔

”تو پھر تمہیں ان کو صاف الفاظ میں منع کرنا ہوگا۔۔۔ ورنہ وہ ایسے ہی تمہارے لیے رشتے تلاش کرتے رہیں گے۔۔۔“ میاں نے الفاظ پر زور انداز میں ادا کیے۔

”میاں۔۔۔ میں چاہتی ہوں۔۔۔ تم رشتہ

کالانچہ سے گا۔۔۔!!

”تم بے فکر ہو۔۔۔!! جیسا تم چاہو گی۔۔۔!!“
وہیسی ہوگا۔۔۔!! بچے اس کھیل میں جیت نہیں سکتے ہیں۔۔۔!!“ فرحت بیگم نے شوہر کی طرف دیکھا۔ وہ اس کی طرف برآمد نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ فرحت بیگم کا دل بھی اب مطمئن ہو رہا تھا۔ وہ دونوں لیٹ گئے۔ کمر اندھیرے میں ڈوب گیا۔

☆ ☆ ☆

نازہ نے بھاگ دوڑ شروع کر دی۔ وہ اپنے ماں باپ کے قبرس ڈھونڈنا چاہتی تھی۔ یہ چند دن تو بہت تیزی سے بھاگ دوڑ کرتے ہوئے گزر گئے۔ اسے اپنی بدلتی زندگی کا یقین نہیں آ رہا تھا۔ مگر یہ سب سچ تھا۔ اسے یقین کرتا تھا اس کا ایڈمشن مس ماہ جنین نے اپنے سکول میں کر دیا تھا۔ وہ جماعت نہم کی طالبہ تھی۔ اس کو کتابیں، اور یونیفارم مل چکا تھا۔ اس نے بہت بڑا موبائل بھی لے لیا تھا۔ مس ماہ جنین نے اس کو موبائل کے بارے میں بہت کچھ سکھایا تھا۔ اور اب اس نے اسے یونیٹ دیکھنے کا مشورہ دیا تھا۔ جہاں وہ کسی انجمن کا کاروبار جاتی۔ وہ اس ایپ کے بارے میں، موبائل سے دیکھ کر سیکھ جاتی۔ یونیٹ اب اسے شجرہ پوز کر سکتی تھی۔ اسے مس ماہ جنین نے بتایا تھا۔ اگر یونیٹ سے اچھی چیزیں دیکھو گی تو اس کے آدھے مسئلے جیسے حل ہو جائیں گے۔ بہت سارے ایپ کے بارے میں اسے پتہ چل گیا۔ اس نے ایف بی پرائی ڈی بنائی۔ اس میں اپنے ساتھ اپنے باپ کا نام لکھا تھا۔ جو اسے اب پتہ تھا۔ نازہ عدنان خان، وہ اسکرین پر اپنے نام کی آئی ڈی کو کتنی دیر تک دیکھتی رہیں۔ مس ماہ جنین نے اسے نئے زمانے کے مطابق اونچے نیچے سمجھادی تھی۔ موبائل کے نقصانات اور فوائد سے اسے آگاہ کیا تھا۔ نازہ نے ایف بی پر، میمان نام لکھ کر سرچ کر دیا۔ کچھ دیر چنگ ہوئی رہیں۔ پھر میمان نام کی آئی ڈی نگاہوں کے سامنے آئیں۔ وہ کافی دیر تک میمان نام دلاؤں دیکھتی رہیں۔ کافی میمان اس کے لیے انجان تھے۔ پھر ایک آئی ڈی کو اس نے غور سے دیکھا۔ اس کو کھولا۔ وہ اس کا کزن تھا۔ اس کی آئی

ڈی تھی۔ وہ کتنی دیر تک ہنسی رہی۔

”اس دنیا میں انسان ایک دوسرے کے لئے نزدیک آگئے ہیں۔۔۔!! میں نے صرف اس ایپ پر اپنے کا نام لکھ کر سرچ کر دیا۔ اور وہ میرے ہاتھ لگے آگیا۔۔۔!! وہ میرے خدایا۔۔۔!! یہ تو بالکل میری نظر کے سامنے ہیں۔۔۔!!“ اب وہ اس کی بروڈنگ پر دیکھ رہی تھی۔ کچھ دیر بعد اس کی دوسری بیکر زڈ دیکھ لی۔ اس نے اس کو فالو کیا۔ اور موبائل بند کر کے سائیلنٹ کر دیا۔ ابھی وہ میمان سے اپنی طرف سے رابطہ نہیں کر چکا تھا۔ وہ اپنے معاملات سمجھا کر، اس کو فالو کرنا چاہتی تھی۔ اس سب میں کتنا وقت آگے بیت گیا تھا۔ اسے بہت ہی نہیں چلا۔

”میرے پاس وقت کم ہے۔۔۔!! کچھ دنوں میں یہ بینک اور دوسرے معاملات کو حل کرنا چاہیے۔۔۔!!“ میری اولین ترجیح ہونی چاہیے۔۔۔!! میمان کی اگر کوئی بھی ضرورت پڑی تو میں اس سے رابطہ کر لوں گی۔۔۔!! اور اب تو میمان کو میں نے موبائل میں ہی ڈھونڈ لیا ہے۔۔۔!! وہ تو بس ایک میسج کی دوری پر گرا ہے۔۔۔!! جب دل چاہے گا۔۔۔!! اس کو اپنے بارے میں بتا دوں گی۔۔۔!! وہ کچھ سوچنے لگی۔

☆ ☆ ☆

چند دن تو بہت تیزی سے گزر گئے۔ جیسے کہی نے چند چٹکیاں کائی ہوں۔ اور اس کے دن بدل گئے ہوں۔ اب وہ اسکول آنے جانے لگی۔ مس ماہ جنین اب اسے اسکول میں پڑھانے لگیں۔ باقی گھر کے کاموں میں اس کا وقت گزر جاتا۔ شام کو بڑی اماں اسے قرآن پڑھاتیں۔ رات کو وہ موبائل پر نیٹ سے اسکول کا کام کرتی۔ مس ماہ جنین اب ٹیوشن دینے نہیں آتی تھی۔ ہاں جلد اپنے لئے لیپ ٹاپ خریدنے کا سوچ رہی تھی۔ ہاں اس نے اسکول سے پھٹی کر لی تھی۔ وہ بڑی اماں کے ساتھ بینک آئی ہوئی تھی۔ اس نے اپنے ماں باپ کے اکاؤنٹ کو اپنے نام ٹرانسفر کر لیا تھا۔ اس میں تیس لاکھ روپے

تھے۔ اس کی امانت بننے تھے۔ اس سے میسج نکال کر، بچے کے واجبات ادا کر لیے تھے۔ لاکر کے ڈیوڑا ادا کر کے اپنے ماں باپ کا لاکر اپنے نام کر دیا۔ ضروری کاموں کے بعد وہ لاکر کے کے سامنے کھڑی تھی۔ تمام ہفتہ کارڈائی کے بعد اسے لاکر کی چابی دے دی گئی۔ بینک کا آفیسر ان کے ساتھ کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھوں میں ضروری فائلز تھیں۔ وہ بھی نازہ کی طرح مطمئن نظر آ رہا تھا۔

”بڑی اماں لاکر میں کیا ہو سکتا ہے؟“ نازہ بہت جانتی تھی۔

”بیٹا۔۔۔!! جو کچھ بھی ہوگا۔۔۔!! تمہارا بہن۔۔۔!! تم بے فکر ہو کر اسے کھول سکتی ہو۔۔۔!! دیکھ لیں۔۔۔!!“ نازہ نے آفیسر کے سامنے لاکر میں چابی ڈالی۔ اس خانے میں کافی سارے لاکر تھے۔ جن پر مختلف نمبرز لکھے ہوئے تھے۔ اسے اپنے لاکر کا نمبر بتا دیا۔ لاکر اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ لاکر کھولا۔ اب وہ لاکر میں ہاتھ ڈال کر چیزیں نکال رہی تھی۔ چیزیں دیکھ کر اس کے دل کی دھڑکن تیز ہوتی جا رہی تھی۔ اس کے ماں باپ نے اس کے لیے کافی کچھ چھوڑ رکھا تھا۔ اگر یہ چیزیں کوئی امانت دار شخص (گار جین) اس کے بچپن میں اس تک پہنچا دیتا تو جس طرح محرومی بھری زندگی اسے گزری تھی۔ کتنی ناگزرا رہتی۔ اس نے کتنی فائلز باہر نکالیں۔ آخر میں دو تین گولڈ کے سیٹ اور دو سلور سیٹ اس کے ہاتھ لگیں۔ یہ جیولری اس کی ماں کی تھی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر کچھ اور چیزیں نکالی۔ یہ پانچ ہونڈ تھیں۔ جو مختلف نوعیت کے تھے۔ وہ انکھوں کے لگ رہے تھے۔ اور آخر میں کچھ عدد نقد کیش تھا۔ جن میں کچھ نوٹ اب تبدیل ہو چکے تھے۔ نازہ کے آنکھوں سے آنسو بہتے رہے۔

”بڑی اماں۔۔۔!! یہ سب چیزیں آپ رکھ لیں۔۔۔!! میرے ماں باپ چلے گئے۔۔۔!! ان سے بڑھ کر میرے لیے کوئی دولت نہیں ہیں۔۔۔!!“ کچھ دیر بعد نازہ نے بڑی اماں کی طرف دیکھا۔ بڑی اماں نے

ترپ کر اسے گلے سے لگایا۔

”میرے بچے۔۔۔!! یہ چیزیں تمہاری امانت تھیں۔۔۔!! اب ان کو تمہاری ماں کی طرف سے تمہاری کاکیا کر دیں گی؟ میری زندگی ہی کتنی بانی ہے؟ تم یہ چیزیں اسی طرح واپس سنبھال کر رکھ لو۔۔۔!! اور جو کاغذات تمہارے ہاتھ لگے ہیں۔۔۔!! ان کو کسی قابل مجروحے انسان کو دکھا دو۔۔۔!! ان کاغذات میں کیا ہے؟ کوئی وصیت، یا پھر کسی گھر ملاٹ وغیرہ کے کاغذ بھی ہو سکتے ہیں۔۔۔!!“ نازہ ان کے گلے لگ کر کچھ دیر سوچتی رہی۔ پھر اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

”بڑی اماں۔۔۔!! اللہ آپ کا سایہ میرے سر پر ہمیشہ سلامت رکھے۔۔۔!! ٹھیک ہے۔۔۔!! میں ان کاغذات کی فوٹو کا پیز نکال کر اپنے ساتھ لے جاتی ہوں۔۔۔!! کل ہم کسی وکیل کو دکھا کر ان کے بارے میں پوچھنا چاہ کر لیں گے۔۔۔!!“ نازہ نے باقی ساری چیزیں واپس لاکر میں رکھ دیں، جبکہ اس نے فائلز اپنے بڑے پرس میں ڈال دیے۔

”آپ قریبی بھائی میں جا کر کسی قابل وکیل سے یہ کاغذات دکھا کر ڈکس کر سکتی ہیں۔۔۔!!“ بینک آفیسر نے پہلی بار لب کھولے۔

”سرہاں۔۔۔!! کیا آپ کی کوجانتے ہیں؟“ ”جانتا تو نہیں ہوں۔۔۔!! مگر جہاں پولیس لائن ہے، وہاں قریب عدالت ہیں۔۔۔!! آپ کو وہاں بہت سارے وکیل مل سکتے ہیں۔۔۔!!“

”ٹھیک ہے۔۔۔!!“ اس نے لاکر بند کر دیا۔ اور چابی بینک آفیسر کو واپس کر دی۔ اب وہ سیف روم کے اندر جا رہے تھے۔ جہاں کسی محفوظ مقام پر ان کی چابی اور فائل رکھی جانی تھی۔

”بڑی اماں! طیس۔۔۔!!“ ”ہاں۔۔۔!! بیٹا۔۔۔!!“ وہ دونوں بینک سے باہر نکل رہی تھیں۔

☆ ☆ ☆
وہ دونوں ٹیکسی سے اتریں۔ انہوں نے قریبی

عدالت آنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ نازہ نے بینک کے باہر کاغذات کی فوٹو کاپیز نکال کر سیدھا بڑی اماں کے ساتھ یہاں چلی آئیں۔ بچہری کے قریب ہی وکلاء کے دفاتر تھے۔ کافی سارے وکیل وہاں قاریغ بیٹھے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ جو اپنے کہیں نماز قاریغ میں بیٹھے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ وہ وکلاء کے بورڈ پرستی رہیں۔ ایک اچھا قابل قدر وکیل ایک دفتر میں بیٹھا ہوا کچھ کاغذات دیکھ رہا تھا۔ کچھ جواڑ میز پر وکیل تھے۔ وہ ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔ کچھ نے، تو ان کو اشارے سے اپنے پاس بلانے کی کوشش بھی کر لی۔ مگر وہ دونوں اس نوجوان کے پاس آ گئیں۔

”بڑی اماں ان کے پاس جاتے ہیں۔۔۔!!“ وہ تیس سال کے لگ بھگ تھا۔ اور اس نے بلیک پینٹ کورٹ پہن رکھا تھا۔ بڑی اماں نے اثبات میں سر ہلایا۔ اب وہ دونوں اس کہیں کے اندر داخل ہو گئے۔

”السلام علیکم۔۔۔!!“ نازہ نے پہل کی۔ وکیل جو اپنے کام میں مصروف تھا اس نے سر اٹھا کر اس کو دیکھا۔ پھر سلام کا جواب دیا۔

”جی؟“ آخر میں وہ سوالیہ انداز میں ان کی طرف دیکھنے لگا۔

”سر پلیز۔۔۔!! آپ سے کچھ وکس کرتا ہے؟ کیا آپ ہمارا کام کر سکتے ہیں؟“ نازہ نے ہمت کر کے پوچھا۔

”ہاں۔۔۔!! بولیں۔۔۔!! مجھے میرا سٹر احسن کہتے ہیں۔۔۔!!“ وہ دونوں ان کے سامنے والی کرسیوں پر بیٹھ گئیں۔

”پلیز آپ یہ کاغذات زرا غور سے دیکھ لیں۔۔۔!! یہ کسی چیز کے کاغذات ہیں؟“ نازہ نے فائل کی فوٹو کاپیز احسن کی طرف بڑھادی۔

”آپ کے خیال میں یہ کس چیز کے کاغذات ہیں؟“

”نہیں۔۔۔!! پلیز آپ ان معاملات کو بخوبی سمجھتے ہیں؟ پہلے آپ کاغذات دیکھ لیں۔۔۔!! اس کے بعد میں بتا دوں گی۔۔۔!!“ وہ زرا سنجیدہ ہو گئے۔ اس نے کاغذات لے لیے۔

”اچھا۔۔۔!! آپ کو اپنا مسئلہ نہیں پتہ ہے؟“ وکیل نے پوچھا۔ نازہ نے نفی میں گردن ہلائی۔

”بیٹا۔۔۔!! مسئلہ پتہ ہے۔۔۔!!“

”ہاں۔۔۔!! پہلے برائے کرم، آپ زرا یہ کاغذات دیکھ لیجئے۔۔۔!!“ بڑی اماں نے نہایت مردباری سے بتایا۔ احسن احمد نے اثبات میں سر ہلایا۔ اب وہ کاغذات فائل سے نکال کر دیکھنے لگا۔ وہ دو الگ الگ فائلز تھیں۔ جس طرح فائلز میں تھیں۔ اسی طرح سے ہزاروں اس کی فوٹو کاپیز بنائی تھیں۔ کچھ دیر کاغذات دیکھنے کے بعد اس نے سنجیدگی سے ان دونوں کی طرف دیکھا۔

”یہ دو طرح کے کاغذات ہیں۔۔۔!! ایک وصیت نامہ ہے، اور دوسرے پلاٹ یا پھر زمین کہہ لے گا۔ ایک گھر کے کاغذات ہیں۔۔۔!! جو کسی عدنان خان کے نام پر ہیں۔۔۔!! مگر یہ دوسرے شہر میں ہے۔۔۔!!“

”جی یہ میرے بابا کے نام پر ہے۔۔۔!! ہزاروں کے منہ سے ہولے نکلا۔

”آپ کا مسئلہ کیا ہے؟ آپ کل کر تائیں؟ شرمائے گھبرائے بالکل بھی نہیں۔۔۔!! یہاں لوگ اپنے مسائل لے کر آتے ہیں۔۔۔!! آپ کا مسئلہ جان کر ہی آپ کو آگے کوئی مشورہ دے سکوں گا۔۔۔!!“

”جی مسئلہ یہی کاغذات ہیں۔۔۔!! اس وصیت نامے میں کیا لکھا ہے؟“

”مجھے تو یہ کوئی مسئلہ نظر نہیں آ رہا ہے۔۔۔!! یہ دو قسم کے پراپرٹی کے کاغذات ہیں۔۔۔!! اور ایک عدد وصیت نامہ ہے۔ جو کافی پرانا ہے۔۔۔!! اب آپ بتائیں۔۔۔!! آپ کو کیا مسئلہ ہے؟“

”کیا یہ وصیت نامہ قانون کے مطابق تو رکھتا ہے؟ ہمیں جانتا ہے اس وصیت نامے میں کیا ہے؟“ وکیل نے ان کی بات سنی۔ دوبارہ وصیت نامے کو غور سے پڑھا۔

”جی اس وصیت نامے میں، کچھ خاص نہیں

”ابس یہی کچھ لکھا ہے۔۔۔!! اگر عدنان خان کو کچھ بھی ہو جاتا ہے، تو اس کے مرنے کے بعد اس کا کچھ عروسہ خان کا ہو جاتا ہے۔۔۔!! اور اگر اس کی سر عروسہ خان کو بھی خدا خواستہ اگر کچھ ہو جاتا ہے، تو ان دونوں کے بعد ان کا سب کچھ ان کی بیٹی، نازہ کا ہوگا۔۔۔!! ان کاغذات میں، ایک پلاٹ اور گھر کی ملکیت ہے، جو انھوں نے اپنے نام سے بنایا ہے۔۔۔!!“

”سر۔۔۔!! کیا یہ گھر اور پلاٹ اس ایڈریس پر ہے؟“ نازہ نے اپنے باپ کی آبی ڈی کارڈ کی فوٹو نکالی۔

”ہاں، غالباً۔۔۔!!“

”سر دراصل، مسئلہ یہی کاغذات ہیں۔۔۔!! کافی سالوں پہلے، میرے ماں باپ کا انتقال ہو چکا تھا۔۔۔!! میرے چچا چچی نے مجھے در بدر کر دیا۔۔۔!! اب میں بڑی ہو چکی ہوں۔۔۔!! یہ کاغذات بد قسمتی یا پھر خوش قسمتی سے مجھے مل گئے۔۔۔!! اب میں اپنا حق چاہتی ہوں۔۔۔!! ان کی اصل وارث میں ہو۔۔۔!! سب پر میرا قانونی اور شرعی حق ہے۔۔۔!! اگر کاغذات ان کے پاس نہیں ہیں۔۔۔!! تو انھوں نے قانونی طور پر وہ گھر نہیں بیچا ہوگا۔۔۔!!“

”جی بالکل۔۔۔!! جب تک اصل کاغذات مل نہیں جاتے ہیں۔۔۔!! گھر نہیں بھیجا جاسکتا ہے۔۔۔!!“

”یکمل احسن احمد نے بتایا۔

”سر تو کیا ان سے میں، اپنا گھر اور پلاٹ واپس لے سکتی ہوں؟“ نازہ نے سوالیہ انداز میں، ان کی طرف دیکھا۔

”ہاں۔۔۔!! مگر یہ کاغذات تو اصلی نہیں ہے، میرا مطلب ہے، یہ تو فوٹو کاپیز ہیں۔۔۔!!“ احسن احمد نیا سوالیہ انداز میں ان کی طرف دیکھا۔

”سر اصل کاغذات میرے پاس ہیں۔۔۔!! یہ میرے چچا چچی کے آبی ڈی کارڈ کی فوٹو کاپیز ہیں۔۔۔!! اگر ان لوگوں نے میرے ماں باپ کے گھر پر قبضہ کیا ہے، تو مجھے ان لوگوں سے قبضہ چھڑوانے کے لیے کیا کرنا ہوگا؟“

”اوسکے ماں میں تمہارا مسئلہ کچھ گیا ہوں۔۔۔!! تو ہمیں ان لوگوں کے اوپر جائیداد پر قبضہ کرنے کا کیس کرنا پڑے گا۔۔۔!! ان کو عدالتی حکم بھیجنا پڑے گا۔۔۔!! جلد از جلد جائیداد واپس تمہارے حوالے کی جائے، اور اس جائیداد یا گھر سے نکل جائیں، یا پھر جن کرلیہ داروں کے حوالے کر دیے، ان کو کٹھن باہر کریں۔۔۔!!“

”تو کیا وہ لوگ میرے جائیداد کو چھوڑ دیں گے؟“

”ظاہری بات ہے وہ لوگ جائیداد واپس تمہارے حوالے کریں گے۔۔۔!!“

”اور اگر ان لوگوں نے نئے کاغذات بنوائے ہوں؟“

”نئے کاغذات بنوائے بھی ہوں۔۔۔!! جب اور بجٹل تمہارے پاس ہیں۔۔۔!! تو وہ جعلی ہوں گے۔۔۔!! جعلی چیزوں کی کوئی وقعت نہیں ہوتی ہے۔۔۔!!“

”اوسکے۔۔۔!! ایک اور مسئلہ بھی ہے۔۔۔!!“

”جی جی۔۔۔!! آپ کل کر تائیں۔۔۔!! میں تمہارا کیس لینے کے لیے تیار ہوں۔۔۔!!“

”سر دراصل سالوں پہلے میرے ماں باپ نے اسٹیٹ بینک آف لائف انشورنس سے میرا پالیسی لیا تھا۔۔۔!! جن کے کافی قسطیں وہ بھر چکے تھے۔۔۔!! پھر ان کی ایک کارڈ کیسٹنٹ میں، اچانک ڈیٹھ ہو گئیں۔۔۔!! تو اب بینک والے ان کے ڈیٹھ ٹھیکٹ مانگتا چاہ رہے ہیں۔۔۔!! ابھی وہ پالیسی مجھے مل سکتی ہے۔۔۔!! ان کی موت کی پروف وہ مانگتا چاہتے ہیں۔۔۔!!“

”کیا تمہیں ان کی موت کی تاریخ یاد ہے۔۔۔!!“

”یہ غالباً تیرہ چودہ سال پہلے کی بات ہے۔۔۔!!“ نازہ نے بے چارگی سے کہہ دیا۔

”یہ کیس بھی میں حل کر سکتا ہوں۔۔۔!! ہمیں بس ان کی موت کی تاریخ ڈھونڈنی ہیں۔۔۔!! یقیناً تمہارے چچا چچی، اودا اودا میں سے کسی کو ان کی موت کی تاریخ یاد ہوگی۔۔۔!! پھر میں پروف نکال لوں گا۔۔۔!!“

”او کے سر۔۔۔ تو ہم آپ کو ہار کر رہے ہیں۔۔۔ اب آگے کالاکھ عمل بھی بتادیں۔۔۔ ہمیں آگے کیا کرنا چاہیے؟“ نازہ کی بات سن کر، وکیل صاحب کچھ سوچنے لگا۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد، اس نے نازہ کی طرف دیکھا۔

”سب سے پہلے تو مجھے آپ کو خوش آمدید کہنا چاہیے۔۔۔ آپ بہت باہمت ہیں۔۔۔ بہت سارے بچے اپنے جائز حق سے محروم کر دیے جاتے ہیں۔۔۔ اور وہ ان کے خلاف کبھی اٹھ کھڑے نہیں ہوتے۔۔۔ دوسری اہم بات۔۔۔ ہمیں فوراً تمہارے وادارہ کی گھر جانا ہوگا۔۔۔ ان سے ملنا ہوگا۔۔۔ ان کو عدالتی سن جاری کرنا ہوگا۔۔۔ ان کو بتانا ہوگا۔۔۔ جو حق تمہاری نواہی کا ہے، وہ تمہارے بیٹے نے زبردستی چھینا ہے، اور اب وہ جوان بالغ پاکستانی شہری بن کر اپنا جائز حق واپس چاہتی ہے۔۔۔ جو عدالت بھی اسے دی دے گی۔“

”مگر میں چاہتی ہوں۔۔۔ ہم عدالتی کارروائی کرنے سے پہلے، پہلے وہاں کا ایک چکر لگالیں۔۔۔ تاکہ ہمیں صاف طور پر پتہ چل سکے۔۔۔ میرے گھر پر قبضہ کیا کس نے ہے؟“ نازہ نے الجھن سلجھائی۔

”کیوں کیا تمہیں پتہ نہیں ہے؟ تمہارے گھر پر کون قابض ہیں؟ ابھی تو تم نے بتایا۔۔۔ تمہارے چچا چچی تمہارے گھر پر قابض ہیں۔۔۔“

”سر ہو سکتا ہے۔۔۔ مگر مجھے سہی علم نہیں ہے۔۔۔ اور اصل سالوں پہلے جب ان لوگوں نے مجھے در بدر کر دیا تھا۔۔۔ تو مجھے میرے ماموں ممانی نے پالا پوسا تھا۔۔۔ مگر ان لوگوں کے گھر پر میرے ساتھ جانوروں سے زیادہ بدتر سلوک ہوتا رہا۔۔۔ بس ایک کام اچھا ہوا۔۔۔ وہاں میری عزت محفوظ رہی، ہر قسم کی گالم گلوچ، اور زنی و جسمانی تشدد مجھ پر ہوتا رہا۔۔۔ مگر ان لوگوں نے بھی تنگ آکر مہینوں پہلے مجھے نکال دیا۔۔۔ اب میری گارجین (سرپرست) یہی بڑی املاں ہے۔۔۔ انھوں نے میرا شناختی کارڈ بنوایا، میرے ماں

باپ کا نام پتہ نکالا۔۔۔ ان کا گذشتہ تک مجھے پہنچایا اور تعلیم بھی دلوائی، اب میں جماعت نہم کی طالبہ ہوں۔۔۔ اب میری بڑی املاں، اور میں چاہتی ہوں۔۔۔ ہم اپنا اصل حق لے لیں۔۔۔ اس لیے سرپلیز، آپ ہمارے ساتھ ایک چکر لگالیں۔۔۔ تاکہ ہمیں پتہ چل سکے۔۔۔ اس گھر پر کون قابض ہے؟“ اس کی ساری بات سن کر، وکیل صاحب نے کچھ دیر سوچا۔ پھر اثبات میں سر ہلایا۔

”او کے ٹھیک ہے۔۔۔ یہ کیس بہت معمولی ہے۔۔۔ ہم اس پر ڈکشن کر لیتے ہیں۔۔۔ آپ کو میری فیس جمع کروانی ہے۔۔۔ کیس جیتنے کے الگ فیس ہوگی، اور جتنے اخراجات لاگو ہوتے ہیں۔۔۔ وہ سب آپ کو پے کرنی ہوگی۔۔۔ اس کے لیے جتنا وقت اور خرچ دوسرے شہر کے ورت پر آئے گا۔۔۔ وہ بھی آپ ہی جمع خرچ کریں گی۔۔۔“

”ٹھیک ہے۔۔۔ آپ پیسے کی فکر نہ کریں۔۔۔ آپ کو میں ضمانت کروں گی۔۔۔“

”سب سے پہلے، آپ مجھے اور بچل ڈاکوئنٹس، دکھائیں، اس کے بعد، اس کو سپیٹل کر رہیں۔۔۔ اسے کسی بھی صورت، اپنے بچا کی فنیل کو نہیں دکھائیں۔۔۔ کبھی کبھار دوسرے لوگ ڈاکوئنٹس دیکھنے کی خد کرتے ہیں۔ اور جب انھیں دکھادی جاتی ہیں۔۔۔ تو وہ موقع دیکھ کر پھاڑ دیتے ہیں۔۔۔ تب آپ کوئی دعویٰ دائر نہیں کر سکیں گی۔۔۔ ہم ڈاکوئنٹس صرف عدالت میں دکھائیں گے۔۔۔ دوسری اہم بات، کل ہم جا کر، ان لوگوں کو صرف یہ بتائیں گے، ہم تمہارے والدین کی موت کی تاریخ جاننا چاہتے ہیں۔۔۔ اگر ان لوگوں نے کوآپرٹ کیا۔ تو ٹھیک، ورنہ۔۔۔ دوسری صورت میں، ہم پوچھ تاچھ، اور تفتیش شروع کر دیں گے۔۔۔ ہو سکتا ہے مجھے ان کو کچھ جھوٹ کچھ سچ بتانا پڑے۔۔۔ اس سلسلے میں بھی آپ کوآپرٹ کرے گی۔۔۔ ڈائریکٹ کوئی بھی سچ جھوٹ نہیں بتاتا ہے۔۔۔ اب وہ لوگ مل کر ڈکشن کرنے ہوں گے۔ نازہ نے اور بچل ڈاکوئنٹس دکھائیں۔ تو احمد حسن نے کیس لے لیا۔

☆.....☆.....☆

رات ہو چکی تھی۔ باہر سڑک پر گاڑیاں آ اور جارہی تھیں۔ جن کے ہیڈ لائٹس روشن تھے۔ وہ سڑک پر گزر رہی تھی۔ وہ بہت بھلی دکھائی دے رہی تھی۔

میان آفس سے تھکا ہارا گھر آیا۔ تو اسے عجیب سی بے چینی نے گھیر لیا تھا۔ وہ کئی دنوں سے مٹی سے اپنے اور مہکاش کے متعلق بات کرنا چاہا رہا تھا۔ مگر کبھی کوئی مسئلہ نہ جاتا، کبھی کوئی ٹینشن آ جاتی۔ وہ کئی بار چاہنے کے باوجود بھی بتانا نہ سکا۔ ابھی کچھ دیر پہلے، اس کی مہکاش سے بات ہوئی تھی۔ مہکاش نے وہ رشتہ تو بھگا دیا تھا۔ جو اس کے ماں باپ کرنا چاہا رہے تھے۔ مگر اب وہ میان پر زور دے رہی تھی۔ اب اس کی باری ہے۔ وہ بھی اب محبت کو نام دے۔ اس نے مہکاش سے وعدہ کر لیا تھا۔ وہ گھر پہنچ کر سوچا رہا۔ وہ کیسے مٹی کو اس بارے میں بتائیں۔ جب اس کی ڈیڈی کی طبیعت خراب ہوئی تھی۔ تب سے وہ ایک دن بھی آفس نہیں آئے تھے۔ وہ زیادہ تر گھر پر ہوتے تھے۔ ابھی بھی جب اس نے گیاراج میں دیکھا۔ تو ڈیڈی کی کارنٹ تھی۔ وہ لان میں کچھ دیر کھڑا رہا۔ جب وہاں بھی اس کی بے چینی کو کچھ قرار نہیں ملا۔ تو وہ گھر کے اندر چلا آیا۔ آؤنچ میں، بڑے اسکرین کے سامنے لیٹا لیٹھی ہوئی تھی۔ وہ اونچے آواز میں اسکرین آن کر کے موبائل میں بڑی تھی۔

وہ چلتا ہوا اس کے پاس آکر بیٹھ گیا۔ لیہانے موبائل میں خود کو جیسے گم کر لیا تھا۔ اسے کچھ بھی ہوش نہیں تھا۔ اس نے لیہانے والہ کم کرنے کے لیے کہا مگر وہ اس سے سنہ ہوئی۔ اس نے خود ہی دی آف کر دیا۔ لیہانے اسے کچھ بھی جواب دینا گوارہ نہ کیا۔ وہ وہاں سے اٹھا اور گھر کے اندر داخل ہو گیا۔ اس کو عجیب سی بے چینی نے اپنے لپٹنے میں لے رکھا تھا۔ اریہا کو کچھ کام تھا۔ وہ ابھی تک گھر نہیں لوٹی تھی۔

”السلام علیکم۔۔۔“ شہریز گھر کا کام کر رہا تھا۔ اس نے میان کو اپنے سامنے دیکھا۔ تو بے ساختہ کہا۔ لیہانے اس کی طرف دیکھا۔ اور صرف اثبات میں

سر ہلایا۔

”شہریز۔۔۔ اُمی ڈیڈی کہاں گئے ہیں؟“

”وہ عادل صاحب کی طبیعت اچانک بہت خراب ہوئی تھی۔۔۔ تو بیگم صاحبہ اسے اسپتال لے کر جاتی گئیں۔۔۔“ شہریز نے فریاد بتایا۔

”کمال ہے۔۔۔ اُمی نے میں بتانا بھی گوارہ نہ کیا۔۔۔“ میان بڑبڑایا۔

”اچھا تم ایسا کرو۔۔۔ اُکھانا ریڈی کرو۔۔۔“ لیہا کو بھی بالوں۔۔۔“

”صاحب۔۔۔ لیہا بی بی تو کھانا کھا چکی ہیں۔۔۔“

”اُمی جلدی۔۔۔ اور وہ ان کے ساتھ اسپتال بھی نہیں گئیں۔۔۔“ میان تو ڈاکوئنٹس ان ہو گیا۔ اس نے خود سے کہا۔ شہریز نے کوئی جواب دینا مناسب نہ سمجھا۔ وہ خاموش کھڑا رہا۔

”اچھا۔۔۔ تم کھانا لگو۔۔۔ اب تک میں صبح کر لیتا ہوں۔۔۔ کھانے کے بعد، میں مٹی کو کال کر لیتا ہوں۔۔۔“ میان اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ شہریز سوچ میں گم ہو گیا۔ ابھی کچھ دیر پہلے لیہانے اسے اپنے ساتھ زبردستی بٹھا کر کھانا کھایا تھا۔ وہ ڈرتے، ڈرتے اس کے ساتھ بیٹھا تھا۔ وہ اتنا کھائیں ہی تھی۔ جتنا اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اور جب اس نے جہارت کرتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔ تب تو اس کے وجود میں جیسے برقی کرنٹ دوڑ گیا تھا۔ ابھی کچھ دیر پہلے وہ اس کے ساتھ اسکرین کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ دنوں نے کوئی مودبی لگا رہی تھی۔ جب میان کی گاڑی کی آواز آئی، تو وہ اٹھ کر باہر چلا گیا۔ لیہانے جان بوجھ کر والیم بڑھا کر موبائل نکال لیا۔ اور خود کو موبائل میں مصروف کر لیا تھا۔ آج تو اس کی جان جاتے، جاتے ہی تھی۔ اسے لیہانے بے انتہا زحمتوں ہونے لگا تھا۔

☆.....☆.....☆

میان اپنے کمرے میں چلا آیا۔ اس نے موبائل نکال کر مٹی کا نمبر ملا دیا۔ کچھ دیر تپل جاتی رہی

پھر اس کی آواز سنائی دی۔

”ہیلو۔۔۔! می آپ لوگ کہاں ہیں؟“

”ہیلو۔۔۔! تم گھر آگئے ہو؟“ دوسری طرف سے تشویش سے پوچھا گیا تھا۔ وہ فرحت بیگم تھی۔

”ہاں۔۔۔! شہر سے پتہ چلا۔۔۔! ڈیڑی کی طبیعت خراب ہوگئی ہے۔۔۔! آپ مجھے اپنی لوکیشن سینڈ کر دیں۔۔۔! میں فوراً پہنچ رہا ہوں۔۔۔!“

”نہیں۔۔۔! تم تھک گئے ہو گے۔۔۔! تم آرام کرو۔۔۔! ہم اسپتال سے سیدھا گھر ہی آرہے ہیں۔۔۔!“

”می۔۔۔! آپ کال کر لیتیں۔۔۔! میں سیدھا اسپتال آجاتا۔۔۔!“

”نہیں۔۔۔! بس اتنی بڑی بات نہیں ہے۔۔۔!“

تمہارے ڈیڑی کو اچانک دل میں پین محسوس ہونا شروع ہوا۔۔۔! میں اسے فوراً اسپتال لے کر آگئی۔۔۔!“

فرحت بیگم اب اسے مطمئن کر رہی تھی۔

”مٹی ٹھیک ہے۔۔۔! ایسا کو تو ساتھ لے جاتیں۔۔۔!“

”نہیں۔۔۔! گھر پر بھی تو کوئی ضروری تھا۔۔۔!“

اور وہ یہاں آکر دیے بھی پریشان ہی ہوتی۔۔۔!“

فرحت بیگم نے بتایا۔

”اچھا۔۔۔! اب ڈیڑی کہاں ہیں؟“

”ابھی تو اسے ڈریس چڑھی ہوئی ہے۔۔۔!“

جب یہ ڈریس وغیرہ ہو جائے۔۔۔! ہم گھر کے لیے نکل آتے ہیں۔۔۔!“

”اوکے ٹھیک ہے۔۔۔!“ میسان نے رابطہ منقطع کر لیا۔ وہ بس سے انداز میں اپنے پنک پر گر گیا۔

”شاید۔۔۔! می، اور ایسا ٹھیک کہتی ہے۔۔۔!“

نارہ بھی عجیب سی تھی۔۔۔! جب اس گھر میں تھی۔۔۔! تب عجیب واقعات ہوتے تھے۔۔۔! جب چلی گئی۔۔۔! تو وہ پراسرار واقعات بھی اس کے ساتھ گم ہو گئے۔۔۔!“

مگر ضرور ڈیڑی نے نارہ کا دکھ اپنے دل پر سوار کر لیا ہے۔۔۔! پہلے تو اسے کبھی دل کی تکلیف نہیں

تھی۔۔۔! می نے نارہ کے ساتھ جو کچھ کیا۔۔۔! اس کا گم ڈیڑی کو لگ گیا۔۔۔! مجھے نارہ کو واپس بلوانا ہی پڑے گا۔۔۔! ڈیڑی کا دکھ اسی صورت کم ہو سکتا ہے۔۔۔! ورنہ ڈیڑی بتو دل کی بیماری میں مبتلا ہو کر بستر کے رہ جائیگے۔۔۔! ڈیڑی لاکھ جھٹلائیں، مگر وہ اپنی گلٹ میں مبتلا ہیں۔۔۔! بیوی بچوں کی خوشی کی خاطر کچھ کہتے نہیں ہیں۔۔۔!“

”میں نے نارہ کو میں کہاں ڈھونڈوں؟ اتنا بڑا شہر ہے۔۔۔! خدا جانے وہ کہاں ملے گی؟“

”ایک دن اتفاق سے نظر تو آئی تھی۔۔۔! مگر دوبارہ کوئی اتفاق سے نہیں ملتا ہے۔۔۔!“

دماغ کو سوچ میں کیجاں کر رہا تھا۔

”نہیں۔۔۔! اگر وہ نارہ ہی تھی۔۔۔! تو وہ اسی شہر میں ہے۔۔۔!“

”مگر کہاں مل سکتی ہے؟ اللہ کرے۔۔۔! کہیں مل ہی جائے۔۔۔! واپس تو اسے لانا ہی پڑے گا۔۔۔!“

”نہیں۔۔۔! مگر می کبھی نہیں مانے گی۔۔۔!“

کبھی نہیں۔۔۔! پر ڈیڑی کی خاطر، مجھے دوبارہ نارہ کو لانا ہی ہوگا۔۔۔! اور اس لڑکے کو بھی تو یہاں سے نکالنا ہے۔۔۔! اور ایسا بھی چاہتی ہے۔۔۔! میں واپس نارہ کو ڈھونڈ کر لے آؤں۔۔۔! پر کیسے؟“

”ہوں۔۔۔! تو پھر ٹھیک ہے۔۔۔! اگر مجھے نارہ مل جاتی ہے تو میں اسے دوبارہ یہاں لے آؤں گا۔۔۔! می کو بعد میں دیکھ لوں گا۔۔۔!“

”یہ ٹھیک رہے گا۔۔۔! یہ نہیں، اس مہکاش کے گھر والوں کو، اس کے رشتے کی کوئی جلدی ہے؟ آج کل سب کو پتہ ہے۔۔۔! بچے اپنی مرضی کرتے ہیں۔۔۔!“

پھر ان کو اپنی مرضی چلانے کی کیا ضرورت ہے؟ وہ کچھ دیر سوچتا رہا۔

”ہاں۔۔۔! بس بہت ہو گیا۔۔۔! آج کل میں می سے دو دو بات کر لیتا ہوں۔۔۔!“

”وہ اس سوچ سے مطمئن ہو گیا۔ اچانک اس کے کمرے کے دروازے پر دستک کی آواز آئی۔

”کون؟“ میسان نے اونچے آواز میں پوچھا۔

”صاحب۔۔۔! کھانے کے لیے آجائیں۔۔۔!“

وہ شہر پر تھا۔ جو کھانے کے لیے اسے بلوا رہا تھا۔

”شہر سے۔۔۔! میں کچھ دیر بعد کھاؤں گا۔۔۔!“

جب اریسا آجائے گی۔۔۔! تم ابھی کھانا واپس اٹھاؤ۔۔۔!“

”میں نے کہا۔ اور شہر سے کامیاب بن گیا۔ کتنی مشکلوں سے اس نے کھانے کی ٹیبل سجائی تھی۔ اب وہ دوبارہ اٹھانے کے لیے سوچ رہا تھا۔

”جی صاحب۔۔۔!“ وہ چلا گیا۔ اور میسان اریسا کو کال کرنے لگا۔

☆ ☆ ☆

”بیگم۔۔۔! کیا کچھ رہا تھا؟ زیادہ پریشان تو نہیں ہو رہا تھا؟“ وہ دونوں بہت بڑے ریسٹورنٹ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے سامنے اچھے خاصے بیوی ڈشیز رکھے ہوئے تھے۔ صرف میسان کو یقین دلانے کے لیے، وہ کسی بھی حد تک جاسکتے تھے۔ حالانکہ وہ دونوں اس وقت اس ریسٹورنٹ میں بیٹھے ہوئے تھے۔

”نہیں۔۔۔! یہ تمہاری آج کی فیک رپورٹس ہے۔۔۔! گھر جا کر یہی میسان کو دکھادیں گے۔۔۔!“

اچھا تم کھانا کھاؤ۔۔۔! کافی دیر ہوگئی ہے۔۔۔! ہمیں گھر بھی واپس کرنی ہے۔۔۔!“

”بیگم۔۔۔! اب میں اکتا گیا ہوں۔۔۔! بس کرنا چاہیے۔۔۔!“

عادل صاحب نے چھری کا ٹانا منبھال لیا۔ وہ اب کانٹے سے کھانے لگا تھا۔

”ہاں۔۔۔! کام تو مشکل ہے۔۔۔! مگر اب تمہیں یہ ڈراما تو پورا کرنا ہوگا۔۔۔! عادل صاحب غلطی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔۔۔! اور نہ کام بگاڑ سکتا ہے۔۔۔!“

”نہیں۔۔۔! اب جو کام شروع کر دیا ہے۔۔۔!“

بیگم تمہیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔۔۔! کام تو پورا کر کے ہی رہوں گا۔۔۔!“

”اور دوسری اہم بات تمہیں نہیں بھولنی چاہیے۔۔۔! کھیل تو ابھی شروع ہوا ہے۔۔۔! کھیل کے آغاز پر ہی اگر تم دل چھوٹا کر دو گے۔۔۔! تو پھر جیت ہے؟“

بھول ہی جاؤ۔۔۔!“

”ہاں۔۔۔! اچھا تم کھانا کھاؤ۔۔۔! فضول باتیں مت سوچو۔۔۔! کافی دنوں کے بعد، ہم باہر کھانے آئے ہیں۔۔۔! عادل صاحب منگوائے بغیر۔

”کھانا ہے ہیں۔۔۔! اچھا تم کھانا کھاؤ۔۔۔!“

”ہمیں اب اسی طرح سے آؤنگ کے لیے باہر آنا چاہیے۔۔۔!“

”ہاں۔۔۔! ہاں۔۔۔! کیوں نہیں۔۔۔! ہم آتے رہیں گے۔۔۔! انی لٹال تم یہ رست چکن میری طرف بڑھاؤ۔۔۔!“

وہ دونوں کھانا کھانے لگے۔ ساتھ ساتھ باتیں بھی کرتے رہے۔

☆ ☆ ☆

اریسا گھر آچکی تھی۔ گاڑی کھڑی کر کے وہ سیدھی لان میں چلی آئی۔ کافی اندھیرا پھیل چکا تھا۔ اسے میسان نے کچھ دیر پہلے گھر آنے کا کہا تھا۔ وہ ایک ضروری کام کرنے آئیں۔ اس نے میسان نے اسے دوبارہ ڈیڑی کے پارٹ ایک کا بتایا تھا۔ وہ سب کام چھوڑ کر فوراً گھر پہنچ گئی۔

گھر کے اندر جا کر اس کا سامنا شہر سے ہو گیا۔ اس کے سر میں شدید درد تھا۔ مزید اس کا مونڈ بگڑ گیا۔ شہر سے بھی اس سے زیادہ کڑوا تھا۔ اسے پتہ تھا۔ یہ لڑکی زیادہ تر خطرناک تیار کرتی ہے۔

”اے سنو۔۔۔! انتہائی بدتمیزی سے اسے مخاطب کر گئی۔ وہ جو آواز اسے اسے کھڑا تھا۔ قدم قدم چلا ہوا، آہستہ آہستہ اس کے پاس چلا آیا۔

”جی چھوٹی بیگم صاحبہ؟“ وہ سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگا۔

”اے کیا نام ہے تمہارا؟“

”شہر سے۔۔۔! شہر نے بتایا۔

”جو بھی ہو؟ آئندہ میری طرف ایسے انداز میں مت دیکھنا، ورنہ آنکھیں نکال کر ہاتھ میں پکڑا دوں گی۔۔۔! نیچے دیکھ۔۔۔! وہ نیچے دیکھنے لگا۔

”ہاں۔۔۔! تو بتاؤ۔۔۔! میسان نے کھانا کھا لیا ہے۔“

جانتا ہے۔۔۔!! میں نے اس شخص کو کہا بھی ہے۔
 مگر، یا پھر جائیز بنایا کرے۔۔۔!! اگر چاہتے ہیں تو
 ہے، تو پھر سیکرونی میرے لیے بنا لیں۔۔۔!! اگر وہ
 نہیں بنا سکتا ہے۔۔۔!! تو یہ گریوی ڈسٹریکٹ میں
 کرے۔۔۔!! اس نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا
 میاں نے اس کے لیے گریوی (گھی) طلبہ کر کے پیر
 اس کی طرف بڑھائی۔
 ”ابھی تو فری کر۔۔۔!! میں نے بچا
 ہے۔۔۔!! بہت مزے کا ہے۔۔۔!!“
 ”شیریز۔۔۔!! شیریز۔۔۔!!“ وہ لوہے آواز
 میں چیخنے لگیں۔ شیریز بھاگ کر آگیا۔
 ”جی چھوٹی بیگم صاحبہ؟“
 ”چھوٹی بیگم صاحبہ کے بچے۔۔۔!! یہ کھانے کے
 نام پر تم کیا کچھ بنا لیتے ہو۔۔۔!! کتنی باتم سے کیا
 ہے۔۔۔!! میرے لیے چائیز بنایا کروں۔۔۔!! مجھے
 یہ سب نہیں کھایا جاتا ہے۔۔۔!! بیڑو بنانا
 لو۔۔۔!! کتنی ڈشیں ہیں۔۔۔!! جب سے تم نہیں لگے
 میں آئے ہو۔۔۔!! ایک بھی نہیں بنائے۔۔۔!! اہلیت
 ہی ہذا حرام اور کام چور قسم کے انسان ہو۔۔۔!! وہ جیٹی
 جو پلیٹ میاں نے اس کے لیے بنائی تھی۔ وہ اٹھا کر شیریز
 کے قدموں میں دے ماری۔ وہ غصے سے اپنی جگہ سے اٹھ
 کھڑی ہوئی۔ شیریز کے پیروں میں پلیٹ ٹوٹ کر
 چکنا چور ہو گئی۔ سالن ادھر ادھر بکھر گیا۔ شیریز کا رنگ سرخ
 ہو گیا اور کانوں کی لوہوں نے جیسے مزید مرنے کی پکلی۔ میاں
 اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔
 ”اریہا اریہا۔۔۔!! کالم ڈاؤن۔۔۔!! اس
 نے جلدی سے پانی کا گلاس اریہا کی طرف
 بڑھایا۔ جسے اریہا نے پکڑ کر شیریز کے قدموں میں
 دے مارا۔
 ”نہیں چاہیے مجھے پانی۔۔۔!!“ وہ غصے میں
 تھی۔ گلاس ٹوٹ کر چکنا چور ہو گیا۔ پانی بہتا ہوا لڑائی
 پھیل گیا۔
 ”چھوٹی بیگم صاحبہ میں سیکھ رہا ہوں۔۔۔!! اس

”نہیں بیگم صاحبہ۔۔۔!! وہ آپ کا انتظار کر رہا
 ہے۔۔۔!! پہلے تو کھاتے۔۔۔!! کھالیتا ہوں۔۔۔!! پھر
 منع کر دیا۔۔۔!!“
 ”ٹھیک ہے۔۔۔!! میں جا کر چیخ کر لیتی
 ہوں۔۔۔!! تم کھانا میل پر سر دکر دو۔۔۔!! میں کچھ
 دیر میں آجاتی ہوں۔۔۔!! پھر اس کو بلا کر لے
 آؤں۔۔۔!!“ شیریز نے سر اثبات میں بلایا۔ وہ
 اندر کمرے کی طرف چلی گئی۔ شیریز بچن کی طرف
 چلا گیا۔ اب وہ کھانا میل پر سر دکر رہا تھا۔ میاں کے
 پیچھے وہ چلا گیا۔ اس نے دروازے پر دستک
 دی۔ اس نے دروازہ کھولا۔
 ”صاحب۔۔۔!! اریہا بی بی آچکی ہے۔۔۔!!
 آپ کھانے کے لیے آجائیں۔۔۔!!“
 ”ہاں۔۔۔!! موڈ تو نہیں ہے، مگر چونکہ انتظار کر رہا
 تھا۔۔۔!! میں آجاتا ہوں۔۔۔!!“ شیریز واپس چلا گیا۔
 میاں کچھ دیر دروازے میں کھڑا رہا۔ پھر وہ اندر دواش روم
 میں گھس گیا۔ کچھ دیر بعد جب وہ باہر نکل آیا۔ تو وہ کچھ
 فریش تھا۔ اب وہ باہر آلاؤنچ میں آگیا۔ جہاں میلنگی
 تھی۔ وہ ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر میں اریہا بھی ڈریس
 چیخ کر کے آگئی، وہ بھی اس کے سامنے بیٹھ گئی۔ دونوں
 نے کھانے کی میل سے اپنے لیے پلیٹیں اٹھائیں۔ اور سالن
 اپنے لیے اپنی پلیٹ میں ٹکالنے لگے۔ شیریز چلا گیا۔ اس
 نے پانی وغیرہ رکھا تھا۔
 ”یہ کیا بنایا ہے؟“ اریہا نے کونٹوں کے سالن
 کو کوفت سے دیکھا۔ میاں نے کندھے اچکائے۔
 اور یہ دوسرا کتنا بیوی ہے؟ ایسے کھانے تو رنگ
 و روغن کے نام پر بازاروں میں پائے جاتے ہیں۔۔۔!!“
 ”اریہا۔۔۔!! کھانا تو ٹھیک ہے۔۔۔!! تم فری
 کرلو۔۔۔!! گریوی رہنے دو۔۔۔!! صرف کوفت نکال
 لو۔۔۔!! اور یہ لیگ پیس نکال کر لے لو۔۔۔!! وہ جی ٹیرین
 راس بھی اٹھے لگے ہیں۔۔۔!!“
 ”نہیں۔۔۔!! مجھے چاول پسند نہیں، اور اس میں
 کتنا گریوی ہے۔۔۔!! اتنا ہیوی کھانا مجھ سے نہیں کھایا

نے مرے مرے لہجے میں وضاحت دی۔
 ”شیریز۔۔۔!! تم جاؤ۔۔۔!! اس کے سامنے
 سے ہٹ جاؤ۔۔۔!! یہ اس وقت غصے میں ہے۔۔۔!!
 کچھ بھی کر سکتی ہے۔۔۔!!“ میاں نے شیریز سے کہا۔
 شیریز وہاں سے ہٹ گیا۔ وہ لاؤنچ سے باہر
 چلا گیا۔ اریہا کی تیز آواز نے اس کے کانوں میں جیسے
 پتکلا ہوا سیسہ اٹیل دیا۔
 ”جب سے یہ زلیل انسان اس گھر میں آیا
 ہے۔۔۔!! جب سے کچھ بھی اچھا نہیں ہے۔۔۔!! ایک
 دن جو میں نے سکون کا سانس لیا ہو۔۔۔!! اس کے الم ظلم
 کھانے دیکھ کر دل گھبرانے لگتا ہے۔۔۔!! اوپر سے اس کی
 منوں صورت دیکھ کر دل خراب ہوتا ہے، اور یہاں ہماری
 پرائیویسی ڈسٹریکٹ ہو گئی ہیں۔۔۔!!“
 ”اریہا بس کر دو۔۔۔!! یہ نازہ نہیں ہے۔۔۔!!
 پلیز۔۔۔!! ابھی میں تمہارے لیے کچھ آرڈر کر لیتا
 ہوں۔۔۔!!“
 ”نہیں کھانا مجھے کھانا۔۔۔!! کسی دن یہ بے
 موت مارا جائے گا۔۔۔!! اسے کہو۔۔۔!! آئندہ
 میرے سامنے مت آئے۔۔۔!!“ وہ تن فن کرتی ہوئی
 وہاں سے سیدھا اپنے کمرے میں چلی گئی۔ میاں واپس
 کرسی پر بیٹھ گیا۔ اریہا بد مزاج تھی۔ وہ کبھی
 کھانا کھا کر جاتی تھی۔ پر شیریز کے ساتھ اس نے پہلی
 بار کیا تھا۔ میاں کھانا کھانے لگ گیا۔ اس کا بھی دل
 ہر چیز سے اچاٹ ہو گیا تھا۔
 ☆.....☆.....☆
 وکیل احسن احمد کے سامنے نازہ بیٹھی ہوئی
 تھی۔ اس نے نازہ کو کال کر کے آفس بلوایا تھا۔ نازہ نے
 اس کی فیس بھر دی تھی۔ اور جتنے اخراجات آنے تھے ان
 کا پیسہ بھی الگ سے دے دیا تھا۔
 ”دیکھیں نازہ۔۔۔!! تمہارے کیس کو میں نے
 اسٹڈی کیا ہے۔۔۔!! ہمارے جیتنے کے چانسز نوے
 فیصد ہیں۔۔۔!!“
 ”اور دس فیصد کیوں نہیں؟“ نازہ جو بڑی امان

کے ساتھ بیٹھی تھی۔ بڑی لال دل سی دل میں قیامت پڑھ
 رہی تھی۔
 ”دس فیصد تب اس لیے میں نے مارجن میں
 رکھا ہے۔۔۔!! کیونکہ میں پتہ نہیں ہے۔۔۔!! تمہارے
 بابا کا گھر کس کے قبضے میں ہے؟“
 ”وہ تو پتہ چل جائے گا۔۔۔!!“
 ”ہاں۔۔۔!! میں وہاں جانا ہی ہوں گا۔۔۔!! کبھی
 کبھار جس چیز کے بارے میں پتہ نہیں ہوتا ہے۔۔۔!! وہ
 ارادوں کے بالکل برعکس نکلتا ہے۔۔۔!!“
 ”سر مجھ میں کیا کرنا چاہیے؟“
 ”اور پیکل ڈاکومنٹس سنبھال کر رکھیں۔۔۔!! کل
 ہم پہلی فرمت میں وہاں جا رہے ہیں۔۔۔!! جس علاقے
 میں گھر اور پلاٹ ہے۔۔۔!! سب سے پہلے اس کا موازنہ
 کریں گے۔۔۔!! اس کے بعد، اگر وہاں تمہارے چچا کی
 فیملی ہوئی تو پھر ان سے ملاقات کریں گے۔ پہلے ان
 کو ڈنٹی طور پر ہم یہی یاد کروائیں گے۔۔۔!! تم ان کی
 محبت میں چلی آئی ہو۔۔۔!! تاکہ دینک والا مسئلہ بھی حل
 ہو جائے۔۔۔!!“
 ”ٹھیک ہے۔۔۔!! اور میرے چچا نہیں مانے؟“
 نازہ نے سوال داتا۔
 ”پھر ہم ان کو لالچ دیں گے۔۔۔!! ان کو کوئی کچی
 جھوٹی کہانی سنا کر مطمئن کرنے کی کوشش کریں
 گے۔۔۔!! اس میں تم میرا ساتھ دو گی۔۔۔!!“ وکیل
 احسن احمد اسے سمجھا رہا تھا۔ نازہ نے سر اثبات میں بلایا۔
 اس نے کچھ نہیں کہا۔ وکیل صاحب نے اپنی بات دہرائی
 سے جاری رکھی۔
 ”اس گھر میں کون لوگ ہیں؟ یہ جاننا ہمارے لیے
 بہت ضروری ہے۔۔۔!! اس کے بعد سارے بینک
 والے معاملے کو کھانے کے بعد، معلومات لینے کے
 بعد، کچھ دن بعد، ہم پولیس میں پراپرٹی پر ناجائز قابض
 ہونے کے خلاف رپورٹ لکھیں گے۔۔۔!! اور آخر میں
 عدالت میں پیش کش درج کر کے ان کو عدالتی کاغذ جاری
 کریں گے۔۔۔!! ان کو صاف صاف بتائیے۔۔۔!!“

بھی جس مکان، اور پلاٹ پر آپ لوگ قابض ہیں۔۔۔!!
یہ غیر قانونی ہیں۔۔۔!! یہ کسی اور کی ملکیت ہیں۔۔۔!! اور
اصل مالک تم نہیں، بلکہ نازہ ہے۔۔۔!!
”اور اگر میرے چچا کی فیملی ہوئی تو پھر بھی
مشکلات کتنی ہوں گی؟“

”دیکھیں۔۔۔!! کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا
ہے۔۔۔!! چچا تایا پھوپھو وغیرہ کی فیملی ہوتی ہی نہیں
ہیں۔۔۔!! خاندان، یا پھر کہیں اور دوسرے غیر افراد نے
بھی ناجائز قبضہ کیا ہوتا ہے۔۔۔!! کل انشاء اللہ ہمیں پتہ
چل جائے گا۔۔۔!!“

”اور میرے ماں باپ کے روڈ ایکسٹنٹ
کے بارے میں کیسے پتہ چلے گا؟“ نازہ نے ایک اور
سوال پوچھا۔

”اس کی فکر آپ نہ کریں۔۔۔!! وہاں جا کر ساری
معلومات مل جائیں گی۔۔۔!! وہ کیس بھی سولو ہو جائے
گا۔۔۔!! سمجھنا تو ہے۔۔۔!! اگر چچا کی فیملی ہوئی۔۔۔!!
تو پھر ان سے معلومات لینا میرے بائیں ہاتھ کا کھیل
ہے۔۔۔!!“ نازہ نے اثبات میں سر ہلایا۔ اس سب
معاملے میں بڑی اماں اچھی خاصی خاموش تھی۔ اس نے
کچھ بھی نہیں کہا۔

”ٹھیک ہے۔۔۔!! ہم کل ملتے ہیں۔۔۔!!
آپ جب تک ضروری چیزوں پر غور و فکر نہ کریں۔۔۔!!“

”جی بالکل یہ ٹھیک رہے گا۔۔۔!! میں کاغذی
کارروائی اشارت کروں گا۔۔۔!! آپ کوکل میں بتا دوں
گا۔۔۔!! کل ہمیں جو کچھ ضروری ہوگا۔۔۔!! وہ کرنا شروع
کریں گے۔۔۔!! میں کچھ کاغذات بنوا دوں گا۔۔۔!!“
نازہ اور بڑی اماں اٹھ گئیں۔

”ویسے ایک بات ہے جس پر آپ کو غور کرنا
چاہیے۔۔۔!!“ وکیل احسن احمد نے اس کو جاننے سے پہلے
ضروری سمجھا۔

”وہ کیا؟“ نازہ رک گئی۔

”بہت سارے جائیداد کے کیسز میں یہ بات
دیکھنے میں آئی ہیں۔۔۔!! جب جائز حق کے لیے یتیم بچے

عدالت کا درکھکھاتے ہیں۔۔۔!! تو ان کے سوکھنا نام
کے رشتے دار اپنے جھوٹ موٹ کا پناہیت، جذباتی پناہ
دکھا کر ان کو روک دیتے ہیں۔۔۔!! ان کو ایسے موٹے بلیک
میل کر کے، ان سے ناصر کیس واپس لیا جاتا
ہے۔۔۔!! بلکہ آنسو اور رو دھو کر، جائیداد بھی رکھ لی
جاتی ہے۔۔۔!!“

”سر آپ بے فکر رہیں۔۔۔!! میرے معاملے
میں ایسا بالکل بھی نہیں ہونے والا ہے۔۔۔!! جو کچھ
میرا ہے۔۔۔!! وہ میرا ہے۔۔۔!! اگر ان لوگوں نے ابھی
تک رکھا ہے، تو اب ان سے واپس لینے کا وقت
ہو چاہتا ہے۔۔۔!!“

”ڈش گڈ۔۔۔!! یقیناً نازہ کیس آپ کے حق
میں ہے۔۔۔!! بس آپ نے کسی بھی قسم کے جذباتی بلیک
میلنگ میں نہیں آنا ہے۔۔۔!!“ نازہ اور بڑی اماں آفس
سے باہر آگئیں اور وکیل احسن احمد اب کچھ سوچنے لگا۔
☆.....☆.....☆

دن بھر کا سورج اپنا سفر طے کر چکا تھا۔ رات کی
سایہ پھیل کر ہر طرف چھا چکی تھی۔ ستارے آسمان کے
اورد گرد پھیل کر روشن نظر آ رہے تھے۔ وقت دھیرے
دھیرے آگے بڑھتا رہا۔ صبح کی پو آخر کار پھٹ گئی۔ اب
دور سے صبح کی آواز فضاء میں گون رہی تھی۔ نازہ صبح اٹھ کر
نماز پڑھ رہی تھی۔ اس نے نماز پڑھ لی۔ دعا کے لیے ہاتھ
اٹھائے۔ اب وہ دل ہی دل میں دعا مانگ رہی تھی۔ نماز
پڑھ کر وہ کچھ دیر تسبیحات پڑھتی رہی۔ وہیں قریب ہی بڑی
اماں بیٹھی تخت پر اپنا وظیفہ مکمل کر رہی تھی۔ نازہ آئی اور
دوبارہ جا کر سو گئی۔ بڑی اماں بدستور بیٹھی رہی۔ صبح جب
نازہ آئی، دونوں کے ساڑھے سات بجے تھے۔ بڑی اماں
نے چائے بنادی تھی۔ دونوں نے ساتھ ناشتہ کیا۔ پھر ان
کو وکیل کا فون آیا۔ نازہ اور بڑی اماں اب وکیل کے دفتر
میں پہنچ گئیں اور اب وہ دونوں گاڑی میں بیٹھ کر دوسرے
قریبی شہر جا رہی تھی۔ نازہ گاڑی میں اپنا سفر کر رہی
تھی۔ بدلتے مناظر تیزی سے تبدیل ہو رہے تھے۔ نازہ
اور بڑی اماں پیچھے سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ جبکہ وکیل احسن

احسن بیٹھے ہوئے تھے۔ نازہ سورج بھی نہیں کتنی تھی۔ وہ اتنا
برقہ اندام اٹھائے گی۔ اس کو تو کبھی ایسے چپ کر لیا گیا تھا۔ وہ
بڑے حق کے لیے تو کیا کبھی اپنے لیے بھی بول نہیں پاتی
تھی۔ آج وہ انجان لوگوں میں، جن کو اس نے زندگی بھر
نہیں دیکھا تھا۔ ان سے ملنے جا رہی تھی۔ وقت اور حالات
نے بہت تیزی سے بدلنا دکھایا تھا۔ سفر جاری رہا۔ اور پھر
ایک دم سے اپنے شہر سے نکل کر وہ دوسرے قریبی شہر
آگئے۔ یہ دن بہت بھاگ دوڑ میں گزرنے والا تھا۔ ان
کا بیکل جوان تھا۔ اور اسے عدالتی داؤ پیچ آتے تھے۔ ان کی
گاڑی گھومتی رہی۔ آخر کار وہ ایک پوش علاقے میں پہنچ
گئی۔ جہاں خوبصورت مکانات تھے۔ اور ان کے درمیان
برک بہت کشادہ تھیں۔ یہ علاقہ انچ ڈی اے کے
زمرے میں آتا تھا۔ اور کتنی ہی اس پر بھرپور توجہ دی تھی۔

شناختی کارڈ پر موجودہ ایڈریس ڈھونڈتے
ڈھانڈتے وہ بلا آخر ایک جگہ پہنچ گئے۔ جن کی انھیں تلاش
تھی۔ یہ اچھا خاصہ ویلڈ سیٹلٹ ایریا تھا۔ جس میں ڈبل
اسٹوری مکان تھے۔ اور ہر مکان بہت خوبصورت نقشے کے
تحت بنایا گیا تھا۔ ان مکانات میں تہہ خانے بھی ضرور
ہوتے تھے۔ اور ان کی تیسرے منزل پر صرف چار دیواری
ہوتی تھی۔

”غالبا یہی جگہ ہے۔۔۔!! بلکہ یقیناً یہی
ہے۔۔۔!! اس کے ساتھ یہ جو بڑا پلاٹ ہے۔۔۔!!

جس گھر کے ساتھ ملحق ہے۔۔۔!! اس کے گرد چار دیواری
ہے۔۔۔!! اور غالباً ایک عدد دوم اور برآمدہ بھی بنوایا گیا
ہے۔۔۔!! یہ پلاٹ بھرے کے طور پر استعمال ہوتا رہا
ہوگا۔۔۔!! کتنے پیارے پودے لگائے ہیں۔۔۔!!“ نازہ
ال بنگلے نما گھر کو کھینچتی رہیں۔ وہ لوگ گاڑی سے
اتر آئیں۔ پلاٹ کے ارد گرد چھ فٹ دیوار اٹھادی تھی اور بہت
بڑا گیت دونوں سروں پر بنایا گیا تھا۔ کئی قسم کے خوبصورت
درخت اور پودے بھرے کے چار دیواری سے جھانک رہے
تھے۔ احسن احمد نے ایک باہر پھر سے کنفرم کرنا چاہا۔ کچھ دیر
مٹا سے کنفرم ہو گیا۔ اس کے چچا کے نام کی کئی باہر گیت
کے قریب لگی تھی۔ روشنان خان ہاؤس احسن احمد

نے گھر کی کھنچ پر ہاتھ رکھا۔ بل جتنی رہی تہہ پر بیٹھ
ہو گئی۔ جبکہ احسن احمد نے کھنچ پر ہاتھ رکھا۔

☆.....☆.....☆
کچھ دیر بعد روزانہ کھانا نازہ کے عمر کے ایک
لڑکے نے روزانہ کھول دیا۔ وہ ان کی طرف حیران اور
سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ کل نے اپنے ہاتھوں پر
مسکراہٹ پھیلائی۔

”جی آپ کو کس سے ملنا ہے؟“

”بیٹے۔۔۔!! یہ روشنان خان کا گھر ہی ہے
ماں؟“ احسن احمد نے سوال انداز میں اس کی طرف دیکھا۔
”ہاں۔۔۔!! مگر آپ کو کیا کام ہے؟“ وہ ان
کو پہچان نہیں پا رہا تھا۔ اور وکیل کو کچھ کراہے اچھا سا
ہو رہا تھا۔

”جی۔۔۔!! میں آپ کے والد صاحب سے ملنا
ہے۔۔۔!!“

”ابو جی۔۔۔!! پر آپ کون لوگ ہیں؟“
ان کو کیا بتاؤں؟“ نازہ نے اپنے چچا کو فون کوئی شناختی
کارڈ دیا تھا۔ اس پر بھی روشنان خان لکھا تھا۔ اس کی چچی
کا نام بھی اسے شناختی کارڈ سے زبانی لکھ کر پڑھا تھا۔ ابھی اس
نے ان کو پہچان میں دیکھا تھا۔ اسے کچھ بھی یاد نہیں تھا۔ اس
کا زمانہ اب بالکل گورا کاغذ تھا۔

”روشنان خان سے کہنا۔۔۔!! کچھ بہانہ آئے
ہیں۔۔۔!!“

”ہر کون بہانہ؟“

”آپ ان سے کہنا۔۔۔!! ان کے کچھ شے
دار آئے ہیں۔۔۔!!“ وہ لڑکانہ لہجہ سے دیکھا۔ پھر وہ
اندر چلا گیا۔ کچھ دیر بعد ایک آدمی باہر نکل آیا۔ جس نے
سفید لباس زیب تن کر رکھا تھا۔ وہ وکیل کو کچھ کراہے میں
پڑ گیا۔ کچھ دیر وہ ان کی طرف فورس دیکھا۔

”جی میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔۔۔!! غالباً آپ
غلط پتہ پر آئے ہیں؟“ روشنان چچانے فن کوہر تہہ
دیکھا۔ اور آخر میں خودی اندازہ لگایا۔ احسن احمد کے
ہاتھوں پر طنزیہ مسکراہٹ دوڑ گئی۔

”سرگرمند ہونے کی بات نہیں ہے۔۔۔! ہمیں ثبوت مل جائے گا۔۔۔! وہ تو جب مجھے پتہ چلا۔۔۔! میرے چچا دادا وغیرہ بھی ہیں۔۔۔! تو ان کی محبت میں اندھی ہو کر بھاگی چلی آئی۔۔۔! مجھے کیا پتہ تھا؟ یہ لوگ میرے لیے انجان ہیں۔۔۔! کوئی نہیں۔۔۔! میں تو ان کی محبت میں بھاگ کر آ گئی تھی۔۔۔! اگر نہیں مانتے مجھے اپنا گناہ۔۔۔! میں واپس چلی جاتی ہوں۔۔۔! چلو۔۔۔! چلیں۔۔۔!“

”نہیں نہیں بیٹا۔۔۔! بات سنو۔۔۔! آپ تو ہمارا اپنا خون ہو۔۔۔! میں ابھی تمہاری چچی جان، اور باقی رشتے داروں سے تمہیں ملو دیتا ہوں۔۔۔! ویسے بیٹا۔۔۔! آپ نے اس خاتون کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔۔۔!“

”یہ میری گارجین (سرپرست) ہیں۔۔۔! انی بیٹی! یہ میری دیکھ رکھ کر رہی ہیں۔۔۔! جب سے مہول لوگوں نے مجھے گھر سے نکالا ہے۔۔۔! ان ہی کے پاس ہوں۔۔۔!“

”اچھا اچھا! مگر ہم نے تو سنا تھا۔۔۔! تم اپنے ماموں ممانی کے پاس ہو۔۔۔!“

”ان کے پاس تھی۔۔۔! ان لوگوں نے مہینوں پہلے مجھے گھر سے نکال دیا۔۔۔!“

”اچھا! تم لوگ بس مجھے کچھ وقت دو۔۔۔! میں آپ کے لیے گیسٹ روم کھولتا ہوں۔۔۔! وہ ایک ہم سے کچھ سوچ کر بدل گیا تھا اس کے رویے سے شہد فکد ہوا۔۔۔! اب گھر کے اندر چلے گئے۔ احسن احمد نازہ اور بڑی اماں نے ایک دوسرے کی طرف معنی خیزی سے دیکھا۔

☆ ☆ ☆

ان کے لیے بیرونی سائیڈ سے گیسٹ روم کا چھوٹا سا دروازہ کھول دیا گیا۔ وہ سب اندر داخل ہو کر بیٹھ گئے۔ نازہ بھی ان کے ساتھ تھی۔

”مگر آپ نے ان سے ایسا کیوں کہا؟“ نازہ نے پوچھا۔ بڑی اماں خاموش تھی۔

”اگر ایسا نہ کہتا۔۔۔! وہ ہمیں گھر میں رکھ دیتے۔۔۔! سب سے پہلے ہمیں تمہاری پالیسی کے لیے ان کی گواہیاں چاہیے۔۔۔! تمہارے والدین کی کار حادثے میں وفات والی تاریخ اور وقت چاہیے۔۔۔! بس ایک بار پتہ اور ثبوت مل جائیں۔۔۔! ہم ان کو اپنا اصل مقصد بھی بتا دیں گے۔۔۔!“

”میں ان لوگوں سے نفرت کرتی ہوں۔۔۔! ان لوگوں نے مجھے در بدر کر دیا۔۔۔! میرے ماں باپ کا پیار سے بنایا ہوا گھر چھین لیا۔۔۔! ان سے میں الٹیں یہ سب کچھ لے لوں گی۔۔۔! ان کو کبھی میں بتا دوں گی۔۔۔! جو جیسا ہوتا ہے، ان کو آخر کار دیوالیہ بنی جا رہا ہے۔۔۔!“

”نازہ۔۔۔! بس کر دو۔۔۔! ابھی ان کو لایا دیا کچھ بھی نہیں سنا ہے۔۔۔! جو کاغذات میں نے ان کو دکھائے ہیں۔۔۔! وہ سب انگلش میں لکھے ہیں۔۔۔! ان کو انگلش کہاں سمجھ میں آ سکتی ہے۔۔۔! پاکستان کی واحد کمزوری انگلش ہی ہے۔۔۔!“

”بڑی اماں آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں ہے؟ ہمارے یہاں آکر ان سے جھوٹ بول کر ان سے اپنا کام نکلوائیں۔۔۔!“

”نہیں۔۔۔! بیٹا۔۔۔! جیت تو حق کی ہوتی ہے۔۔۔! جو جھوٹ کسی مصلحت کے تحت بولا جائے۔۔۔! وہ وقتی ہوتا ہے۔۔۔! اللہ کرے۔۔۔!“

تمہارا مسئلہ جلد سے جلد حل ہو جائے۔۔۔!“

”بس خاموش ہو جائیں۔۔۔! اس سے پہلے کوئی آکر ہماری باتیں سن لے۔۔۔! وہ لوگ آہستہ دہی سے آپس میں بات کر رہے تھے۔ اس کے بعد سب خاموش ہو گئے۔ کچھ دیر بعد اس کی چچی، مچے، اور چچا سمیت سب آگئے۔ چچا نے جو اتنی دیر لگا دی تھی۔ شاید اس نے گھر والوں کو سمجھانے میں لگا دی تھی۔ یہ جولوکی نازہ والی آئی ہے۔ ان سے پیار محبت سے ملا جائے۔ نازہ سے چچا نے ناصر ف پیار جتایا۔ بلکہ ان کے ماں باپ کی یاد میں آنسو بھی بہائیں۔ نازہ کو ان کی قصے کہانیاں سناتے

بٹھی۔ تو ان سے پیار و محبت کے وہ جھوٹے سچے قصے بتا دیے۔ جو نازہ کو بھی آفسانوی لگیں۔ نازہ کے دادا دادی کا انتقال تو پچھلے چند برسوں میں ہو چکا تھا۔ اس کی دو چھپیاں تھیں۔ جو ایک دینی میں رہتی تھی۔ اور دوسری کہیں قریب ہی رہتی تھی۔ مگر ان لوگوں نے اس کا ذکر گول کر دیا۔ نازہ کو ان سے فی الحال کوئی سروکار نہیں تھا۔ نازہ کے چچا کے چار بیٹے تھے۔ دو لڑکے اور دو لڑکیاں، ایک لڑکی کی شادی ہو چکی تھی۔ باقی تین گھر پر ہی ہوتے تھے۔ نازہ کے چچا ان کے والد سے کافی بڑے تھے۔ پھر ان کی چھپیاں تھیں۔ اور پھر آخر میں، ان کے والد، عدنان خان، جن کی شادی عادل محمود کی بہن عروسہ سے ہوئی تھی۔ عدنان خان نوجوانی میں دینی چلے گئے تھے۔ وہاں اپنا چھوٹا سا کام سیٹ کر لیا تھا۔ اچھے وقتوں میں انھوں نے اپنے بیوی کے لیے گھر باریٹ کر لیا تھا۔ پھر یہاں آکر سیٹل ہو گئے۔ اس نے اپنا چھوٹا سا بزنس بھی سیٹ اپ کر لیا۔ مگر پتہ نہیں وہ کس نے ان کے جانے کے بعد کھالیا۔

☆ ☆ ☆

چچا چچی نے ان کو دوپہر کے کھانے پر اچھا خاصا اہتمام کر دیا۔ نازہ اور بڑی اماں نے ان کے ساتھ مل کر کھانا کھایا۔ پھر وہ نازہ کو لے آئیں۔ وہاں کا قبرستان بھی کیونٹی (کمپنی) کے اندر آتا تھا۔ قبرستان اچھے حال میں تھا۔ کیونکہ یہاں کے لوگ قبرستان پر بھی ٹکس دیتے آتے تھے۔ ان کی ماں باپ کی قبریں قریب قریب تھیں۔ دونوں کے نام کے کتبے قبروں پر لگے تھے۔ قبریں ڈھونڈتے وقت ان لوگوں کو اتنی مشکلات پیش نہیں آتی تھیں۔ کیونکہ قبرستان چھوٹا تھا۔ جو چار دیواری کے اندر تھا۔ کتنے کے کالی لکھائی پٹیکے پڑ چکی تھی، یہاں ہر قبر پر سفید پتھر لگائے تھے۔ اور تمام قبروں پر ان کے نام اور تاریخ وفات درج ہوتے تھے۔ چند قبریں جو بہت پرانی تھیں۔ اور ان کو ان کے اینٹوں نے بھلا کر کھاتھا۔ وہ وقت کے گرداب میں پھنس کر رہ گئی تھی۔ وہیں کچھ قبریں بیٹھ گئی تھیں۔ مکمل صاحب نے اپنا کام شروع کر دیا۔ ان کتبوں

سے تصاویریں اپنے موبائل فون سے اتاریں۔ پھر ان کے بھائی کاویڈیو بیان بھی لے لیا۔ اب انھوں نے نازہ اور بڑی اماں کو ہیں چھوڑا۔ اور خود بھاگ دوڑ میں مصروف ہو گیا۔ وہ تمام ڈاکٹمنٹس اپنے ساتھ لے گیا۔ نازہ اپنے ماں باپ کی قبروں سے لپٹ کر بیٹھ بیٹھ کر روتی۔ بڑی اماں نے ماتھے خونی کی ماں کو حوصلہ دیا۔ چچی جان اور ان کی بیٹی، بھیلہ قریب کھڑی کوفت سے اس معصیت کو سمجھتی رہیں۔ وہ دونوں دور سے آتی تھیں۔ سو وہ ایک دو دن یہاں رکنے والی تھیں۔ یہ احسن احمد نے ان کو کہا تھا۔ چچا قبرستان نے بھی، ماں کا صبر لڑکیاں۔ وہ اسپتال جانے کا کہہ گئے تھے۔ جانے کے وقت، ماں کو قریبی اسپتال لے کر گئے تھے۔ وہ پرانے اخبارات سے بھی ان کے حادثے کا خبر نکالنے کا کہہ رہے تھے۔ نازہ سے ان کے پلاٹ کے بارے میں ان لوگوں نے کوئی بات نہیں کی۔ اور نازی نازہ نے پوچھا۔ گھر واپسی پر، نازہ نے رک کر اس پلاٹ کی طرف دیکھا۔

”چچی جان۔۔۔! پلاٹ کتنا پیارا ہے؟ یہ کس کا ہے؟“ چچی اور اس کی بیٹی نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ پھر چچی جان نے ایک لمبی سانس لی۔

”پتہ نہیں۔۔۔! بیٹا۔۔۔! کسی کا ہوگا؟ تمہیں زیادہ فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔۔۔! یہاں اکثر ایسے ہی پلاٹ ملتے ہیں۔۔۔!“

”نہیں نہیں۔۔۔! میں کیوں فکر مند ہوں گی۔۔۔! مجھے بہت پسند آیا۔۔۔! سوچا۔۔۔! جب میرے پاس اپنے پیسے ہوں گے۔۔۔! میں یہاں گھر یا بالکل اس جیسا پلاٹ ہی لے لوں گی۔۔۔! آپ لوگوں کے پاس قریب ہو جاؤں گی۔۔۔!“

”اے۔۔۔! یہاں تو ہر چیز بہت مہنگی ہو گئی ہے۔۔۔! زمین کی باتیں آسمان سے باتیں کرتی ہیں۔۔۔! یہاں تو گھر اور پلاٹ ملنا ناپید ہو چکے ہیں۔۔۔! ایک ایک مہرے کی قیمت پچیس تیس لاکھ تک پہنچ چکی ہے۔۔۔! چچی نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔

”ویسے چچی جان۔۔۔! اس پلاٹ کے دونوں

گیت، آپ کے گھر کے گیت جیسے کیوں ہیں؟ سب کچھ ایک جیسا ہے۔ جیسے آپ لوگوں کا ہوں۔۔۔ دیوار پر جو پینٹ کیا ہے، وہ بالکل ایک جیسا ہے۔۔۔!!

”ہم تو خود کرائے دار ہیں۔۔۔!! یہ ہمارے مالک مکان کا ہوگا۔۔۔!! وہ ان لوگوں نے بس ایک نوکر کو اس پلاٹ کی رکھوالی کے لیے رکھا ہوا ہے۔۔۔!! یہ بات تمہارے چچا جان بہتر جانتے ہوں گے۔۔۔!!“

چچی جان نے چالاک کی انتہا کر دی۔ نازہ نے سر اٹھاتے میں بلایا۔ اب وہ سب گھر کے باہر کچھ لمحوں کے لیے رک گئے۔

”ویسے چچی جان۔۔۔!! آپ لوگوں سے مل کر بہت خوشی ملی۔۔۔!! ہم دور سے آئے ہیں۔۔۔!! آپ کو مزید تکلیف نہیں دینا چاہتے ہیں۔۔۔!! ہم یہاں کسی ہول میں قیام کر لیں گے۔۔۔!!“

”نہیں۔۔۔!! بیٹا کسی باتیں کرتی ہو۔۔۔!! یہ آپ کا اپنا گھر ہے۔۔۔!! جب تک جی چاہے۔۔۔!! آپ ٹک سکتی ہیں۔۔۔!! بلکہ اب تو آپ کا مستقل آنا جا رہا ہے گا۔۔۔!! ہمارے علاوہ آپ کا دوسرا کون ہے؟“

”نہیں چچی جان۔۔۔!! آپ کو رحمت ہوگی۔۔۔!! ہم کسی ہول میں رک جاتے۔۔۔!!“

”کوئی رحمت نہیں ہوگی۔۔۔!! آپ تو سالوں بعد آئی ہیں۔۔۔!! آپ تو ہماری خاص مہمان ہیں۔۔۔!!“ وہ سب گھر کے اندر داخل ہو گئے۔ چچا جان تو وکیل صاحب کے ساتھ ہی قبرستان سے چلے گئے۔ اب تو دکھائی بھی نہیں دیئے۔ بس چچی جان، اور ان کی بیٹی ہی ان کے ساتھ قبرستان گئی تھی۔ بانی دوڑ کے بھی دکھائی نہیں دیے تھے۔

”اب آگے بھی آتی جاتی رہوں گی۔۔۔!!“ نازہ نے ہلکے ہلکے انداز میں بتایا۔

”ویسے چچی جان۔۔۔!! آپ نے اپنے بچوں کا تعارف ابھی تک نہیں کروایا؟“

”ہاں۔۔۔!! میرے ماشاء اللہ چار بچے ہیں۔۔۔!!

انیل کی شادی ہو چکی ہے۔۔۔!! یہ شہیلہ ہے۔۔۔!! اس کے بعد نیل ہے، اور پھر ہارون۔۔۔ ہارون ہم سب کا لاڈلہ ہے۔۔۔!!“

”بہت پیارا نام ہے۔۔۔!! مجھے اپنے کزنز سے ملنے کا بہت شوق تھا۔۔۔!! یہاں آکر پورا ہو گیا۔۔۔!!“

”ہاں۔۔۔!! شام کو تم سے سب ملیں گے۔۔۔!! میرے بچے تم سے انجان ہیں ناں۔۔۔!! اس لیے گھر سے باہر نکل گئے ہیں۔۔۔!! البتہ یہ شہیلہ تم سے مل کر کتنی خوش لگ رہی ہے۔۔۔!! اس کی تم کی کیکلی بن گئی ہو۔۔۔!!“

”تمہیں تو تمہارا ماموں لے گیا تھا؟ ان لوگوں کو کب چھوڑ دیا؟“ چچی جان نے ایک دم سے پوچھا۔

”میں نے نہیں چھوڑا۔۔۔!! ان لوگوں نے گیارہ مہینے پہلے گھر سے نکال دیا۔۔۔!! اب تو سنے سال کا دوسرا مہینہ بھی ختم ہو رہا ہے۔۔۔!! میں ان ظالموں کو بھلا بھی چکی ہوں۔۔۔!! بس ان کی یاد دلا کر میرے ذہن کا کریدیں۔۔۔!!“ نازہ نے جواب دیا۔

”ویسے جہہ کیا تھی؟ کیوں اتنے سال رکھ کر نکال دیا؟ کیا کوئی لڑائی جھگڑا ہوا تھا؟“ چچی جان اب کریدنے کی کوشش کر رہی تھی۔

”ہاں۔۔۔!! جہہ تھی۔۔۔!! جہہ میری شناخت تھی۔۔۔!! وہ لوگ نہیں چاہتے تھے۔۔۔!! میرا شناختی کارڈ ہوا سکتے تھے۔۔۔!! مگر نہیں بنوایا۔۔۔!! البتہ مجھے زلیل کر کے گھر سے نکال دیا۔۔۔!!“

”ممانی نے شک کر کہا تھا۔۔۔!! میرا نام بدل دینا۔۔۔!!“

”ممانی نے شک کر کہا تھا۔۔۔!! میرا نام بدل دینا۔۔۔!!“

تمہارے کھڑے ہو کر، لمبے بانس پر جالی باندھ دی تھی۔ وہ سوئنگ پول کے پانی سے درختوں کے پتے نکال رہا تھا۔

”پتے نہیں۔۔۔!! لوگ گھر میں سوئنگ پول بناتے ہی کیوں ہیں؟ جب ان میں نہاتے ہی نہیں ہیں۔۔۔!!“ شہریر نے وہ لمبا بانس ایک سائڈ پر رکھ دیا۔ اب پانی صاف نظر آ رہا تھا۔ وہ دونوں ہاتھ بغل میں دبا کر کھڑا رہا۔

”ہاں۔۔۔!! کسی کو بھی اس پول میں کبھی کودتے نہیں دیکھا۔۔۔!! بڑی میڈم کو بھی نہیں، اور نا ہی ان کے بڑے صاحب کو۔۔۔!! یہ لیسا تو فلمیں شہمیں بہت دیکھتی ہیں۔۔۔!! یہ بھی کبھی پول میں کودی نہیں۔۔۔!! اور یہ جھوٹے صاحب، اور اس کی وہ فتنی چھوٹی بہن، وہ بھی نہیں، ہاں کوئی کبھی پول میں نہیں نہایا۔۔۔!! ابویں فضول میں ہمارا کام بڑھا دیا ہے۔۔۔!!“ وہ سوچ رہا تھا۔

”آج تو میمان صاحب نے اپنی گاڑی دھلوانے کے لیے کہا تھا۔۔۔!! وہی کام پہلے کر دیتا ہوں۔۔۔!!“

”ورنہ جاگ کر گاڑی گندی دیکھے گا، تو مجھ بے چارے پر بھلا جہہ غصہ کرے گا۔۔۔!!“ شہریر نے وہاں سے سیدھے جا کر گیراج کا رخ کر لیا۔ میمان نے رات کو ہی اسے چالی دی تھی۔ اس کو گاڑی دھلوانے کا کہا تھا۔ اس نے جب سے چالی نکال دی۔ اور گاڑی میں بیٹھ گیا۔ اب وہ گاڑی گیراج سے نکال چکا تھا۔ گھر کے گیٹ کے پاس پاپ بڑا تھا۔ اس نے پانی کی موٹر آن کر لی۔ اور پاپ سے پانی کا دھار بننے لگا۔ اب وہ کار کے اوپر پاپ سے پانی گرانے لگا۔ پوری گاڑی بھگو کر، اس نے پاپ بند کر دیا۔ اب وہ برش سے گاڑی کے نائز صاف کر رہا تھا۔ کچھ دیر بعد، اس نے سرف نکال کر گاڑی پر ملنا شروع کر دیا۔ اب وہ کپڑے سے گاڑی کو گزر رہا تھا۔ جاگ بن رہا تھا۔ اس کوشش میں، اس نے اپنے آپ کو اچھا خاصا بھگولیا تھا۔ لیسا اندرونی گیٹ سے باہر آ گئی۔ اس نے منہ پر آئی جمائی روکی۔ اور آنکھیں کھول کر اس کی طرف دیکھنے لگیں۔ وہ گاڑی جوڑنے میں اس قدر مگن تھا۔ وہ بھاگ کر اس کے پاس آ گئی۔ اسے اپنے پاس لپیٹا

کے آنے کی خبر تک، ناہوکی۔ گاڑی کے لوہے اور اس کے ہاتھوں میں بے تھک جھاک بن چکا تھا۔ لیسا نے اپنا آنی فون نکال کر اس کی چھوٹی سی ریڈیو بھنگی۔ پوری گاڑی سرف سے بھر چکی تھی۔ جس کے کو بھجوا تھا۔ شہریر نے موٹر کی مشین لگانے کے مڑنا چاہا۔ اور وہ ایک دم سے لیسا کو اپنے قریب دیکھ کر حیران رہ گیا۔

”لیسا بانی جی۔۔۔!! وہ بھٹک کر آیا۔۔۔!!“ شہریر نے۔۔۔!! کاش کے یہ وقت ختم جائے۔۔۔!!

”ہم تم بس یہاں ہمیشہ کے لیے رہ جائیں۔۔۔!! اور پانی پوری دنیا فنا ہو جائے۔۔۔!! ہمارے علاوہ یہاں کوئی ناہوں۔۔۔!!“ وہ اس سے چند قدم دور تھی۔ وہ چلتی ہوئی اس کے پاس آ کر کھڑی ہوئی۔ اب وہ ایک نٹ کے فاصلے پر ہو گئی۔

”لیسا بانی جی۔۔۔!! آپ ابھی نہیں جاگ پائی۔۔۔!! لگتا ہے۔۔۔!! خوب میں ہیں۔۔۔!!“ وہ کچھ آگے بڑھی کہنے لگا تھا۔

”نہیں۔۔۔!! میں کچھ دیکھائی نہیں چاہتی ہوں۔۔۔!! خواہوں میں نہیں دیکھتی ہوں۔۔۔!! ذیلیوں میں تمہیں پانی ہوں۔۔۔!! کیسے جاگ جاؤں۔۔۔!! شہریر ہی ایسا چڑھا ہے۔۔۔!! کچھ اور سوچتی ہی نہیں ہوں۔۔۔!!“

”لیسا جی۔۔۔!! یہ کیلرڈ میت محبت نہیں ہوتی ہے۔۔۔!! اجائی ہوتی ہے۔۔۔!! اگر کسی کو اس کی بھٹک بھی پڑ جائے، تو بڑی بربادی لاتی ہے۔۔۔!!“ وہ اسے ایک بار پھر سے سمجھانے لگا۔

”تمہیں برباد ہونے نہیں دوں گی۔۔۔!! تم برباد ہونے سے کیوں ڈرتے ہو؟ تم صرف میری محبت کو قبول کر کے دیکھ لو۔۔۔!! تمہیں سونے کی طرح خالص بنا دوں گی۔۔۔!!“ وہ پانی کا موٹر لگانے کے لیے جانے لگا۔ لیسا نے اس کو بازو سے پکڑ لیا۔

”ابھی تم نے جواب نہیں دیا۔۔۔!!“

”میں جواب دے چکا ہوں۔۔۔!! میرا جواب آج بھی وہی ہے۔۔۔!!“

”وہ مجھے قبول نہیں۔۔۔ میں نے تمہیں سوچنے کا موقع دیا تھا۔۔۔! یقیناً تم سوچ چکے ہو گے۔۔۔! اور جواب میرے حق میں ہو گا۔۔۔!“

”تم زرا اپنی محبت کا اظہار اپنے گھر والوں کو بھی کرو۔۔۔!“ سب کو بتا دو۔۔۔! تمہارے دل میں کون ہے؟“

”پہلے تم مان جاؤ۔۔۔! پھر پوری دنیا کو بتا دوں گی۔۔۔!“ لیہا نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ اس کے چہرے پر ہوا سیاں اڑنے لگیں۔

”تم مذاق کر رہی ہو ناں۔۔۔!“ شہریز نے، اس کی طرف سنجیدگی سے دیکھنا شروع کر دیا۔

”نہیں تو۔۔۔! محبت کو مذاق بول کر، اس کی توہین نہیں کرتے ہیں۔۔۔!“ لیہا ڈھٹ گئی تھی۔

”اچھا۔۔۔! ابھی تو مجھے پانی کی موٹر لگانے دو۔۔۔! گاڑی پر جھاگ پڑی ہے۔۔۔!“ وہ جانے لگا۔ اس نے موٹر لگانی۔ پائپ سے پانی بننے لگا۔ لیہا نے پائپ اٹھائی۔ اور پائپ پر انگلی سے دباؤ ڈال کر، پھوار کی مانند گاڑی پر گرانے لگیں۔ شہریز اسی طرف آ رہا تھا۔ لیہا نے پائپ ایک دم سے اس کی طرف کر دیا۔

”لیہا جی نہیں۔۔۔!“ وہ پانی سے بچنے کے لیے سائیڈ پر ہوا۔ لیہا نے پھوار اسی طرف کر دی۔ اب وہ بھیگ رہا تھا۔ اور لیہا کھلکھلا کر ہنس رہی تھی۔ وہ پانی میں بھیٹتا ہوا اس کے پاس آیا۔ اس نے جھپٹ کر لیہا کے ہاتھ سے پائپ لے لیا۔ اور بے ساختہ اس پر پانی گرانے لگا۔

”شہریز۔۔۔! ان نہیں۔۔۔!“ وہ بھاگ اٹھی۔ پانی کے چھینٹوں سے خود کو بچاتی ہوئی بھاگنے لگی۔ شہریز نے گاڑی پر پانی گراتا شروع کر دیا۔ لیہا پھر سے اس کے پاس آ گئی۔ شہریز نے پھر سے اسے بھگانے کے لیے، پائپ سے پانی اس پر گراتا شروع کر دیا۔ اس بار لیہا نہیں بھاگی۔ اب وہ اس کے ساتھ گاڑی دھونے لگیں۔ کچھ دیر میں دونوں بری طرح سے بھیگ چکے تھے۔ کچھ دیر بعد، لیہا گھر کے اندر چلی گئی۔ احسان کا کانٹا اپنے کپکپ سے دونوں کو دیکھا۔ اور کانٹوں کو ہاتھ لگا دیے۔

”اللہ۔۔۔! یہ کیا چکر ہے؟ اگر بڑے صاحب کو پتہ چل گیا۔۔۔! تو وہ شہریز کا قیصر بنادے گا۔۔۔!“ وہ پریشان ہو گیا۔

☆ ☆ ☆
دو پہر کے کھانے کے بعد، میمان موقع پا کر عادل صاحب، اور فرحت بیگم کے پاس آ گئے۔ وہ دونوں میمان کو اپنے کمرے میں دیکھ کر معنی خیزی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگیں۔

”ڈیڈی۔۔۔! اب آپ کی طبیعت کبسی ہے؟“ عادل پلنگ کے محراب سے ٹپک لگائے تھے۔ جبکہ فرحت بیگم دمھنے پر پرتھی ہوئی تھی۔

”اب میں بہتر ہوں۔۔۔!“ عادل صاحب نے نرمی سے بتایا۔

”مئی ڈیڈی۔۔۔! مجھے آپ دونوں سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔۔۔!“ فرحت بیگم کا دل دھڑکنے لگا۔ وہ صوفے سے اٹھ کر میمان کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔

”جی۔۔۔! کیا کہنا چاہتے ہوں؟ یقیناً تم کوئی اچھی بات سناؤ گے۔۔۔! بزنس میں کوئی بہت بڑی کامیابی ملی ہوگی۔۔۔!“

”مئی۔۔۔! پلیز آپ مجھے کہنے کا موقع تو دیں۔۔۔! کامیابی تو وقت کے ساتھ ہی ملتی ہیں۔۔۔!“

”ہاں۔۔۔! کیا بات ہے؟ میمان۔۔۔! پلیز، ایسی کوئی بات مت کرنا۔۔۔! جو تمہارے ڈیڈی کے دل پر گراں گزرے۔۔۔! تمہیں پتہ ہے۔۔۔! یہ ہارٹ پیٹنٹ بن گئے ہیں۔۔۔!“

”ہاں۔۔۔! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔۔۔! امی ڈیڈی۔۔۔! آپ دونوں ایک ساتھ بیٹھ جائیں۔۔۔! مجھے آپ دونوں سے بات کرنی ہیں۔۔۔! یہ میری خوشی کی بات ہے۔۔۔!“ اس نے اپنی ماں کا ہاتھ تھام کر، اسے اپنے باپ کے بالکل ساتھ بٹھا دیا۔ فرحت بیگم جس بات سے ڈرتی تھی۔ آج وہی بات میمان ان سے کہنے والا تھا۔ وہ عادل کے ساتھ بیٹھ تو گئیں۔ مگر اس کا دل ہول

اٹھا۔۔۔! ”مئی ڈیڈی۔۔۔! میں ایک لڑکی سے بہت محبت کرتا ہوں۔۔۔! پلیز آپ دونوں کو مل کر میرا رشتہ لے جائیں۔۔۔! اور نہ۔۔۔! میں اسے ہمیشہ کے لیے گودوں گا۔۔۔! میری محبت آپ لوگوں نے مجھے مل کر دلائی ہوگی۔۔۔!“ فرحت بیگم کے چہرے کے ہر اترت ایک دم سے زرد پڑ گئے۔ مگر اس نے ہونٹوں پر سکہاٹ سجادی۔ صاف پتہ چل رہا تھا۔ اس کے چہرے سے اسے یہ بات بالکل بھی پسند نہیں آئی۔ عادل صاحب اور فرحت بیگم ایک دم سے چپ ہو گئے تھے۔

”ہاں۔۔۔! لے جائینگے۔۔۔! آپ ہمیں اس لڑکی کے گھر کا پتہ بتادیں۔۔۔! میرا بیٹا اتنا پیارا ہے، وہ لوگ کبھی انکار نہیں کریں گے۔۔۔! اور یہ تو خوشی کی خبر ہے۔۔۔!“ فرحت بیگم نے، پیار سے کہہ کر اس کے چہرے پر ہاتھ رکھا۔

”مئی۔۔۔! پو آ کر ریٹ۔۔۔! میں ابھی آپ کو پتہ بتا رہا ہوں۔۔۔!“ وہ کہہ کر اس کے گلے جا لگا۔ عادل صاحب نے ایک دم سے اپنا دل پکڑ لیا۔ فرحت بیگم نے اس کی طرف دیکھ کر کئی میں اسے ایسا کرنے سے منع کر دیا۔ اس نے ہاتھ ہٹا لیا۔

”میں ابھی لا کر آپ کو ایڈریس دیتا ہوں۔۔۔!“ وہ خوشی سے کہہ کر کمرے سے باہر چلا گیا۔ عادل صاحب نے فرحت بیگم کو دیکھا۔ فرحت بیگم نے، ایک بہت بڑی مائس خارج کر دی۔

”عادل صاحب۔۔۔! ابھی آپ کو اپنے دل پر ہاتھ رکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔۔۔! ابھی تو ہمیں اس لڑکے کے دل پر ہاتھ مارنے کی ضرورت ہے۔۔۔!“

”بیگم۔۔۔! جس کا ڈر تھا۔۔۔! وہی ہوا۔۔۔! اس نے دل کی بات کہہ دی۔۔۔!“

”کچھ نہیں ہوا۔۔۔! ہم اس کے ماں باپ کو۔۔۔! ایسا کھیل پلٹائیں گے۔۔۔! اس کو کچھ سمجھ نہیں آئے گا۔۔۔! اس کے ساتھ ہوا کیا ہے؟ ابھی تم دیکھیں جو جاؤ۔۔۔!“

”ٹھیک ہے۔۔۔! اتم سوچ لو۔۔۔! لڑکا ہے۔۔۔! کہیں کوئی غلط قدم نہ اٹھالے۔۔۔! جذبہ بانی بھی ہے۔۔۔! ناگزیر وہاں معاملہ تو تمہیں یاد ہو گا۔۔۔!“

”نہیں اٹھائے گا۔۔۔! اس ایک بار یہ اس لڑکی کے گھر کا پتہ بتاؤ۔۔۔! پھر میں اس کی ساری عاشقی ناک کے رستے نکال باہر کر دوں گی۔۔۔! ہنر کے معاملے میں، میں نے جلد بازی سے کام لیا تھا۔۔۔! اب ایسا نہیں ہو گا۔۔۔!“ فرحت بیگم فصر میں ناگ کی مانند پھنکار رہی تھی۔

”اچھا۔۔۔! ابھی چپ کر جاؤ۔۔۔! کہیں سن نالے۔۔۔! اور بولوں کے بھی کان ہوتے ہیں۔۔۔!“

وہ دونوں خاموش ہو گئے۔ کچھ دیر خاموشی سے گزری۔ اچانک کمرے کا دروازہ کھلا۔ میمان اندر داخل ہو گیا۔ اس نے مہکاش کا ایڈریس ان کو دیا تھا۔ مہکاش نے اسے سمجھ بھولا دیا تھا۔ جیسے میمان کو بہت زیادہ جلدی ہو اس نے فرحت بیگم کے کمر پر ایڈریس کا بیج ڈال دیا۔ فرحت بیگم ایڈریس کو دیکھتی رہیں۔ مگر بہت اچھے علاقے میں تھا۔ مگر اس کا دل ہول رہا تھا۔

☆ ☆ ☆
دیکھ! احسان احمد نے ایک دونوں میں کافی بھاگ دوڑ کر لی تھی۔ جس دن اس کے ماں باپ کو روڈ حادثہ پیش آیا تھا۔ اس کے اگلے دن والے اخبارات، کے دفاتر جا جا کر پڑنے آنے اخبار نکال لیے تھے۔ اس کو ایک دو اخبارات میں، ان کی موت والے حوالے کی خبر ایک تصویر کے ساتھ مل گئی تھی۔ اس نے اس اخبار کی فوٹو کاپی کر والی تھی۔ پھر ان ثبوت کو ساتھ لے، جا کر ہسپتال سے ان کی موت کی شہادت نکالتی۔ جس میں بہت محنت لگی اور سب سے زیادہ یہی ضروری کام تھا۔ یہ اس نے کر دیا تھا۔ اس سلسلے کے باقی سب کام اس نے کر دیا۔ سارے کاموں سے فارغ ہو کر، وہ ناگزیر اور بڑی اماں کے چچے آ گئے۔ آئے سے پہلے اس نے ناگزیر کو کال کی تھی۔ ناگزیر نے اپنا اور بڑی اماں کا سارا سامان کا بیگ نکالا۔ دونوں جوانوں نے چچے کے ہاں گزارے تھے۔ ان دونوں میں، چچا اور چچی نے ان کی

خوب آؤ بھگت کی تھی۔ نازہ نے نیل کو الگ تھلک کر کے باتوں میں باتوں میں یہ بھی جان لیا تھا۔ اور ان کے گھر میں کرائے دار رہتے ہیں۔ مگر نازہ نے کوئی پرواہ نہیں کی۔ اس نے نیل سے یہ بھی پوچھا۔ ”یہ ساتھ ملحقہ پلاٹ کس کا ہے؟ بہت پیارا ہے۔“ نیل نے شوشی سے کہا۔ ”ان کا اپنا ہے۔“ نازہ انجان بن گئی۔ اب وہ لوگ جارہے تھے۔ اس کا چچا بہت بے چین تھے۔ وہ نازہ کے ساتھ جانا جا رہے تھے۔ مگر نازہ اور بڑی اماں نے منع کر دیا۔ وہ منع تو نہیں ہو رہے تھے۔ مگر پھر جب وکیل احسن احمد نے ذرا سختی دکھائی تو ان کو رکتا پڑ گیا۔ اب وہ سب سے اجازت لے کر نکل آئے۔ وہ ان کے پیچھے بہت بے سکون لگ رہے تھے۔

”بیٹا نازہ۔۔۔ میں تمہارے باپ کی جگہ ہوں۔۔۔ ہر دکھ سکھ میں تمہارے ساتھ ہوں گا۔۔۔“ کسی بھی چیز کی ضرورت ہو۔۔۔ بلا جھگ مجھے یاد کر لینا۔۔۔ میں بھاگ کر آؤں گا۔۔۔“ چچا جان بھولے ناما رہے تھے۔

”چچا جان۔۔۔ آپ بے فکر رہیں۔۔۔ میرا کام جیسے ہی ہو جائے گا۔۔۔ آپ کو سب سے پہلی کال کروں گی۔۔۔ آپ مجھے کبھی نہیں بھلا پائیں گے۔۔۔“ ”جتنی رہو سلامت رہوں۔۔۔ اسدا خوش آباد رہو۔۔۔“ نازہ نے سامان کا بیگ نکال کر گاڑی میں رکھا۔ کچھ جوڑے چچی نے ان دونوں کو دیے تھے۔ وہ دونوں گاڑی میں بیٹھ گئیں۔ چچا چچی ساتھ کھڑے ان کو الوداعی نگاہوں سے دیکھتے رہے۔

”روشان صاحب۔۔۔ اگر واقعی میں یہ لڑکی کر رہی ہے۔۔۔ میں چاہتی ہوں۔۔۔ لگے ہاتھوں اپنے نیل سے اس کی شادی کی بات چالوں۔۔۔“ مگر پہلے تم سے بات نہیں کر سکتی تھی۔۔۔ اس لیے خاموش پڑ گئی۔۔۔ اور نہ بڑی بی سے یہی کہنا رہ گیا تھا۔۔۔“

”چپ کر نیک بخت۔۔۔ اللہ کرے۔۔۔“ جلد سے جلد یہ لڑکی، ہماری محبت میں گم ہو کر سارے پیسے ہمیں دے دیں۔۔۔ ابھی ایسا کچھ مابول کہ معاملہ خراب

ہو جائے۔۔۔ جب بیٹاشادی کے سب کچھ ہمارے ہاتھوں میں مسکین سے کیوں شادی ہو؟ اور اگر یہ اپنا وعدہ بھلا دیتی ہے تو پھر تیرے مشورے پر عمل کر سکتا ہے۔۔۔“

”روشان صاحب۔۔۔ آپ نے اس لڑکی سے ہونے نہ تو لے لیا تھا۔۔۔“

”ہاں۔۔۔ اس کے وکیل اور لڑکی دونوں کے نمبر میرے پاس ہیں۔۔۔ ایک دو دن بعد اس کو کال کرتا ہوں۔۔۔ اس تم پیسے ملنے کی دعا کرو۔۔۔“ ”تم سے ہمارے عیش ہو جائیں گے۔۔۔ پھر جب ہم امیر ہو جائیں گے۔۔۔ نیل کی شادی میں بہت اونچے لوگوں میں کروں گا۔۔۔“ وہ دونوں گھر کے اندر چلے گئے۔ چچی نے مزے سے سر اثبات میں ہلایا۔ اب ان کی گاڑی اس شہر سے جارہی تھی۔ جو کراچی میں ہی تھا۔ پھر سے سفر شروع ہو چکا تھا۔

☆ ☆ ☆

وکیل احسن احمد نے اگلے کچھ دنوں میں کمال کر دکھا تھا۔ بینک میں سے پالیسی کے سارے پیسے نازہ کے نام لگو کر اس کے اکاؤنٹ میں ڈلوادیے تھے۔ نازہ اور وکیل احسن احمد کو اس سلسلے میں بھی کافی بھاگ دوڑ کرنی پڑی تھی۔ اور دوسرا ہم کام، جوان دونوں نے کیا تھا۔ دو چچا اور چچی کے خلاف پولیس اسٹیشن اور عدالت میں، جائیداد پر ناجائز قبضہ کرنے کے خلاف کیس کر دیا تھا۔ عدالت سے سمن جاری ہو چکا تھا۔ اور پولیس بھی عدالتی حکم پر ان کے ساتھ آج چلی آئی تھی۔ بڑی سی گاڑی میں بیٹھ کر، نازہ وکیل احسن احمد کے ساتھ، چچا چچی کے گھر جارہی تھی۔ ان چند دنوں میں، روشان خان چچا نے نازہ کو بار بار لکھنے کی کوششیں کیں۔ مگر نازہ نے جو نمبر دیا تھا۔ وہ ای روڈز نے سم نکال کر بند کر دیا تھا۔ روشان چچا نے کئی مختلف نمبرز سے، نازہ کا نمبر ڈائل کیا۔ مگر نمبر آن ناہو۔۔۔ البتہ وکیل احسن احمد کا نمبر مسلسل آن تھا۔ اس سے جب بھی رابطہ ہوا۔ اس نے بہت اچھے سلیتے سے بات چیت کی اور اس کے چچا کو یقین دہانی کرائی۔ وہ کچھ دنوں بعد آنا چاہ رہے

ہیں۔ مگر چچا زیادہ تر نازہ کی خیر خیریت پوچھنے کے بعد ہیوں کے معاملے کا پوچھتے۔ وکیل احسن احمد نے ان یقین تو دلوا دیا تھا۔ پیسے نازہ کو مل جائیں گے۔ اور یہی سچ ہی تھا۔ نازہ کو وہ سارے پیسے مل گئے۔ آج وہ اپنے چچا کے گھر اس لیے جارہی تھی۔ ان کو وارن کرنے، ان سے ہاتھ خالی کروانے، بڑی اماں آج نہیں آئی تھی۔ اسے وکیل جھڑوں سے انجمن محسوس ہوتی تھی۔ وکیل احسن احمد نے چچا رویشان خان کو کال کیا تھا۔ ان کو انعام کر دیا تھا۔ ہر ایک کچھ دیر میں پہنچنے والے ہیں۔ اور ان کے لیے بہت بڑا سر براہ ہیں۔ ان کے ساتھ، مقامی تھانے کے پولیس موہٹل بھی تھی۔ نازہ کے پاس کاغذات کے فائلز تھیں۔ جو نوٹو کاغذ تھی۔ وکیل احسن احمد نے اصلی کاغذ پولیس کو دکھا کر، واپس نازہ سے بینک کے لاکر میں رکھوا دیے۔ تھے گاڑیاں رک جاتی تھی۔ احسن احمد نے گھر کے بیرونی قہنی پر ہاتھ رکھ دیا۔ گھنٹی بجتی رہی۔ کچھ دیر بعد، نیل نے نازہ کو کال دیا۔ وکیل صاحب کو دیکھ کر خوش دلی سے اس سے مصافحہ کے لیے آگے بڑھے۔ احسن نے گرم جوش سے اس سے ہاتھ ملایا۔

”بیٹا۔۔۔ رویشان صاحب کو باہر بلوا دینا۔۔۔ ان کے مہمان آئے ہیں۔۔۔“ نیل نے پیچھے پولیس موہٹل دکھی۔ تو وہ جلدی سے گھر کے اندر چلا گیا۔ اس کے چہرے پر ہوا سیال اڑ رہی تھی۔ کچھ دیر بعد، رویشان صاحب باہر آ گئے۔ اس نے وکیل احسن احمد کو دیکھا۔ اور گرم جوش سے اس کی طرف بڑھے۔

”آئیے آئیے۔۔۔ اللہ آپ کے قدم ہمارے لیے مبارک کرے۔۔۔ آپ یقیناً ہمارے لیے، اچھی فرمائے ہیں۔۔۔“ نازہ گاڑی میں بیٹھی تھی۔ احسن صاحب کے ہونٹوں پر طشیر یہ مسکان دوڑ گئیں۔ نازہ نے گاڑی کا شیشہ نیچے کیا۔

”ارے ہماری نازہ بیٹا بھی آئی ہیں۔۔۔ جم جم آؤ۔۔۔ بیٹا گاڑی سے باہر آ جاؤ۔۔۔ تمہاری چچی جان انتظار کر رہی ہیں۔۔۔ جلدی سے اندر چلی جائو۔۔۔“

”جی نہیں۔۔۔ رویشان صاحب۔۔۔ نازہ آپ لوگوں سے ملے نہیں، بلکہ آپ لوگوں پر جو کر دی کا کیس دائر کر کے آئی ہے۔۔۔ اور یہ پولیس اس سلسلے میں آج یہاں آئی ہے۔۔۔ آپ لوگ پہلے ہماری بات کان کھول کر سن لیں۔۔۔ اس کے بعد یہ جھوٹی عبت دکھائیں۔۔۔ احسن احمد نے لہجہ بدل دیا۔

”گگ کیا مطلب وکیل صاحب؟ میں کچھ سمجھا نہیں۔۔۔“ ”مطلب آپ کو یہ عدالتی سمن سمجھا دے گا۔۔۔“ نازہ نے گاڑی کا دروازہ کھول کر کچا کے ہاتھ پر عدالتی کاغذ رکھا۔

”بیٹا میں کچھ سمجھ نہیں پا رہا ہوں۔ یہ سب کیا ہے؟“ رویشان صاحب کے ہاتھ پاؤں جیسے پھول گئے۔ مگر اس نے خود کو مضبوط رکھا۔ پولیس کا آواز بھی نکل کر باہر آ گیا۔

”آپ رویشان خان ہیں؟“ اس نے ہمبیر انداز میں، سوال دانہ رویشان صاحب نے اثبات میں سر ہلایا۔ ”آپ جس گھر میں رہتے ہیں۔۔۔ اور جو پلاٹ آپ کے گھر کے ساتھ ہے۔۔۔ اسے نازہ کا ہے۔۔۔ یہ اس کے باپ کے نام پر ہے۔۔۔ اس لیے جلد از جلد یہ گھر اور پلاٹ خالی کر دیں۔۔۔ انہیں تو ہمیں زبردستی خالی کرانا پڑے گا۔۔۔ پولیس اسٹیشن پر رویشان خان کو ہر تاجیر دیکھا۔

”نہیں۔۔۔ ایہ گھر ہمارا اپنا ہے۔۔۔ ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ ہم سالوں سے اس گھر میں رہتے ہیں۔۔۔ یہ کل کی آئی لو کی ایسا کیسے کر سکتی ہے؟“ وہ جیسے غصہ کنٹرول کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

”چچا جان۔۔۔ آپ کے پاس اس گھر اور پلاٹ کے کاغذ ہیں؟ جس میں آپ سالوں سے رہتے آ رہے ہیں؟“ نازہ نے آگے بڑھ کر سوال دانہ۔ اب رویشان خان کے چپے جھوٹ گئے۔ وہ غصے سے نازہ کی طرف دیکھتے رہے۔ اس سے پہلے وہ کچھ کہتے۔ نازہ نے کہا۔

”یہ گھر میرے باپ کے نام پر ہے۔۔۔ اور ان کے جانے کے بعد میرا ہے۔۔۔“ نازہ نے غصے سے بتایا۔

”نازہ بیٹا، پر تمہارا باپ میرا بھائی ہے۔۔۔ اور بھائی کا بھائی پر حق ہوتا ہے۔۔۔ ہمارے باپ دادا کی کمانی پر تم کیلئے وراثت کا دعویٰ کر سکتی ہوں؟“ جی نہیں چچا جان۔۔۔ میرا باپ تمہارا بھائی تھا۔۔۔ اور بھائی کا بھائی پر نہیں، بیٹے کا باپ پر حق ہوتا ہے۔۔۔ یہ گھر میرے باپ کے نام پر ہے تو اس کا یہی مطلب نکلا ہے۔۔۔ یہ گھر میرے بابا نے اپنے کمانی سے بنوایا تھا۔۔۔ اگر یہ گھر دادا جان کے نام ہوتا۔۔۔ تو آپ کا اس پر پورا پورا حق ہوتا۔۔۔ یقیناً آپ نے دادا ابو کا آبی گھر بھی ہتھ لیا ہوگا۔۔۔“ چچی جان اور اس کے بچے بھی گھر کے گیٹ تک آگئے۔ جب اس نے نازہ کے خیالات سنیں۔ تو وہ تمام لحاظ بھول کر گھر سے باہر نکل آئی۔

”اے لڑکی زبان سنبھال کر بات کر، تیرے پاس کیا ثبوت ہے؟ یہ گھر تیرے باپ کے نام پر ہے؟ کچھ دن پہلے آئی تھی مگر غریب کر دی تھی۔۔۔ میرے باپ کا پیسہ نکلا ہے، چچا باپ کی جگہ ہوتا ہے۔۔۔ تمام پیسے چچا چچی کو دے دوں گی۔۔۔ تیرے وہ وعدے کہاں گئے؟ ہمیں لوٹ کر کھانے آگئی۔۔۔ ہائے۔۔۔“ میری توجہ۔۔۔ ایسی مینسی مہکار غسان، پہلی بار دیکھی ہے، جو جیتے چچا کے حق پر دن دہاڑے ڈاکہ ڈالنے آگئی ہے۔۔۔ ہائے میری توجہ۔۔۔ وہ دھڑکا چائے نگہیں۔

”چچی جان۔۔۔ آپ تو اس معاملے میں تابی ہو لیں۔۔۔ تو اچھا ہے۔۔۔ میرے پاس ثبوت بھی ہیں۔۔۔ اور دھیمت نامہ بھی۔۔۔ کچھ دن پہلے آئی تھی۔۔۔ آپ لوگوں کی محبت میں گرفتار ہو کر، آپ لوگوں کو دیکھنے، یہی سوچنے کہ میرے بھی اپنے ہیں۔۔۔ یہ نہیں تھا۔۔۔ اسناپ ہیں۔۔۔ جو میری جائیداد پر ناگ بن کر بیٹھے ہیں۔۔۔ جس بینک کے اکاؤنٹ میں میرے ماں باپ کے پیسے نکل آئیں۔۔۔ وہی ان کے

لاکر سے مجھے کاغذات بھی مل گئے ہیں۔۔۔ اور ان گھر، اور پلاٹ کے ہیں۔۔۔ آپ جیسے فریڈیوں کو میں ایک دھیلا تادوں۔۔۔ انا اپنا حق بڑے پنے والوں کے حلق پھاڑ کر اپنا حق نکلا کر واپس لے لوں۔۔۔“

”ہائے جھوٹی مکاں، ہمارا چچا چھوڑ دے ہو جا۔۔۔ جہاں سے آئی وہی مر کھپ۔۔۔ ہائے میرے بابا۔۔۔ ماموں کو لوٹ لیا۔۔۔ اب چچا کو کوٹنے آئی ہیں۔۔۔“ چچی کا واویلہ بڑھ رہا تھا۔

”اے بی بی چپ کر جاؤ۔۔۔ یہاں والوں کھیل تماشاؤں سے فیصلے نہیں ہوا کرتے ہیں۔۔۔ جس کے پاس ثبوت ہوتا ہے۔۔۔ وہی اصل مالک ہوتا ہے۔۔۔“ انپکٹر نے گرج کر کہا۔ چچی ایک دم چپ کر گئی۔ پھر چپک کر پوچھا۔

”اس لڑکی کے پاس کیا ثبوت ہیں؟ جو یہ کہہ رہی ہے۔۔۔ وہ سچ ہے۔۔۔“ نازہ نے جلدی سے اپنے بیگ سے فائلز نکالی۔ یہ رنگین فوٹو کا بیڑ تھیں۔

”یہ ثبوت ہیں۔۔۔ ادیکھ لیں۔۔۔“ نازہ نے فائل چچی کی طرف بڑھائی۔ چچی کو کہاں لکھ پڑھت آئی تھی۔ اس نے جلدی سے منہ کھینچ تاج کر شکل لگا دی۔ اور فائلز پھاڑ پھاڑ کر چھینکتی رہیں۔ ایسا کرتے وقت کسی نے اس کو نہیں روکا۔ روشن چچا کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ دوڑ گئیں۔ اسے ایسا لگا جیسے ان لوگوں نے بازی ماری ہے۔

”اس ثبوت کی ایسی کی تھی اور کوئی ثبوت ہے؟“ چچی نے سارے پرزے ہوا میں اڑا دیے۔

”کچھ کیولیاں ہم نے بھی نہیں کھیلیں۔۔۔ ایہ اس فائل کی رنگین کا بیڑ تھی۔۔۔ ہم اتنے بھی بے وقوف نہیں ہیں۔۔۔ جو اصل فائل یہاں لے آئے۔۔۔ اور تم جیسی ان پڑھ عورت ہمارے سامنے اسے پھاڑ کر پھینک دیتی۔۔۔“ احسن احمد نے مسخرے کہا۔

”اللہ تمہارا بیڑہ غرق کر دے، منحوس لڑکی۔۔۔“ چچی جان نے چیخنا شروع کر دیا۔

”روشان خان۔۔۔ ہم آپ کو ایک ہفتے کا وقت دے رہے ہیں۔۔۔ ایک ہفتے کے اندر، اندر گھر اور

پلاٹ خالی کر دیں۔۔۔ اور نہ زبردستی جائیداد پر قبضہ کرنے کے جرم میں، تا صرف جیل جانا پڑ سکتا ہے۔۔۔“ بلکہ گاڑ زبلو کر، آپ لوگوں کو سامان سمیت باہر بھی پھینکا جاسکتا ہے۔۔۔“ احسن احمد نے روشن خان، اور چچی کو ایک وقت دھمکی دی۔

”نازہ بیٹا۔۔۔ ہم بہت غریب لوگ ہیں۔۔۔ ہم کہاں جائیں گے؟ ہمارے حال پر رحم کرو۔۔۔ ہم بے آسرا ہو جائیں گے۔۔۔ ہم تو تمہارے اپنے ہیں۔۔۔ خدا کے لیے ہمیں اس گھر سے بے دخل مت کرو۔۔۔ ہمارے بچے زل جائیں گے۔۔۔ ہمارا دوسرا کوئی ٹھکانہ بھی نہیں ہے۔۔۔“ چچی جان نے دہائیاں دیں۔ نازہ نے مسخرے سے دیکھا۔

”سوالوں پہلے، جب میرے ماں باپ مرے تھے۔۔۔ تب تم لوگوں نے کچھ ایسا میرے بارے میں سوچا تھا۔۔۔ نہیں۔۔۔ میرے ماں باپ کے گھر پر زبردستی قابض ہو گئے۔۔۔ ہمیشہ ممانی جان مجھے طعنے دیتی آئی تھی۔۔۔ اور یہ جائیداد دوسروں نے ہتھ لیا۔۔۔“

خالی ٹوٹا کو دے دیا۔۔۔ ان کو وہ خالی ٹوٹا استعمال میں تو لا تھا۔۔۔ تم سب نے مل کر مجھے برباد کر دیا۔۔۔ لیکن ہر برے کو برائی ضرور نکرتی ہے۔۔۔ اگر تم لوگ میرے ماں باپ کے جانے کے بعد، میرے اچھے پرست بن کر میری پرورش کرتے تو آج آپ لوگوں کی زندگی میں یہ دن بھی نادیکھنا پڑتا۔۔۔ سب کچھ چچا جان آپ کا ہوتا۔۔۔ میں تو بچی تھی۔۔۔ بے خبر رہتی۔۔۔ مگر نہیں۔۔۔ آپ لوگوں کا انجام تو ہوتا تھا۔۔۔ اور ہو گیا۔۔۔ ایک ہفتے کا وقت اس لیے دیا جا رہا ہے۔۔۔ تاکہ تم لوگ یہاں سے باعزت طریقے سے چلے جاؤ۔۔۔“

”نازہ بیٹا۔۔۔ تم میرے سفید بالوں کی لاج رکھ لو۔۔۔ ہم نے سالوں اس گھر کا خیال رکھا۔۔۔ اس کی مرمتیں کیں۔۔۔ اس کے رنگ روغن پر لاکھوں لڑائے۔۔۔ اس پلاٹ کو آباد رکھا۔۔۔ اس میں آبادی ہوئی۔۔۔“ پھر پودے اگائے۔۔۔ ہمارے ساتھ

ایسا ظلم مت کروں۔۔۔“ میرے بچوں سے گھر، اور مجھ سے چھت مت چھینوں۔۔۔“

”مسٹر روشن خان۔۔۔ ہمارا زمین پر سو منزلہ عمارت کیوں مانوئی جائے۔۔۔“ انہیں اس کا مالک آکر اسے سیلڈ (بند) کر دیتا ہے۔۔۔ اور آپ کہہ رہے ہیں۔۔۔ آپ نے میرے بابا کے گھر پر پیسے لگائے ہیں۔۔۔ تو آپ یہ بھی حساب لگائے۔۔۔ آپ جتنے سال اس گھر میں رہیں۔۔۔ اگر کر کے وہ کے طور پر رہتے۔۔۔ تو جتنے پیسے آپ نے لگائے ہیں۔۔۔ وہ اتنے سالوں میں لوہے کے ہوں گے۔۔۔ بلکہ اتنا میرے آپ پر واجب لاداو گئے۔۔۔ اگر حساب کتاب پر ہم آگئے۔۔۔ تو آپ میرے ترغیر دار بن جائیں گے۔۔۔“ نازہ نے روشن چچا کو جواب کر دیا۔

”انپکٹر صاحب۔۔۔ اگلے ہفتے میں یہاں آؤں۔۔۔ ان کو صاف طور پر بار بار لوں۔۔۔ مجھے یہ لوگ یہاں نظر آئیں۔۔۔ اور نہ دوسری صورت میں گاڑ زبلو کر ان کو زبردستی یہاں سے نکالنا پڑے گا۔۔۔ اور مسئلہ دلفری میں وہ تارشا بکھیں گے کہ ماری زندگی یاد رکھیں گے۔۔۔“ نازہ نے اپنی بات کہان کی تائی۔ اور گاڑی میں بیٹھ گئی۔ چچی انہم ٹیکم اس کے پاس دوڑ کر آگئی۔

”ہمیں نکلا کر اس گھر میں تم بھی نہیں رہیں پاؤ گی۔۔۔ اور بسے آگئی۔۔۔ ہم نہیں اتنا تنگ کریں گے۔۔۔ خدا کی قسم یہ جگہ چھوڑ کر بھاگ جاؤ گی۔۔۔“ وہ چیخی۔ نازہ جو گاڑی کا شیشہ نیچے کر رہی تھی اس نے چچی کی طرف مسخرے سے دیکھا۔

”یہاں بسنا چاہتا ہوں کون ہے؟ میں تو یہ گھر اور پلاٹ بہت جلد بیچ دوں گی۔۔۔ اور اگر مجھے کچھ بھی ہوں۔۔۔ تو میں آج ہی پولیس میں رپورٹ کھولواؤں گی۔۔۔ اس کی ذمہ داری آپ لوگوں پر عائد ہوگی۔۔۔ دوسری اہم بات، میں نے اسے دسکل سے پہلے سے بات کر رکھی ہے۔۔۔ مجھے کچھ بھی ہونے کی صورت میں، میری جائیداد اور ٹرسٹ کو لاٹ ہو جائے گی۔۔۔“ چچی

اب بھی ولایت چارہ تھی۔ تازہ کی باتیں سن کر اسے گہری چپ لگ گئی۔ اب انیسویں صدی کا دور تھا۔ وکیل احسن صاحب تازہ کے پاس آئے۔

”وکیل صاحب چلیں۔۔۔! یقیناً یہ لوگ سمجھدار ہوں گے۔۔۔! سمجھ چکے ہوں گے۔۔۔! وکیل صاحب اب انیسویں صدی کے پاس گئے۔ اس سے کچھ کہا۔ انیسویں صدی نے بات کہی۔ اور پھر ان کو کھلی دھمکی دی۔ ایک ہفتہ انگلیوں پر گھونوا۔ اب گاڑی روانہ ہو رہی تھی۔ تازہ ہنس رہی تھی۔ کچھ دیر بعد پولیس مو بائیل بھی جا رہی تھی۔

”ہائے۔۔۔ ہائے۔۔۔! ہم تو لٹ گئے۔۔۔! برباد ہو گئے۔۔۔! کل کی چھوڑی وکیل عاشق کے ساتھ آئی۔۔۔! ہمیں قانون پڑھا گئی۔۔۔! اور اس سانپنی کو اپنے گھر میں رکھ۔۔۔! کیسا ہر چیز پر دعویٰ بول دیا۔۔۔! پائے اپنے ماں باپ کے ساتھ یہ آفت بھی مری جانے چاہیے تھی۔۔۔! ہائے کیسی میٹھی چھری بن کر آئی تھی۔۔۔! میرے ماں باپ کے کاروبار کے پیسے نکلے ہیں۔۔۔! سب آپ کو دوں گی۔۔۔! کیسے بے وقوف بنایا۔۔۔! اللہ میری توبہ۔۔۔! اللہ تو اس بلا کو ہم سے دور بھیج دے۔۔۔! چچی جان چیخ چیخ کر آسمان پر اٹھا چکی تھی۔

”بس کر۔۔۔! اندر چل۔۔۔! اس لڑکی نے تو ہمیں دن میں تارے دکھا دیے ہیں۔۔۔! میں مان ہی نہیں سکتا ہوں۔۔۔! ایک عرصے سے مجھے ان کاغذات کی تلاش تھی۔۔۔! مجھے نہیں ملے۔۔۔! اسی کو مل گئے؟“ روشن خان نے بیوی انجم کا ہاتھ تھاما۔ اور اندر چل پڑا۔

”ہائے۔۔۔! کتنی مرتبہ کہا تھا۔۔۔! جا کر کاغذات ڈھونڈ، کچھ جگا کر کسی وکیل سے کہلو کر، نئے کاغذ بنوا۔۔۔! پر تمہاری سستی نے ہمیں یہ دن دکھایا دیا۔۔۔! ہائے ہم تو لٹ گئے، برباد ہو گئے۔۔۔!“

”بیگم۔۔۔! میں جتنی بھی کوشش کر لیتا۔۔۔! وکیل نہیں بنوا سکتا تھا۔۔۔! اصل اصل ہوتا ہے۔۔۔! اس کے ماں باپ نے کاروبار کرنے کے لیے بینک کو پیسے

دے دیے تھے۔۔۔! اتنے چالاک مفت تھے۔۔۔! آج وہ کروڑ روپے بھی اسے مل گئے، اور ہماری جائیداد بھی ہتھی گئی۔۔۔! اسے کہتے ہیں۔۔۔! سوا میر۔۔۔! مجھے کبھی پتہ ہی نہیں چل سکا۔۔۔! اس نے غیرت نے کاغذات بینک کے لاکر میں رکھوا دیے ہیں۔۔۔!“

”ایسے کیسے اس دو ٹکے کی لڑکی کو سب کچھ مل جائے گا؟ میں اس کو اپنا گھر اور پلاٹ بڑے نہیں دوں گی۔۔۔! انجم بیگم رونے لگیں۔

”بیگم رونے دھونے سے کچھ نہیں ہوگا۔۔۔! لڑکی بڑی تیز ہے۔۔۔! کیسے ہفتے پہلے آکر یہاں رہی۔۔۔! ہمیں جھٹک بھی ناپڑنے دی۔۔۔! اتنی بڑی بات ہو گئی۔۔۔! ہمارے ساتھ تو ہاتھ ہو گیا۔۔۔! لینے کے دینے پڑ گئے۔۔۔! ہائے۔۔۔! روشن خان صاحب کا غم ہی کم نہیں ہو رہا تھا۔ ان کے بیٹے بھی پریشان ہو گئے۔ سالوں تک وہ جس مکان کو جس پلاٹ کو اپنا سمجھ رہے تھے۔ وہ ان کا تھا ہی نہیں۔ سالوں پہلے کیسے عدنان خان، اور عروسہ بیگم کے مرنے کے بعد، سب کچھ اپنے قابو میں کر لیا تھا۔ ان کا گھر، پلاٹ، باقی نقد روپے، جو کچھ گھر میں تھا۔ سب پر قابض ہو گئے۔ ان کی گاڑی ہتھیائی۔ تازہ کو رکھنے کو تیار ہی نہیں تھے۔ کیسے جھوٹے موٹے آنسو بہائے، عدنان خان پر لاکھوں کا قرض تھا۔ گھر کرائے کا تھا۔ جو کاروبار اس نے سیٹ کیا تھا۔ اس پر بھی روشن خان نے قبضہ کر لیا۔ تجربہ ماہوں نے بنا پر ڈوبا دیا۔ آج مکافات عمل بن کر سب اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ تازہ ہوا کے جھونکے کی مانند ان کی زندگی میں آئی۔ اور دیکھتے ہی طوفان بن کر سب کچھ جس جس کر گئی۔

☆ ☆ ☆

عادل صاحب فون پر مصروف تھے۔ اس کے قریب ہی اس کی بیوی بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ کسی کتاب کو پڑھ رہی تھی۔ مگر اس کا ذہن شوہر کی باتوں کی طرف لگا تھا۔ کتنے دن گزر چکے تھے۔ ان دونوں نے میدان کو کافی ٹالا تھا۔ آج پھر میدان کچھ دیر پہلے ان سے مہکاش کے گھر رشتہ لے جانے کی بات کر رہا تھا۔ اس سلسلے میں عادل صاحب نے

”ہیلو۔۔۔! فرقان صاحب۔۔۔! میں نے آپ کو کافی سالوں بعد یاد کر لیا ہے۔۔۔!“ اب وہ دوسری طرف بات سن رہا تھا۔ جسے فرقان کچھ کہہ رہے ہوں۔

”ہاں۔۔۔! بالکل ضروری کام پڑ گیا ہے۔۔۔!“

”آپ بہت اچھے انسان ہیں۔۔۔!“

”جی بالکل اسی ہمارے۔۔۔! ہاں میں اس کا ایڈریس بھیج رہا ہوں۔۔۔! اس کے بارے میں مجھے مکمل ڈیٹا چاہیے۔۔۔!“ اب وہ بات سننے کے لیے رک گیا۔

”ہاں۔۔۔! بالکل آپ بے فکر رہیں۔۔۔!“

لاؤنٹ آپ کے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کر دی جائے گی۔۔۔! مگر مجھے اس کے بارے میں مکمل معلومات چاہیے۔۔۔!“ عادل صاحب سمجھیر لہجہ میں بات کر رہے تھے۔

”نہیں نہیں۔۔۔! کوئی مسئلہ نہیں ہے۔۔۔!“

”بس مجھے اس لڑکی کے بارے میں کچھ شکوک ہے۔۔۔!“

وہی دور کرنا چاہتا ہوں۔۔۔!“ اب وہ دوسری طرف کی بات سن رہی تھی۔

”ہاں۔۔۔! مجھے جلد از جلد اس کے گھر باپ، ماں، گھر والوں کی ڈیٹیلز چاہیے۔۔۔! جی جیسے ہی آپ ان کی معلومات نکالیں۔۔۔! مجھے کال کر لے۔۔۔! میں انتظار کروں گا۔۔۔!“ اس نے رابطہ منقطع کر دیا۔

”عادل صاحب۔۔۔! تمہیں مہکاش کی معلومات کیوں درکار ہیں؟“ فرحت بیگم نے کتاب بند کر کے شوہر کی طرف دیکھا۔

”بیگم۔۔۔! تم ذرا صبر کا مظاہرہ کرو۔۔۔! پہلے ان لوگوں کا پتہ چل جائے۔۔۔! یہ کس ذات پات کے ہیں؟ کیسے لوگ ہیں؟ اس کا باپ دادا کیا کرتے ہیں؟ پھر میں نہیں سمجھا دوں گا۔۔۔!“

”ہاں۔۔۔! ابھی کچھ دیر پہلے تمہارا بیٹا یہاں سے اٹھ کر گیا ہے۔۔۔! اب میں مزید بہانے نہیں بنا سکتی ہوں۔۔۔! آج بھی تمہاری نام ساز طبیعت کا کہہ کر، اس کو

ٹالا ہے۔۔۔! ایک ہفتے سے ہماری دکان بند ہے۔۔۔! مزید مجھ سے یہ سب نہیں ہو سکتا ہے۔۔۔! میں بھی بور ہو گئی ہوں۔۔۔!“

”بیگم آج لڑکے کے تھوڑے کچھ کر دیں۔۔۔! آگے بڑھنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔۔۔! ہمتیں بھی قوت تھا۔۔۔! ات جتنی طبل پکڑے۔۔۔! ابھی ہجرا ہوگا۔۔۔! مگر اب نہیں۔۔۔!“ عادل نے سر ہٹک کے محراب سے ٹھکایا۔

”ہاں۔۔۔! ایک بات تو میں تمہیں بتا ہی ہوں۔۔۔! اکل مسز زیدانی کی کال آئی تھی۔۔۔! وہ لہجہ کے لیے آنا چاہتے ہیں۔۔۔! جب ان لوگوں کی کال نہیں آئی تھی۔۔۔! تو میں بھی خاموش ہو گئی تھی۔۔۔! مگر کل جب اس کی کال آئی۔۔۔! تو قی الحال تو ان کو تمہاری نام ساز طبیعت کا کہہ کر رک دیا ہے۔۔۔! ہو سکتا ہے۔۔۔! کچھ دن میں تمہاری عیادت کے لیے آجائیں۔۔۔!“ فرحت بیگم نے اس کی طرف دیکھا۔

”رشتہ تو بہت بہتر ہے۔۔۔! میں تو ہاں ہے۔۔۔! اس کا بیٹا اکل ان کے ساتھ بہت بڑے بڑے ایسپانز کا مالک ہے۔۔۔!“

”پر لہجہ نہیں مان رہی ہے۔۔۔!“

”وہ کی مان جائے گی۔۔۔! ایک دن اس کو ذرا میرے کمرے میں بھجوا دو۔۔۔! اس کی دل میں جھانک کر دیکھنا چاہتا ہوں۔۔۔! وہ کیا ہوا کرتی ہے؟“

”نہی بات تو میں بھی جانتا چلتی ہوں۔۔۔!“

”جان جاؤں گی۔۔۔! اب کے دل کے راز ایک دن وقت آنکارا کر دیتا ہے۔۔۔! چائی زیادہ دیر قید نہیں رہ سکتی۔۔۔! وہ دل کی بات بتائے گی۔۔۔!“

”ہوں۔۔۔! پر میں اتنا چارہ رشتہ اس کی کہی حیات کی نذر نہیں کر سکتی ہوں۔۔۔! وہ دونوں آپس میں دل کی باتیں کرتے رہیں۔۔۔!“

☆ ☆ ☆

عروسی کپڑے سے سجایا گیا تھا۔ قرآن کا عروسی کپڑا سے لحاف بنایا تھا۔ بڑی اماں نے قرآن پاک نکال کر تازہ کے سامنے جل میں رکھا۔ اور اسے آخری سورتیں پڑھانے لگیں۔ آخری دس سورتیں پڑھنے کے بعد ساری عورتیں تازہ کے پاس آئیں۔ اور مبارکی سلاستی کے ساتھ لائی ملائیں پہنانے لگیں۔ قرآن پاک کا ختم پورا ہو چکا تھا۔ اب سب عورتوں کے سامنے بڑی اماں نے کچھ دیر کے لیے درس دینا تھا۔ اس کے بعد ان کو طعام کھلا تھا۔ بڑی اماں نے قرآن پاک بند کر کے غلاف میں رکھا۔ پھر ان کو آنکھوں سے لگا کر چوم لیا۔ اب اس نے درس شروع کر دیا۔

☆.....☆.....☆

وقت گزرتا رہا۔ رمضان کا مہینہ آ گیا۔ بڑی اماں آج کل کچھ پریشان رہتی۔ تازہ نے بارہا ان سے پریشانی کی وجہ پوچھی۔ وہ مسکرا کر ٹال دیتی۔ ”وقت کا تقاضا ہے۔“ تازہ نے اس کو بہت پوچھا۔ مگر بڑی اماں تابتا سکی۔ تازہ اسکول سے واپس آ کر گھر کے تمام کام کرتی۔ تازہ اور بڑی اماں نے بازاروں کے چکر لگوا لگوا کر رمضان کے لیے ساری شاپنگ کر لی تھی۔ تازہ کے پاس بہت کچھ تھا۔ جو گھر کے بجائے بینک اور لا کر میں تھا۔ یوں ایک دن رمضان کا جائزہ نظر آنے کا اعلان ہو گیا۔ بڑی اماں نے تازہ کو کھٹے سے لگایا۔ اسے مبارک باد دی۔

”تازہ۔۔۔!! تمہیں رمضان بہت بہت مبارک ہو۔۔۔!!“ تازہ نے بھی اس کو مبارک دی۔

”بڑی اماں۔۔۔!! آپ کو بھی رمضان مبارک ہو۔۔۔!!“ کل سے ان کے روزے شروع ہونے جا رہے تھے۔

”کل پہلا روزہ ہے۔۔۔!! آج نماز پڑھ کر وقت پر سونا ہے۔۔۔!! کل صبح فجر سے پہلے اٹھنا ہے۔۔۔!! سحری بنانی ہے۔۔۔!!“ بڑی اماں اسے لگے لگائے کہہ رہی تھی۔

”بڑی اماں آپ بے فکر رہیں۔۔۔!! سب کام

تازہ کا کس حل ہو گیا۔ چچا چچی گھر چھوڑ کر چلے گئے۔ بڑی اماں تازہ کے لیے بہت خوش تھی۔ گھر کو تازہ نے سنبھال کر رکھا تھا۔ ایک دوا بخینیز سے بات چلا رہی تھی۔ مارکیٹ ریٹ تازہ کو معلوم تھا۔ آج کے حساب سے گھر اور پلاٹ کی قیمت کروڑوں میں تھی۔ اس لیے پر اپنی کا کام ڈاؤن چل رہا تھا اور جس علاقے میں پلاٹ اور گھر تھا۔ وہاں آج کل گھر ملنا ناپید ہو چکے تھے۔ بہت مشکل سے گھر کے لیے پلاٹ ملتا تھا۔ وہاں ہر سولت مہیا تھی۔ وکیل احسن احمد کوان کی مکمل فیس کے علاوہ بھی اچھی خاصی اماؤنٹ تازہ نے دے دی تھی۔ بڑی اماں تازہ کے لیے بہت خوش تھی۔ تازہ نے بڑی اماں کے لیے بہت ساری شاپنگ کی۔ اپنے اور اس کے لیے سفید جوڑے بازار سے خرید کر نکالے۔ بھانسنے کے لیے دے دیں۔ پھر ایک دن تازہ کا ختم پھر قرآن مکمل ہو گیا۔ بڑی اماں نے اسے قرآن پورا کر دیا۔ اس آخری کچھ سورتیں رہنے دیں۔ تازہ بہت خوش تھی۔ اس پڑوس کو پہلے سے خبردار کیا۔ کل تازہ کا ختم پھر قرآن فرقان مجید ہے۔ سب عورتوں کی دعوت ہے۔ کل گھر کو سجایا گیا۔ سنوار کر شینٹ کر اوری والوں سے کرسیاں منگوائی گئیں۔ بڑی اماں نے اس کی قرآن پاک ختم کرنے کی خوشی میں تین دیکس پکوائی۔ اس پاس گئی عورتیں بڑی اماں کی بہت قدر کرتی تھی۔ سب بیویوں کی ملائیں لائی تھیں۔ تازہ کو وہ عورتیں آکر مبارک دی تھیں۔ تازہ مسکرا کر ملتی۔ بڑی اماں اور تازہ نے سفید اجالا لباس زیب تن کر رکھا تھا۔ بڑی اماں کا پر نور چہرہ دھمک رہا تھا۔

سارا انتظام مس ماہ جبین نے سنبھال لیا تھا۔ اس کے بچے بھی آئے تھے۔ میاں بھی نیچے دیکھ بال کر رہا تھا۔ دیکھوں کی قسم دہی کرنے والا تھا۔ نیچے جو دکان دار تھے ان کو بھی مردانے میں انتظام کر کے دیا تھا۔ وہ سب بھی کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔

ساری عورتیں کرسیوں پر موجود تھیں۔ ان کے سامنے تازہ اور بڑی اماں تخت پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ تخت کو

اسماء الحسنی کامیابی کا راستہ

پریشانیوں سے چھٹکارہ
ہمارا ہر عمل دنیا کے ہر کونے میں اثر کرتا ہے

شادی کرنی ہو یا کروانی ہو
جادو چلا نا ہو یا ختم کرنا ہو

شوہر یا بیوی کی اصلاح
اولاد کا نہ ہو یا ہو کر مر جانا

گھر بیٹو نا چاقی
کاروباری بندش

جنات کا سایہ
دیگر مسائل

سید تنویر شاہ

کا پیغام جو لوگ سوچے رہتے ہیں
وہ بیشک دیکھ رہے ہیں چمکے سے چمکے کام جو مجھ سے کام لیتے

سرال میں بہو سب کی آنکھ کا تارابن سکتی ہے ہر کام رازداری کے ساتھ
کام الہی سے ہر پریشانی کا حل پہلے تو یہ ہے آپ کی اجڑی ہوئی زندگی
میں بہار ایک فون کا پراپ کے مسائل کا حل ایک فون کا پراپ

غرض کوئی بھی جائز خواہش ہے تو پوری ہوگی انشاء اللہ

آرزوئیں اس طرح بھی پوری ہو جیسا کرتی ہیں

بر مشکل کا حل بذریعہ مولا جس پریشانی کی وجہ سے
آپ کی زندگی موت سے بھی دیر ہوگی جو اور ہر حال
کا کام ہو گیا ہو ہم سے مشورہ ایک مرتبہ ضرور لیں حال وہ
جس کا علم سادات مجدد پارٹیکلے لے مٹیلی چارو ختم ہوا
سے بھر دل محبوب تابع ہوگا اولاد فرماں بردار خاندان سے
بے غرضی بچوں کے ساتھ شے اور کاروبار میں کامیابی وہ
لوگ ایمان نہ ہوں بلکہ اپنی آخری امید کچھ کر سید تنویر شاہ
سے رابطہ کریں انشاء آپ محسوس کریں گے ایک فون کا پراپ
نے ہماری زندگی بدل دی

خواہش زندگی کی کوئی خواہش ہے یا کسی کو
پانے کی تمنا بچوں کی بے رخی سے دگی
ہیں یا میاں بیوی کی کرشمے کو ختم کرنا ہے

میں آپ سے ایک فون کا پراپ کی دوری پر موجود ہوں فون ملائے اور آواز لیجئے
ایک بار میں خدمت کا موقع دیں گا سرائیاں آپ کے قدم چومیں گی اور آپ یقیناً بہترین اور خوشگوار زندگی کا لطف اٹھائیں گے
نوٹ: جو خواتین و حضرات خود نہیں آسکتے وہ گھر بیٹھے فون کریں اور ہم سے کام لیں انشاء اللہ کامیابی ہوگی

وہ علمی کیا جس میں اثر نہ ہو وہ آنکھیں ہی کیا جن میں شرم نہ ہو وہ علمی کیا جس میں عمل نہ ہو وہ وہ علمی کیا جس میں اثر نہ ہو

فوارہ چوک مین جی ٹی روڈ ملتان
سید تنویر شاہ
0301-6411113



خونی بونے

ایک امتیاز احمد - کراچی

ان کے یہاں روایت تھی کہ وہ کسی سفید فام آدمی کا گوشت عورتوں کو کھلاتے تھے لیکن اس آدمی کو مار کر نہیں، بلکہ روزانہ اس کے جسم سے ایک ایک ٹکڑا علیحدہ کیا جاتا تھا

ایک پروفیسر کی ہولناک سرگزشت، جو آدم خوروں کے قبیلے میں پھنس گیا تھا

غلطی ابتداء سے ہی ہوئی تھی، مجھے اپنی بارٹی کے ساتھ ہی بھاگ جانا چاہئے تھا لیکن بے چارے ناٹو کی دردناک چیخوں نے میرے قدم تمام لئے تھے، سب لوگ مجھے روکتے رہے، لیکن میں آواز کی سمت بھاگتا گیا تاکہ غریب لڑکے کو بچا سکوں، اور جب میں نے ان کو دیکھا تو بہت دیر ہو چکی تھی، میں خود ہی پنجو حار میں چلا آیا تھا، ایک درجن برہنہ بونے قبائلی لڑکیوں کی طرف بڑھ رہے تھے۔

میری نظروں کے سامنے ساہوکار سا چھاپا گیا تھا۔ ساہوکار قبائلیوں نے مجھے کسی چڑیا کی طرح دو بچایا تھا اور مجھے لئے جا رہے تھے۔ میں ہری طرح چیخ رہا تھا، دہشت ناک انجام میری نظروں کے سامنے تھا۔ لیکن وہ وحشی قبیلہ لگاتے ہوئے مجھے تیزی سے چلا رہے تھے۔ پھر انہوں نے جھکنا دے کر مجھے کھڑا کر دیا اور پھر میری آنکھوں نے ایک دل دہلا دینے والا منظر دیکھا۔

ساہوکار کے بچوں کی ایک گول سامیلا لاہ

ساری رات شاپنگ کرنے نکل جاتے۔۔۔ بازاروں میں گھومتے پھرتے۔۔۔! بحری میں بھی سب کے لیے الگ الگ کھانے بنائی۔۔۔! پھر جب عید آئی۔۔۔! ان کی تین روزہ عید ہوتی۔۔۔! اور میری شامت آجاتی۔۔۔! ماموں کے دوست، ممانی کی سہیلیاں گھر پر بلائی جاتیں۔۔۔! دعوتیں اڑائی جاتیں۔۔۔! بچوں کے الگ خمرے ہوتے۔۔۔! بڑی اماں اس کی باتیں سن کر سوچ اور حیرت میں چلی گئیں۔

”بڑی اماں ایسی حیرت اور دکھ سے میری طرف مت دیکھیں۔۔۔! یہ سچ ہے۔۔۔!“

”بیٹا۔۔۔! ان کی تو رہنے دو۔۔۔! میں تمہارے لیے پریشان ہوئی ہوں۔۔۔! کیا تم روزے رکھتی تھیں؟“ بڑی اماں نے اس کو اپنے قریب کر لیا۔ تازہ نے نفی میں گردن ہلائی۔

”روزے کبھی نہیں رکھے۔۔۔! ان کے گھر کے کام ہی ختم نہیں ہوتے تھے۔۔۔! وہ لوگ مجھے کبھی بحری میں بیٹھے نہیں دیتے تھے۔۔۔! نا افطاری میں، بس میرے لیے کاموں کا انبار چھوڑ کر اٹھ جاتے تھے۔۔۔! اگر کسی دن ممانی جان دوپہر کو اٹھ جاتی۔۔۔! تو موڑ ایسا خراب ہوتا۔۔۔! وہ گالیاں مجھے نکال کر سناتی۔۔۔! اللہ کی پناہ۔۔۔! جیسے روزہ میرے لیے رکھا ہو۔۔۔!“

”بیٹا۔۔۔! اتم رمضان ادھر بھی گزرا کر دیکھ لو۔۔۔! رمضان کیسا ہوتا ہے؟ سب کچھ جان جاؤں گی۔۔۔! تازہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

”مگر بیٹا جو سارے روزے تم نے قضا کیے ہیں۔۔۔! وہ تمہیں عام دنوں میں دوبارہ رکھواتے ہوں گے۔۔۔! اس کے بعد میں بات کر لیں گے۔۔۔!“

تازہ نے حیرت سے بڑی اماں کی طرف دیکھا۔ بڑی اماں مسکراتے لگیں۔ اس کے پیچھے اس کا ہنر ادا تھا۔ جو تازہ کی طرف دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔

جاری ہے۔ باقی آئندہ ماہ انشاء اللہ۔

میں کروں گی۔۔۔!“

”رمضان میں کام نہیں عبادت کرنی ہوتی ہیں۔۔۔! تمہارا زیادہ وقت اب میرے ساتھ عبادت کرتے ہوئے گزرتا ہوگا۔۔۔! اس رمضان میں ہم جتنا سادہ کھانا کھا سکتے ہیں۔۔۔! کھا بیٹھے۔۔۔! کوئی فضول اور اضافی خرچ نہیں کیا جائے گا۔۔۔! فضول چیزوں میں مطلب، بی وی، موبائل سے جتنا دور رہا جاسکتا ہے۔۔۔! رہیں گے۔۔۔! کوئی غلیظ بات نہیں کریں گے۔۔۔! نا ہی کسی کے خلاف شکایت لگائیگی۔۔۔!“

”بڑی اماں آپ بے فکر رہیں۔۔۔! مجھے بھی سادگی پسند ہے۔۔۔! آپ جیسا چاہیں گی۔۔۔! ویسا ہی ہوگا۔۔۔!“

”ہمیں اس رمضان میں اپنے رب سے گناہوں کی معافیاں مانگنی ہوں گی۔۔۔! زیادہ سے زیادہ ختم القرآن کرانے ہوں گے۔۔۔! فضول گوشتوں اور شرارتوں سے دور رہنے کا نام روزہ ہے۔۔۔! تازہ بیٹا صرف کھانے پینے سے خود کو روکنے کا نام روزہ نہیں ہے۔۔۔! ہمیں ان تمام اسلامی احکامات کو بھی بھولنا نہیں چاہیے۔۔۔! جو دین اسلام ہمیں نجات روزہ سکھا گیا ہے۔۔۔!“ بڑی اماں کی باتیں سن کر، تازہ سوچ میں پڑ گئی۔ بڑی اماں اس کی طرف دیکھتی رہیں۔

”تازہ بیٹا کیا سوچنے لگی ہو؟“

”بڑی اماں سوچ میں چلی گئی تھی۔۔۔! ماموں ممانی کے گھر جب رمضان آتا۔۔۔! وہ لوگ مجھ سے سو طرح کے پکوان بناتے۔۔۔! روزہ رکھتے پر صبح اسی کچا کر کرے بند کر دیتے۔۔۔! شام کی آذان سے پہلے نکل آتے۔۔۔! پھر طرح طرح کے کھانے کھاتے۔۔۔! پھر موبائل پر رمضان کے ڈرامے دیکھتے۔۔۔! پھر ساری رات موبائل پر باتیں کرتے۔۔۔! یا گیمز کھیلتے۔۔۔! یا پھر لائیو اسٹریمنگ کرتے۔۔۔! رمضان کے آخری آیام میں ساری

تھا، جہاں ٹائو کھڑا ہوا تھا، اس کی آنکھیں پھٹی ہوئی اور منہ اس حد تک کھلا ہوا تھا کہ مجھے ڈر تھا کہ اب اس کی باجھیں چر جائیں گی اور خون پھوٹ پڑے گا اور وہ سیاہ زمین!..... وہ حرکت کر رہی تھی۔ میں نے زور سے آنکھیں ملیں اور پھر دیکھا واقعی وہ گول سا حصہ لمحہ بہ لمحہ تنگ ہوتا جا رہا تھا۔

میں نے پھر آنکھیں ملیں اور پھر دیکھا۔ اف میرے خدا! یہ تو سیاہ چوٹے تھے۔ سیاہ گلاب کی شکل میں وہ بڑھتے جا رہے تھے اور پھر لڑکے کی خوفناک چیخوں نے مجھے لرزادیا۔ سیاہ سیلاب نے اسے اپنی لیٹ میں لے لیا تھا وہ بے اختیار ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔ لیکن خونخوار چوٹے اس کے گوشت سے بری طرح چپک رہے تھے اور اپنے زہریلے سوئی جیسے ڈنک گڑھ کر اس کا خون پی رہے تھے، پانچ منٹ کے اندر اندر وہاں صرف ہڈیوں کا ڈھانچا باقی بچا تھا۔ اور چوٹیوں کا سیلاب واپس جا رہا تھا۔

مجھ سے کھڑا نہ رہا گیا اور میں دھپ سے زمین پر گر پڑا۔ تھوڑی دیر میں میرا بھی یہی حشر ہونے والا تھا۔ میرے کانوں میں ہارڈ یونیورسٹی کے پروفیسر کی آواز گونج رہی تھی۔

”جب تک ٹائو گروسو کے علاقے میں رہو گے بالکل محفوظ رہو گے۔ لیکن اس سے باہر مغرب کی طرف جانے کی حماقت نہ کرنا، وہاں ایک بونا قبیلہ رہتا ہے۔ جب بھی کسی سفید فام آدمی نے انہیں دیکھا ہے، وہ زندہ نہیں بچا ہے۔“

اور اب میں انہیں دیکھ رہا تھا، وہ بالکل برہنہ تھے عورتوں کی ٹاف کے پاس ایک ڈوری سی بندھی ہوئی تھی جس سے رنگ برنگ پتھروں کی لڑیاں لٹک رہی تھیں، ان کے سفید سفید دانت بالکل نوٹکیے اور لمبے لمبے تھے۔

چوٹیوں کے جانے کے بعد وہ سب کے سب ڈھانچے کی طرف بڑھے، ہڈیوں کے ٹوٹنے کی آواز آئی اور تھوڑی دیر بعد ہر قبائلی ایک ایک ہڈی لئے اسے جھنجھوڑ رہا تھا، ان کی نیندیدی آنکھیں میری طرف لگی ہوئی تھیں۔ مجھے اپنی ہڈیاں چختی ہوئی محسوس ہوئیں۔

اب وہ پھر میری طرف بڑھ رہے تھے، ان کے ہاتھ میں گھاس کی بنی ہوئی ایک رسی تھی، انہوں نے اس کا حلقہ سا بنایا اور ایک بونے نے ایک کر میری گردن میں ڈال دیا اور سبل کر مجھے کھینچنے لگے۔

اور جب وہ رے کے تو سورج غروب ہو چکا تھا۔ جنگل میں گہری تاریکی پھیل چکی تھی۔ میرے حواس بالکل معطل ہو چکے تھے۔ میرے سامنے گھاس کا بنا ہوا گنبد نما جھونپڑا تھا، اس کے ایک طرف ایک گول سا سورخ تھا۔ انہوں نے مجھے اس سورخ میں سے اندر دھکیل دیا۔ میں زمین پر گرتے ہی بے ہوش ہو گیا۔

اب میں بارود یونیورسٹی میں نیچرل ہسٹری کا سال دوم کا طالب علم نہ تھا بلکہ کیونٹونیس بلکہ خوف و دہشت سے لرزتا ہوا گوشت پوست کا ایک ڈھیر تھا، جو اس ٹکر میں گرفتار تھا کہ اسے کس طریقے سے ختم کیا جائے گا۔

مجھے معلوم تھا کہ یہ لوگ کون تھے، انہوں نے کبھی آگ محبت، چاقو یا رحم کے الفاظ نہیں سنے تھے، ان کا دماغ ہندو اور پتھر کے زمانے کے انسان کے دماغ کی سچ کی شکل کا تھا، وہ گوشت اور ہڈیاں کھاتے تھے اور بغیر پکانے ہوئے۔

بیرونی دنیا کی طرف سے کچھ بھی پادریوں کو اس علاقے میں بھیجا گیا تھا کہ وہ انہیں انسان بنائیں لیکن یہ بونے ان کا گوشت کھا گئے تھے اور ہڈیاں لے جا کر دریائے کورنڈا میں پھینک دی تھیں تاکہ باہر کے لوگوں کو ان کا حشر معلوم ہو جائے۔

میں یہ سب کچھ سوچتا ہوا سو گیا۔ ایک عجیب سی آواز نے مجھے جگا دیا، میں نے آواز کی سمت کان لگا دیئے۔ دھپ..... سر سر..... دھپ..... سر سر جیسے کوئی زخمی چمکاؤ، اذیت میں اپنے پر پھڑ پھڑا رہی ہو، وہ کوئی بھی شے تھی، میں نے بڑی مشکل سے اس سورخ میں سے باہر جھانکا، دن نکل آیا تھا۔

ایک بونے نے اپنا سر سورخ میں ڈالا اور اپنے نیزے سے مجھے اٹھ کر باہر آنے کا اشارہ کیا، میں رینگتا ہوا سورخ کی طرف بڑھا، میرا جسم مٹی میں لٹھڑا ہوا تھا،

اور جو ڈر در در کر رہا تھا۔ سورخ سے باہر نکل کر میں نے چاروں طرف دیکھا اور میرا دم رکنے لگا، ایک پوٹا کیکڑے کی طرح کی ٹہنی میرے سامنے کھڑی تھی۔ میں نے غور سے دیکھا، ٹہنی وہ سفید فام آدمی رہا ہوگا۔ مگر اب؟

اس کے برہنہ جسم پر بھبھوت ملا ہوا تھا، سینے اور پیٹ پر بڑے بڑے سفید بالوں کی ایک سفید چادری تھی۔ ایک ٹانگ ٹوٹی ہوئی تھی اور گھٹنے کے پاس سے ایک کاغذی حصہ بائیں طرف کو اس طرح مڑ گیا تھا جیسے ہاتھ کی ایک ٹانگ ٹوٹی ہو۔ چلتے وقت وہ اسے گھینتا تھا۔ اسی لئے وہ حیرت انگیز آواز پیدا ہوئی تھی۔

پیشانی سے اوپر اس کے سر پر ایک گہرا زخم تھا۔ جیسے کھوپڑی دو ٹکڑوں میں منقسم ہو کر آپ ہی آپ بڑبڑاتی ہو اسے زخموں کے بعد اور طبی امداد کے بغیر ہی وہ زندہ بچ گیا تھا اس کی آنکھیں بالکل ویران و باران لگ رہی تھیں۔

میرے ذہن میں کچھ پچھل سی ہو رہی تھی، جیسے کوئی چیز نیچے سے اوپر آنے کی کوشش کر رہی ہو اور پھر سون ہو گیا، ذہن کے پردے پر میرے بچپن کا ایک عطر نظر آ رہا تھا، روز ویٹ فیلڈ سے ایک جہاز کی ہوا کا سین۔

”ریمے!“ میں نے احمقوں کی طرح چلا کر کہا۔ ”ڈاکٹر مارک ریمے ہم تو سمجھتے تھے کہ آپ رہ گئے ہیں۔“

پھر پچھل ہوئی اور نوجوان ڈاکٹر ریمے کا چہرہ۔ برے سامنے آیا، کتنا بینڈسم نوجوان تھا، سب اسے ٹانگ ڈاکٹر کہتے تھے، اس کے پاس ایک انجن والا گاڑی تھا، اور اس کا زیادہ تر وقت پرواز میں گزرتا تھا، ایک دفعہ جب وہ برازیل کے جنگلات کے اوپر پرواز کر رہا تھا کہ طیارہ کہیں ٹکرا گیا اور پھر اس کی کوئی خبر نہ آئی۔ یہ کوئی پچیس سال پہلے کی بات تھی۔

اور اب وہ میرے سامنے تھے، کاش میں اسے

اس کی گردن کے گرد ایک سانپ لپٹا ہوا تھا۔ اس نے اسے نکال کر نیچے ڈال دیا اور میری

خاموشی

اگر ہم زبان کی پھیلائی ہوئی معیتوں کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ خاموشی میں کتنی راحت ہے۔ زیادہ بولنے والا انسان مجبور ہو جاتا ہے کہ سچ اور جھوٹ کو ملا کر بولے۔ اس کے پاس اتنا وقت نہیں ہوتا کہ وہ سوچ سکے کہ کیا کہنا ہے اور کیا نہیں کہنا۔

(شرف الدین جیلانی۔ ٹنڈوالہیار)

خلیل جبران نے کہا

جب تک میں طیبوں میں طیب نہ بنوں وہ میرے نجوی ہونے کی تائید نہیں کرتے۔

حاسد کی چپ بہت گنہگار پرور ہوتی ہے۔ صحیح معنوں میں امیر آدمی وہ ہے جو نہ خود

سردار بنے اور نہ اسے سردار بنایا جائے لیکن لوگ اسے سردار تسلیم کریں۔

لنگڑے کے لئے یہ ہی دانشمندی ہے وہ اپنی لامٹھی دشمن کے سر پر نہ مارے۔

جہاں سے تمہارا جی چاہے زمین کھودو، خزانہ ضرور نکلے گا لیکن شرط یہ ہے کہ کامیابی کے یقین کے ساتھ کھودو۔

ہمارے دلوں کے عید وی لوگ سمجھ سکتے ہیں جن کے دل عیدوں سے بھرے ہوں۔

(ارمان ملک۔ ٹنڈوالہیار)

طرف بڑھا، اور منہ کھولا، اس کے سارے دانت غائب تھے، پھر اس کے حلق سے ایک چیخ نما آواز نکلی جسے آواز بھی کہنا یاد نہ تھی۔

”کبھی کبھی مجھے اتنی تکلیف محسوس ہوتی ہے کہ میں۔۔۔“
کچھ دیر کے لئے اس کی حالت بدل گئی اور وہ کچھ عجیب الفاظ بڑبڑانے لگا جیسے کوئی گیت گارہا ہو، ایک یا دو منٹ کے بعد پھر وہ ہوش میں آ گیا۔
بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ اس کی یہی حالت رہتی ہے۔ کبھی وہ بالکل پاگل سا ہو جاتا ہے کبھی ٹھیک ہو جاتا ہے۔

”تمہارا کام ابھی شروع ہوگا۔“ اس نے شستہ انگریزی میں مجھ سے کہا۔ لیکن میں کیا سمجھتا کہ مجھے کیا کرتا ہوگا؟
”وہ تمہیں ابھی زندہ رکھیں گے۔ تم ان کے لئے بہت اہم ہو۔“ ایک بوٹی عورت ہمارے قریب سے گزری اس کے جسم پر روئیں کا نام و نشان تک نہ تھا۔
ڈاکٹر نے ایک نظر اسے دیکھ کر مجھے گھورا اور جب اس نے پہلے جملوں کی وضاحت کی تو میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے دوسرے قبیلوں سے لڑائیوں میں بوٹیوں کا بہت جانی نقصان ہوا تھا، دوسری طرف ان کے یہاں پیدائش کی شرح بہت گرتی تھی، اور جب کبھی ایسا ہوتا تھا تو ان کے یہاں روایت تھی کہ وہ کسی سفید قام آدمی کا گوشت عورتوں کو کھلاتے تھے لیکن اس آدمی کو مار کر نہیں، بلکہ روزانہ اس کے جسم سے ایک ایک ٹکڑا علیحدہ کیا جاتا تھا، ایک ایک بوٹی ہر عورت کو دی جاتی تھی اور جب تک اس آدمی میں جان باقی رہتی تھی عمل دہرایا جاتا۔

چند روز تک ان کا وہ یہ اس طرح رہا جیسے قربانی کے بکرے کے ساتھ اس کے مالکوں کا ہوتا ہے، وہ مجھے دن میں کئی بار بہت بہت سا کھانا دیتے، جو کبھی کچے گوشت اور کبھی دھتور کی جڑوں سے بنائے گئے لیس دارا میز پر مشتمل ہوتا تھا۔
میرے کپڑے اتار لئے گئے اور انہیں تار تار کر دیا گیا، اور اب مجھے بھی برہنہ ہو کر کھونا پڑتا تھا۔

اس دوران میں، جادوگر ڈاکٹر سے گفتگو کرنے کے کئی مواقع ملے، جب بھی وہ ہوش میں ہوتا تو مجھے بہت سی باتیں بتاتا۔ ایک روز اس نے مجھے موت کے تعویذ کے بارے میں بتایا، جس نے ان قبائلیوں کا دھنسا دیا تھا۔

دراصل یہ ایک پرانا افسانہ چار چار کار بوٹیوں کا تھا۔ اس کا تعلق کبھی کا ٹوٹ چکا تھا۔ لیکن ڈاکٹر نے کہا اس کی بنی ہوئی رسیوں کی مدد سے اسے اپنی کر کے گرد رکھا تھا وہ اسے تیل دیتا رہتا تھا، اسی وجہ سے وہ اب بھی تک اچھی حالت میں تھا۔

وہ شیطانی انداز میں ہنستے ہوئے بتا۔
”اس رات کو جب میرا جہاز یہاں گرا تو وہ اسے کوئی آسانی شے سمجھے ہوں گے، جہاز کے پروں میں آگ لگی ہوئی تھی اور انجن بے حد شور مچا رہا تھا، جہاں جہاز گرا تھا، وہیں ان کے پاروں کی جھونپڑی تھی۔ میں جب جہاز میں سے نکلا تو خون میں نہایا ہوا تھا۔“

اس نے برا سامنا نہ پایا، واقعی اس وقت اس کی حالت بڑی دگرگوں ہوگی، ٹانگ ٹوٹی ہوئی اور کوپڑی چٹنی ہوئی۔

”یہ بد بخت میری طرف بڑھنے لگے۔ مجھے نہیں بس اتنی سمجھ باقی رہ گئی تھی کہ اس ریو اور سے فائدہ اٹا سکوں۔“ اس نے ریو اور کو کچلی دی۔

”میں نے ان کے سردار کا سرا ڈالیا، وہ محسوس ہو گئے اور مجھے اٹھا کر ایک جھونپڑی میں لے گئے۔ جہاں میں تین ہفتے تک بڑا رہا۔ عورتوں نے مجھے ہا دودھ پلایا یہاں تک کہ میں گوشت ہضم کرنے کے قابل ہو گیا۔ اور جب میں چلنے پھرنے کے قابل ہوا تو ان کا سفید دیوتا بن چکا تھا۔“ ہا۔۔۔ ہا۔۔۔ ہا۔۔۔

وہ بری طرح سر ہلانے لگا۔
”لنگڑا، اور دیوانہ خدا جس کے پاس صرف“
گولیاں بچی ہیں۔“

اس کا اندازہ بڑا مضحکہ خیز تھا۔ ”دو گولیاں اور چٹختی ہوئی کھوپڑی، اب جو نئی نسل ہے، وہ باقی رہی جارہی ہے، جب میں نے گولی چلائی تھی تو یہ لوگ

نہیں تھے، اس لئے اس کہانی پر انہیں یقین نہیں آیا۔ بہر حال میں نے اس کا علاج سوچ لیا ہے۔ پہلی گولی اس کے لئے جو سب سے پہلے میری طرف بڑھے گا اور دوسری۔“ اس نے پھر ریو اور کو کچکا۔

اس پر دورہ بڑا، وہ واقعی بہت بہادر تھا، آدھے دماغ اور ڈھانچے نما جسم کے ساتھ اس نے پچیس سال قبل تک ان قاتل قبائلیوں کا مقابلہ کیا تھا۔

میں سوچ رہا تھا کہ میری باری کب آئے گی؟
مجھے زیادہ دنوں تک انتظار نہیں کرنا پڑا، قید کے کوئی دو ہفتے بعد وہ خونی کھیل شروع ہو گیا، ایک دن صبح جب میں اٹھا تو میرا سارا جسم رسیوں سے جکڑا ہوا تھا، دن بھر میں اسی طرح پڑا انتظار کی ناقابل بیان اذیت کو برداشت کرتا رہا۔ دوپہر کو ایک عورت آ کر میرے حلق میں وہی لیس دار شے پکا گئی۔

شام ہوئی تو مجھے میدان میں لے جایا گیا، ایک گول دائرہ سا بنا ہوا تھا، جس کے چاروں طرف عورتیں بیٹھی تھیں۔ درمیان میں ایک نہنٹا اوچی جگہ پر کئی کھونٹے سے گڑھے ہوئے تھے۔ قبائلی مجھے اٹھائے ہوئے گھیرے کے درمیان میں پہنچے تو عورتیں بھوکی لگا ہوں سے مجھے گھورنے لگیں، اب مجھے اس اوچی جگہ پر ڈال دیا گیا تھا اور قبائلی میرے جسم کے گرد بندھی ہوئی رسیوں کو کھول کر انہیں کھونٹوں پر سے گزار کر دوبارہ باندھ رہے تھے، تاکہ میں بالکل نہل سکوں۔

جب رسیاں بندھ گئیں تو ایک بوڑھی کریمہ النظر عورت آگے بڑھی، اس کے ہاتھ میں بہت سی تلی ڈوری تھی میں بغیر پلک جھپکائے اسے دیکھتا رہا، وہ میرے قریب آئی اور دو زانو ہو کر بیٹھی، پہلے اس نے جھک کر میری ران پر ہاتھ پھیرا اور خوش ہو کر باقی عورتوں کی طرف دیکھا، ان کی آنکھوں کی حریصانہ چمک میں اضافہ ہو گیا تھا۔

بڑھیا نے ڈوری کو دونوں ہاتھوں میں لے کر تان لیا اور میری پنڈلی پر بیٹھ کر ڈوری کو آرے کی طرح میری ران پر چلانا شروع کر دیا۔ درد کی شدت سے میری چیخیں نکلنے لگیں، اس کے ہاتھ اور تیز چلنے لگے۔ میں بے اختیار اپنی ٹانگ ہلانے کی کوشش کرتا اور وہ

بڑھیا اپنا عمل تیز کرتی جاتی۔

خون کا فوارہ سا چھوٹا۔ میری کھال اور گوشت کٹ چکا تھا۔ بڑھیا نے ہاتھ روک کر سر جھکا یا اور زخم سے خون چاشنا شروع کر دیا، نہ جانے اس کی زبان میں کیا تھا کہ میرے زخم میں سر جھکی ہی گئے تھیں اور میں بے اختیار روئے لگا، بڑھیا نے اب اس زخم سے چند انچ نیچے دوسری جگہ پھر وہی آرا چلانا شروع کیا۔ پھر وہی تکلیف شروع ہوئی جواب دو چند ہو چکی تھی۔

تھوڑی دیر بعد نئے زخم سے کون بننے لگا اور بڑھیا نے پھر ہاتھ روک کر اسے چاشنا شروع کر دیا، اس کے بعد کیا ہوا میں آپ کو کسی طرح بتاؤں، اس اذیت، اس دکھ، اس تکلیف کو بیان کرنے کے لئے الفاظ نہیں ملتے۔ بڑھیا نے پہلے والے زخم کے پاس سے گوشت اٹھایا اور اسے اوپر چاشنا شروع کر دیا۔ جب تک دونوں زخموں کا درمیان پاری چڑا دیا تو لگ بھگ ہوتا۔

میں بے ہوش ہو چکا تھا۔
ذرا دیر بعد ہی مجھے ہوش آ گیا، بڑھیا ہر عورت کو ایک ایک بوٹی بانٹتے ہوئے آخری عورت کے قریب پہنچ چکی تھی اور وہ سب قہقہے لگاتی ہوئی اسے مزے لے کر کھا رہی تھیں۔

جب گوشت کا آخری ریزہ بھی کھالیا گیا تو اب انہوں نے میری طرف توجہ دی، بڑھیا پھر میرے قریب آئی، اس کے ہاتھ میں ایک پیالہ تھا، اس میں کوئی عرق سا تھا، جو اس نے میرے زخم پر ڈال دیا۔ زخم میں سے اتنی شدید نہیں لگی کہ میرا سر گھوم گیا، لیکن اس کے بعد وہ حصہ تقریباً سن ہو گیا۔

دوسرے دن دوسری رات کے ساتھ یہی عمل دہرایا گیا۔ تیسرے دن دایم ہاتھ کی باری آئی، اب نیند میری آنکھوں سے بالکل غائب ہو چکی تھی، رات بھر میں تکلیف سے تڑپا رہتا۔ رات کو میری رسیاں کھول دی جاتی تھیں۔

جو تھے دن تو رسیاں باندھنے کی بھی تکلیف نہیں کی گئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب بڑھیا نے میرے پائیں ہاتھ پر اپنا آرا چلایا تو میں کئی کئی انچ اوپر اچھلا، اور اس سے جو ناقابل بیان تکلیف مجھے

آدم خور بونے

بہرام علی ڈٹو۔ بہاول نگر

پروفیسر جان نے تجربہ کرنے کے لیے دو چوہے انسانی لاشوں سے پالے۔ پھر وہی چوہے اس پروفیسر کو بھی ایک دن کھا گئے۔ اس کے بعد چوہے مکان میں ہی رہتے رہے ہیں۔

اچھی کہانیوں کے مستلاحی لوگوں کیلئے دل پراثر کرناوالی ایک زبردست اور حیرت انگیز روداد

چارلس

اس دن وہ اپنی ذیوبی پر معمول کے گشت پر تھے جب انہیں ایک امیر چمکی کال موصول ہوئی کہ ایک لاش ایک جگہ سے پائی گئی ہے۔ کال صبح کے پانچ بجے آئی تھی اس کا مطلب اگر یہ نقل ہے تو پھر رات کو کسی کیا گیا ہوگا۔ رات بھر شدید بارش اور طوفان جاری رہا تھا۔ وہ دونوں موقع پر پہنچے تو لاش ایک مکان کے مرکزی دروازے میں پڑی تھی۔ لاش کا اسی سے نوے فیصد حصہ کا گوشت جسم پر موجود ہی نہیں تھا۔ لاش صرف ہڈیوں کا ڈھانچہ تھی یا خال خال جسم پر گوشت کہیں باقی تھا۔

وہ یوسیدہ مکان شہر سے ہٹ کر قبرستان کے بائبل بکڑ پر موجود تھا۔ وہ مکان سے زیادہ ایک دشت انگیز اور بھیاٹک کھنڈر دکھائی پڑ رہا تھا۔ اس کی بناوٹ اس کی عمر تقریباً سو سال سے زیادہ بتا رہی تھی۔ ایک گندے نالے کے کنارے قطعی الگ تھلک یہ مکان جھاڑ جھکار اور خوردہ بے ہنگم درختوں کے درمیان گھرا ہوا تھا۔ دیواروں کا پلستر مکمل طور پر جھڑ چکا تھا۔ کالی زدہ اینٹیں، دروازے اور کھڑکیاں ٹوٹ چکی تھیں۔ اگر کہیں لکڑی کے دروازے یا کھڑکیاں موجود تھیں تو وہ بیک زدہ تھیں۔

لاش مرکزی دروازے کے وسط میں پڑی تھی۔ چارلس اور جیمز نے موقع پر پہنچ کر فوراً ہیڈ کوارٹر کال کر دی اور اگلے ہی لمحے تحقیقی ٹیم بھی پہنچ آئی۔ لاش کا اس حالت میں ملنا ان کے لیے انتہائی پریشان کن بات تھی۔

رات آدھی گزر چکی تھی جب ٹیم نے اپنے گھر کے اندر قدم رکھے۔ اچانک ایک طرف سے بھاری بھر کم آواز ابھری۔

جیمز! ادھر ہی رک جاؤ۔ جہاں سے آئے ہو

وہیں واپس چلے جاؤ۔ اس گھر میں کسی شخص کے لیے کوئی جگہ نہیں۔ جیمز آواز سن کر وہیں رک گیا۔ پھر انتہائی غصے سے اپنے باپ کی طرف چل پڑا جو آدھے میں کھڑا اسے واپس جانے کا کہہ رہا تھا۔ وہ قریب جا کر چنپا۔ یہ گھر میرا ہے۔ میں اکلوتا اس گھر کا مالک ہوں۔ تم کون ہوتے ہو مجھے روکنے والے۔ میں اپنے کمرے میں جا رہا ہوں اگر کسی میں جرأت ہے تو مجھے جانے سے روک لے۔

جیمز کا باپ بھی غصے سے تھلا اٹھا۔ تم ابھی کے ابھی یہاں سے باہر دفعہ ہو جاؤ۔ نہ یہ گھر تمہارا ہے اور نہ ہی تم میری اولاد ہو۔

جیمز نے سن کر اور غصہ میں آ گیا اور اپنے باپ پر اچانک جھپٹ پڑا۔ جیمز کے ہاتھ میں شراب کی بوتل تھی جو اس نے زمین پر مار کر توڑ دی تھی اور اب وہ تیز دھاری ٹکوار کی مانند روپ دھار چکی تھی۔ جیمز نے غصے سے چلاتے ہوئے کہا۔ میں آج تمہارا قصہ ہی تمام کر دیتا ہوں پھر یہ ساری جائیداد اور کاروبار میرا ہو جائے گا۔

جیمز نے جیسے ہی زور سے شراب والی بوتل اپنے باپ کے پیٹ میں مارنے کی کوشش کی تو جیسے سے ملازم نے بھاگ کر ٹیمس سے بوتل چھین لی اور جیمز کو کچل لیا لیکن جب تک جیمز کا باپ کالی زخمی ہو چکا تھا۔ ملازم کے آنے پر جیمز وہاں سے بھاگ نکلا اور ملازم اس کے باپ کو گاڑی میں ڈال کر ہسپتال لے کر نکل گیا۔

جیمز کا غصہ کم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ اسے اس بات کا فحش تھا کہ آج اس نے اپنے باپ کا قصہ تمام کیوں نہیں کر لیا۔

پہلی بار نظر آیا نیلی نیلی آنکھیں آج دلی دلی دک رہی تھیں۔

ڈاکٹر نے ریوالور کی نال اس نگران کی طرف سمجھا کر اسے دور جانے کا اشارہ کیا۔ جب وہ درہٹ گیا تو ڈاکٹر میرے پاس زمین پر بیٹھ گیا اور بولا۔

”میرے بیٹے! تمہاری کیا حالت ہو گئی ہے، مجھے تمہارے پاس پہنچنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ تمہیں جلد سے جلد یہاں سے نکل جانا چاہئے، ورنہ دو تین روز بعد تمہارا گوشت پھر کاٹا جائے گا اور اب کے تمہارے سینے کی باری ہے، مجھے امید نہیں کہ اس کے بعد تم زندہ بچو گے اور تم ابھی جوان ہو۔“

میری سمجھ میں ایک جملہ بھی نہیں آ رہا تھا۔ ڈاکٹر تو پاگل ہے، بھلا یہاں سے کون بچ سکتا ہے۔ مگر ڈاکٹر دھیرے دھیرے بولے جا رہا تھا۔

”سامنے جو گھٹا سا درخت ہے، اس کے پیچھے کشتی موجود ہے۔ میری زندگی تو ختم ہو چکی ہے، تم اس میں لیٹ جاؤ، دریا پار پہنچ جاؤ، یہ بولنے دریا پار جانے کی ہمت نہیں کر سکتے کیونکہ وہاں انہیں دیکھتے ہی گولی مار دی جاتی ہے۔“

یہ کہہ کر ڈاکٹر نے مجھے سہارا دے کر اٹھا اور درخت کی طرف لے جانے لگا، ادھر نگران یہ دیکھ کر ہماری طرف آنے لگا، ڈاکٹر نے فوراً ریوالور کمرے نکالا اور بولنے کے سر کا نشانہ لیا، اس کا سریوں غائب ہو گیا جیسے تھا ہی نہیں۔

”بھاگو بے وقوف جلدی سے! ورنہ بولنے آ جائیں گے، ڈاکٹر خرفانی آواز میں چنچا۔

میں گھبرا کر تیزی سے ایک چھلانگ میں درخت کے پیچھے پہنچا اور ایک کشتی میں الٹ گیا۔ کئی پانی پر بہنے لگی۔ کنارے پر سے گولی چلنے کی آواز آئی، آخری گولی کی آواز، اور پھر میں بے ہوش ہو گیا۔

جب میں ہوش میں آیا تو ہسپتال میں پڑا تھا، زخم بھرنے اور چلنے پھرنے کی طاقت آنے میں ایک سال لگ گیا۔



ہوئی وہ میں کبھی نہیں بھول سکتا، اب بھی جب مجھے وہ کیفیت یاد آتی ہے تو میں اسی طرح بے ساختہ اچھل پڑتا ہوں۔

اب میں دن رات عالم غنودگی میں رہنے لگا تھا، مجھے پتا بھی نہیں چلتا تھا کہ کب مجھے اٹھا کر لے جایا جاتا تھا۔

جب گوشت کاٹا جاتا تب ہوش آتا، اور پھر تکلیف کی شدت سے بے ہوش ہو جاتا۔

تب ایک دن میری آنکھ کھلی تو میں نے اپنے آپ کو دیکھا، میری ٹانگوں اور ہاتھوں کا تقریباً سارا گوشت ادھر چکا تھا، مجھے حیرت تو اس بات پر تھی کہ میں اب تک کیسے زندہ تھا۔ زخموں پر مٹی جمی ہوئی تھی اور کھیاں جھنجھرائی تھیں، بخار سے میرا جسم پھن رہا تھا۔ مجھے بتایا گیا کہ چونکہ چاند آخری تاریخوں میں ہے اس لیے یہ نقل روک دیا گیا ہے۔ اب جب چاند پھر نکلے گا تو یہ نقل بھو شروع ہوگا۔ مجھے یقین تھا کہ اب کی بار میں زندہ نہیں بچوں گا۔

چھوٹے چھوٹے ٹکڑے میرے زخموں میں بری طرح چب رہے تھے۔ یہ مٹی تو میرے زخموں کو سزا دے گی اور میں مقررہ مدت سے پہلے ہی مر جاؤں گا، یہ سوچ کر میں جھونپڑی سے کھٹکتا ہوا باہر نکلا، میرا رخ دریائے گورنڈ کی طرف تھا۔

”تکلیف کی وجہ سے میں اچ اچ گھسٹ رہا تھا، تھوڑی دور جانے کے بعد مجھے اپنے پیچھے کچھ آہٹ سی سنائی دی۔ نیزہ لٹے ہوئے ایک بوٹا میرے ساتھ تھا۔ اوہو! تو میری نگرانی ہو رہی تھی۔

میں کافی دیر تک پیٹھ کے بل گھسنے کے بعد دریا تک پہنچ آیا، اور کنارے پر لیٹ کر ذرا سانس لے کھکا۔ اب میرا جسم پانی کی زد میں تھا۔ بخار میں تھا ہوا جسم جسے برف میں رکھ دیا گیا ہو، مجھے اتنا سکون ملا کہ میری طاقت واپس آتی ہوئی محسوس ہوئی۔

ابھی میں پانی میں سے نکل کر باہر آیا ہی تھا کہ مجھے دور سے جادوگر ڈاکٹر آنا نظر آیا۔ وہ بڑی تیزی سے میری طرف آ رہا تھا۔ قریب آ کر اس نے جب میری طرف دیکھا تو مجھے اس کی آنکھوں کا رنگ

قوس قزح

قارئین کے بھیجے گئے پسندیدہ اشعار

قارئین سے گزارش ہے کہ وہ اپنے پسندیدہ اشعار اور غزلیں ہمارے ای میل پر بھیجا کریں، ولس ایپ پر بھیجئے والے اشعار یا غزلیں شائع نہیں ہوں گی

دل کے رزم کیسے دکھاؤں
کس طرح داغ چھپاؤں
نہ دکھتے نہ چھپتے ہیں
حال دل بھر کیا بتاؤں
(شبلا کرن - کراچی)

تو پاس تھا تو مجھ میں گلابوں کے رنگ تھے
اب تیرے انتظار کی سونی دلوں میں ہوں
(عائشہ عمران - کراچی)

سحر ہوئی تو ستاروں نے موند لیں آنکھیں
وہ کیا کریں کہ جنہیں انتظار کرنا ہے
(فوزیہ پروین - ساہیوال)

اب کے نہ انتظار کریں جاہر گر کہ ہم
اب کے گئے تو کوئے ستم گر کے ہو گئے
(ناز حسین - مگر نوالہ)

غیروں میں کوئی بھی ہمیں دشمن نہیں ملا
اپنی بھی آستین دیکھیں گے ایک دن
موت کے بعد بھی وہی اجڑا ہوا ہے گھر
تم نے کہا تھا یاد ہے ٹھہریں گے ایک دن
(شرف الدین جیلانی - شندوہ یارک)

کوئی تو بات ہے ورنہ یہ تیرے دیوانے
تجھے بھلا کر تیرا انتظار کیوں کرتے
(کرن سحر - سالکوٹ)

نہ آیا لمحہ وہی، جس کے انتظار میں تھا
اگرچہ میں بھی شب و روز کی قطار میں تھا
(اسد احمد - لاہور)

جیسے حیات و موت کی مگھوٹ چاشنی
لحابت انتظار کی لذت نہ پوچھئے
(کاشف آرائیں - حیدر آباد)

☆☆

کہانی ٹھیک نئی ہے نظارے ٹھیک ملتے ہیں
عموما وقت اچھا ہو تو سارے ٹھیک ملتے ہیں
ہمیں تو جو ملا اپنا، وہی ڈنٹے میں ماہر تھا
نجانے کیسے لوگوں کو سہارے ٹھیک ملتے ہیں
(آمنہ زہد - لاہور)

زندگی کی شام ہوگی
کہانی میری تمام ہوگی
نوٹے جو خواب سارے
آنکھیں سدا دیراں ہو گئیں
(عظمیٰ بلوچ - حیدر آباد)

کسی کو نفرت ہے مجھ سے کوئی پیار کر بیٹھا ہے
کسی کو یقین نہیں مجھ پہ کوئی اعتبار کر بیٹھا ہے
کتی عجیب ہے یہ دنیا کوئی ملنا نہیں چاہتا
اور کوئی انتظار کر بیٹھا ہے
(محمد شہریار - لاہور)

اداس نہیں ہوں پریشان بھی نہیں ہوں
تم میرے دل میں ہو مگر میں تمہارے آس پاس بھی نہیں ہوں
(محمد شہریار - لاہور)

غم ملا تو رو نہ سکی خوشی ملی تو مسکرا نہ سکے
میری زندگی بھی کیا زندگی ہے جسے چاہا اسے پانہ سکے
(آصف سراج - لاہور)

غم ہر اک انسان کو ہے
غم ہر اک جاں کو ہے
جس کو کوئی غم نہیں
یہ خوشی حیاں کو ہے
(طاہر طلعت - کراچی)

زندگی خوبصورت ہے پر جینا نہیں آتا
ہر چیز میں نشا ہے پر جینا نہیں آتا
سب میرے بغیر جی سکتے ہیں
بس مجھے ہی کسی کے بنا جینا نہیں آتا
(ماریہ فرحان - لاہور)

بھاگتے لگا مگر اس کا درد سے برا حال تھا اور خون یوں اس کے
جسم سے نکل رہا تھا جیسے کسی شاپر میں سوراخ ہو جائے اور اس
میں رکھا پانی بہنا شروع ہو جائے۔ وہ بمشکل دروازے تک
پہنچا اور پھر اس کی ہمت جواب دے گئی مگر وہ اتنا چٹا ضرور
جتنا وہ چیخ سکتا تھا۔ پھر درد کی شدت اتنی بڑھ گئی کہ وہ بے
ہوش ہو گیا۔ وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔

پولیس آفیسر جوزف اپنی ٹیم کے ہمراہ سڑک پر بیٹھا
تھا کیوں کہ لاش کی پوسٹ مارٹم رپورٹ آچکی تھی۔ جس
کے مطابق مرنے والے شخص نے شراب تو پی ہوئی تھی مگر
اس کی لاش کی یہ حالت چوہوں نے کی تھی۔ جوزف نے
اگلے چند دنوں میں تمام تحقیق مکمل کر لی تھی اور وہ اپنے اعلیٰ
آفیسر کے پاس وہ لے کر جا پہنچا۔

مسٹر جوزف! تو آپ کی تحقیق کیا کہتی ہے۔ اعلیٰ
آفسر نے سگریٹ کا کش لے کر گہری نگاہوں سے جوزف
کی طرف دیکھ کر کہا۔
جوزف نے تمام ریکارڈ نکال کر ان کو پیش کرتے
ہوئے کہا۔

جناب! میری تحقیق کے مطابق اس خالی مکان
میں بہت عرصہ پہلے ایک پروفیسر جان رہتا تھا وہ مختلف
تجربات کرتا رہتا تھا اس وجہ اس نے مکان شہر سے باہر بنایا
تھا اور اس نے اپنی باقی جگہ قبرستان کے لیے بخش کر دی
تھی۔ پروفیسر جان نے تجربہ کرنے کے لیے دو چوہے
انسانی لاشوں سے پالے۔ پھر وہی چوہے اس پروفیسر کو کئی
ایک دن کھا گئے۔ اس کے بعد چوہے مکان میں غار بنے
رہے ہیں اور زمین میں سرنگ کر کے وہ قبرستان سے
مردے کھا جاتے تھے۔ اس دن پتہ نہیں کیسے موت ال
لڑکے کو اس مکان میں لے گئی اور وہ آدم خور چوہے اسے
بھی کھا گئے۔ یہ لڑکا شہر کے امیر ترین شخص سٹرونگ کا کھانا
بیتا ہے۔ ہم نے خاص آپریشن کر کے ان چوہوں کو مار دیا
ہے۔ جو تعداد میں کافی زیادہ تھے مگر ہم نے حکمت عملی الکا
بنائی کہ انہیں ختم کر دیا۔

اعلیٰ آفسر نے جوزف کو شاباش دی۔ جوزف انہو
کے ساتھ آفس سے باہر نکل کر سکون سے سگریٹ پینے لگا۔

اگر وہ اپنے باپ کا قصہ آج تمام کر دیتا تو ظاہر کی
بات ہے کہ وہ اکلونی اولاد تھا اور وہ تمام جائیداد اور کاروبار
کا مالک بن جاتا۔

اس کا باپ اپنی زندگی میں اسے اب پھوٹی کوڑی نہ
دیتا تھا۔ جس کی صاف وجہ یہ تھی کہ وہ روزانہ شراب پیتا اور
بہت سی لڑکیوں سے ناجائز رشتے رکھتا تھا۔ جس کو غصے میں
شراب کی طلب اور بڑھ گئی۔ وہ سیدھا شراب بار کی طرف
چل پڑا۔ اس کی قسمت اچھی تھی کہ شراب بار ابھی مکمل بند
نہیں ہوئی تھی ابھی وہ صرف لوگوں کو باہر نکال رہے تھے۔
اسے وہاں سے شراب مل گئی۔ وہ بوتل لے کر شہر کی گلیوں میں
چلتا رہا۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے۔ وہ بے
مقصد اور بغیر کسی منزل کا تعین کیے مسلسل پیدل چلتا رہا۔
رات بھی بہت اندھیری تھی آسمان پر گہرے بادل چھائے
ہوئے تھے اور ٹھنڈی ہوا جس کو بہت جھلی محسوس ہو رہی تھی۔
شہر بھر میں بجلی گئی ہوئی تھی ہر طرف اندھیرے کا راج تھا۔
جیس کو ملے چلتے چلتے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ وہ شہر سے باہر نکل گیا
ہے مگر وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ کس جگہ پہنچ گیا ہے۔ اچانک
بارش شروع ہو گئی۔ جس شراب کے نشے میں مکمل دھت ہو
چکا تھا۔ اچانک بجلی کوندی تو اسے ایک طرف مکان دیکھائی
پڑا اور اس کا دروازہ بھی آدھا کھلا ہوا تھا۔ جس فوری طور پر
اس طرف دوڑ پڑا۔ اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے مگر وہ کسی
طرح اس گھر میں داخل ہو گیا۔ مرکزی دروازے کے ساتھ
ہی برآمدہ تھا وہ جلدی سے برآمدے میں جا بیٹھا۔ اس نے
وہاں بیٹھ کر سکھ کا سانس لیا۔ اب نیند کا خمار اس پر چھانے لگا
تھا اور وہ وہیں لیٹ گیا اور ہوش و خرد کھو بیٹھا۔ چند ثانیوں
بعد اسے یوں محسوس ہوا جیسے کسی چیز نے اسے کاٹا ہے وہ نیند
سے بیدار ہوا تو برآمدے میں مکمل اندھیرا تھا مگر اسے
اندھیرے میں زرد زرد اور سرخ سرخ سے چمک دار ننھے ننھے
سے گول دائرے ضرور دکھائی پڑے جو کبھی دور جا رہے تھے
اور کبھی نزدیک آ جاتے تھے۔ جس ابھی اسی سوچ میں غرق
تھا کہ یہ کونسا جانور ہو سکتا ہے۔ اسی اثنا میں اس کے بائیں
بازو پر دھنسا کسی جاندار چیز نے اب کی بار اس زور سے کاٹا
کہ اس کی چیخ نکل گئی اور اس نے ہاتھ زور سے جھٹکا۔ وہ
جاندار چیز دیوار سے جا گرائی اور پھر اس کے جسم کے مختلف
حصوں سے درد کی ٹھیس اٹھنے لگی وہ گہرا کر باہر کی طرف



بڑی عجیب ہے کتاب زندگی
بڑی مختصر و طویل تر
کچھ پایا کچھ کھودیا
کبھی دیکھ کر کبھی روایا
وہ کہانیاں تھیں جو تیری
چاہئیں وہ باب سارے
تھو گئے نہ کبھی تم نے
نہ کبھی خود سے ضم
ہم نے اب نہ وہ وقت ہے
نہ وہ شباب نہ رت اک ڈھلنی
ہوئی شام ہے اک بجھتا ہوا
جراس شب

(عظمیٰ بلوچ - حیدر آباد)

کبھی نیگوں شام کی دھند میں
سہمی ہوئی وہ آئی

اور

آ کر کے

کس لئے زرد لہجوں کی دہلیز پر

ہو بیٹھے آؤ چلیں

تمام لوگ مرا تھ

آؤ میرے ساتھ

ہم ڈھونڈیں گے اس کو لہجوں کے گرداب میں

چاند کے خشک ہونٹوں کے صحرائے بے آب میں

زر فشاں روشنیوں کی پاتال میں

اور مدد و سال میں

میں بتاتا ہوں اس کو لہجوں کی گرداب میں

اترا ہے جو بھی وہیں کا ہوا

اور مہتاب کے خشک ہونٹوں کے صحرائے بے آب میں

جو ہوا سفر پر روانہ

وہ تو سلسلے بھول کر قطرہ آب کی جستجو میں مرا

زر فشاں روشنیوں کے پاتال کا
اور مدد و سال کا
وہ تو اک ہے گند بے صدا
وہ تفصیل ہے نہیں
مجھے ہے پہچانی کراؤ چلیں
ڈھونڈتا ہوں میں
کبھی دل کے اندر کبھی دل کے باہر
کہ وہ ہے اک عجیب چیز
جو مجھے دکھاتی ہے مجھے چھٹی ہے
مگر جس کو میں نہیں دیکھ سکتا
(چوہدری قمر جہاں علی پوری ملتان)

ساتھ روتی تھی میرے ساتھ ہنسا کرتی تھی
وہ لڑکی جو میرے دل میں بسا کرتی تھی
میری چاہت کی طلبگار تھی اس درجے
وہ مصلے پر نمازوں میں دعا کرتی تھی
ایک لمحے کا بچھڑنا بھی گوارا نہ تھا اس کو
روتے روتے وہ مجھ سے کہا کرتی تھی
روگ دل کا جو لگا بیٹھی تھی انجانے میں
میری آغوش میں مرنے کی دعا کرتی تھی
بات قسمت کی تھی کہ دور ہو گئے ہم
ورنہ وہ مجھے اپنی تقدیر کہا کرتی تھی
(محمد فرمان - لاہور)

تم ساتھ دو گے تو سنو جاؤں گے
ورنہ دنیا کے تھیرنوں میں بکھر جائیں گے
تم ساتھ نہ دو گے تو کدھر جائیں گے
ریزہ ریزہ ہو کے بکھر جائیں گے
تم ہی منزل تم ہی زندگی ہو
تم سے بچھڑ کے میری جان مر جائیں گے
واپسی جہاں سے نہیں ممکن
تیرا ساتھ نہ ہوگا ایسے سفر جائیں گے
دو اپنی پانیوں کا سہارا ہم کو
ورنہ تیری قسم بے موت مر جائیں گے
(ماریہ فرمان - لاہور)

جدا تو ہو رہے ہیں تجھ کو ہر بل یاد آؤں گی
یار آئے گی جب بریس گے بادل یاد آؤں گی
بچھڑ کے ریت ہو جائیگے تیرے حوصلوں کے سنگ
بھلاؤ چاہے جس درجے مسلسل یاد آؤں گی
ابھی جو ساتھ ہوں تو اہمیت کوئی نہیں میری
تیری آنکھوں سے ہو جاؤں گی اوجھل یاد آؤں گی
بھرے گا کون تیرے زخم یوں احساس کے مرہم سے
لگے گی چوٹ جب بھی ہو گے کھانک تو یاد آؤں گی
ابھی تو خشک ہے تیری طبیعت کی زمیں پر ہر ایک
تیری آنکھیں ہوئی جل تھل میں جس بل یاد آؤں گی
(عجبت غفار - کراچی)

آسانشوں نے زیت کو دشوار کر دیا
انسان کو انسان سے بیزار کر دیا
ہمدرد جن کو جانا تھا جن سے امید تھی
قصر امید انہوں نے ہی مسمار کر دیا
یا رب عطا ہو پہلا سا اخلاص و سادگی
اس طرز نو نے برسر پیکار کر دیا
خوش حال ہو کے ہو گئے انہوں سے گریزاں
ماضی کو بھولے حال نے سرشار کر دیا
بھولے ہوئے ہیں جذبہ صدق و خلوص کو
بدلی نظر نے انہوں کو اغیار کر دیا
ہے زور و زرقہ ناز مروت سے بے نیاز
کون دکن تری طرح کا تھا؟
کیا ہوگا جو محروم کو بیدار کر دیا
نیر یہی سرشت زمانہ ہے شیت
تم نے تو اپنے فرض کا اظہار کر دیا
(امان اللہ نیر شوکت - لاہور)

بہت پہلے ہم سرور تھے
نہ بے شکس تھے نہ مجبور تھے
نہ تھا ہم پر ہیردنی بوجھ تھے
اپنے اندر خود سرور تھے
خوں ہو گیا ہے ارزاں بہت
قتل ہو گیا ہے آساں بہت

فرشتوں نے پہلے ہی کہا تھا
خون بہائے گا انسان بہت
(شبلا کرن طلعت - کراچی)

تیری تمنا نہ کرتے یہ حال نہ ہوتا
محبتوں میں یوں بھی زوال نہ ہوتا
کہنے کو کبھی اپنے تھے جہاں میں
مہلکا ہوا تیری آنکھوں میں کاہل نہ ہوتا
وہ گئے سائے اور سہارا کوئی نہیں
آساں پہ گھر گر جتا ہوا بادل نہ ہوتا
فریب کھا مجھے تھے کسی کی اداؤں سے ہم
جوڑے میں کسی کے مہلکا ہوا پھول نہ ہوتا
تیری یادوں کا یاد آتا ہے جب بھی زمانہ
اواس گزرا ہوا یوں بھی سال نہ ہوتا
تلاش تھی جس کی وہ ملنا نہیں جاوید
دل کسی کی یاد میں غزال نہ ہوتا
(محمد اسلم جاوید - فیصل آباد)

کاش ہم کل کے زندگی کرتے
عمر گزری ہے خودکشی کرتے
جلیاں اس طرف نہیں آئیں
وہ ہم گھر میں روشنی کرتے
کون دکن تری طرح کا تھا؟
ہم کس سے دوستی کرتے؟
بھگے کتے چاند سے چرے
بدل کے صحرا میں چاندنی کرتے
عشق اجرت طلب نہ تھا ورنہ
ہم ترے در پہ نوکری کرتے
اس تمنا میں ہو مجھے رسوا
ہم بھی جی بھر کے عاشقی کرتے
حسن اس کا نہ کل سکا حسن
تھک مجھے لوگ شاعری کرتے
(انتخاب - عامر مشتاق - قصور)

شیطانی عمل

آصفہ سراج - لاہور

اس کی شخصیت ایسی متاثر کن تھی کہ سامنے موجود بندہ خود بخود نظر جھکانے پر مجبور ہو جاتا اور جسم میں کپکپی سی محسوس کرنے لگتا تھا دوسری طرف جب نادر شاہ کی پہلی نظر اس حسین پیکر پر پڑی تو ایک پل کے لیے وہ اپنی ہلکیں تک جھپکنا بھول گیا۔

سفر سطر دل و دماغ کو گھجھوڑتی تا قابل فراموش انجام کی ایک دلچسپ اور دل گرفتہ کہانی

رات کافی بیت چکی تھی بلوچستان کے ایک دور افتادہ پہاڑی علاقے کندھ ڈھکا میں مشہور سٹفل عامل نادر شاہ اپنی خوابگاہ کے بستر پر لیٹا نیند کا انتظار کر رہا تھا مگر نیند تھی کہ اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی جب وہ کروٹیں بدل بدل کر اکتا گیا تو اٹھ کر اپنی رہائش گاہ میں ہی بنے ایک وسیع تہہ خانے میں چلا آیا تہہ خانے کی میڑھیاں اتر کر وہ ایک بڑی شیطانی مورتی کے سامنے آ کر کھڑا ہوا اور بڑی عقیدت سے اس مورتی اور اس کے دونوں ہاتھوں میں جلتے دیوں کو دیکھنے لگا نادر شاہ نیم تاریکی میں آگے بڑھا اور اس شیطانی مورتی کے قدموں کو بوسہ دینے کے لیے قریب ہی پڑا ایک خنجر اٹھایا مورتی کی طرف دیکھ کر زیر لب کچھ بڑبڑایا اور پھر اپنی کلائی پر ضرب لگا دی ضرب لگتے ہی اس کی بائیں کلائی سے خون کا فوارہ پھوٹ پڑا اس نے جھٹ سے اپنا بازو مورتی کے دائیں ہاتھ میں رکھے دیے کی طرف بڑھایا کلائی سے نکلنے لہو کی پہلی بوند دیے میں ٹپکنے کی دیر بھی کہ مورتی کی بائیں آنکھ سرخ انگارے کی طرح دھنکے لگی لہو کے چند قطرے اس دیے میں ٹپکانے کے بعد اس نے اپنا بازو بائیں دیے کی طرف بڑھایا اور پھر اس میں لہو ٹپکانے لگا لہو ٹپکتے ہی

دوسری آنکھ بھی دھنکے لگی۔

نادر شاہ نے وہ خنجر دوبارہ مورتی کے قدموں میں رکھ دیا اور بڑی عقیدت سے اس کے قدموں میں بیٹھ کر آنکھیں موند لیں اور ایک خاص منتر کا جاب کرنے لگا تم نے ہمیں کیوں یاد کیا ہے نادر اچانک مورتی کے ہونٹوں میں جنبش ہوئی اور ایک غضب ناک آواز اس تہہ خانے میں پھیل گئی آواز اتنی ہیبت ناک تھی کہ اگر کوئی کمزور دل شخص یہ آواز سن لیتا تو اس کا دل دھڑکنا بھول جاتا میرے آقا آپ تو مجھے ہر وقت یاد رہتے ہیں میں آپ کی یاد سے غافل ہو جاؤں یہ بھلا کیسے ممکن ہے نادر شاہ نے نہایت عقیدت اور احترام سے جواب دیا بس بس زیادہ باتیں نہ بناؤ اور اپنا دعا بیان کرو، میرے آقا میں اس تہائی کی زندگی سے تنگ آچکا ہوں میں چاہتا ہوں کہ میری بھی اولاد ہو میرا بھی کوئی وارث ہو میرے بھی بیوی بچے ہوں جو بڑھاپے میں میرا سہارا بن سکیں۔

آپ کو یاد ہے نا آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ آپ میری شادی ایلیس کے خاندان کی ایک کنواری جن زادی سے کروائیں گے اور ساتھ ہی آپ نے مجھے یہ بھی بشارت دی تھی کہ اس کے لپٹن سے جنم



لینے والے میرے وارث میں انسانوں اور جنات دونوں کی خصوصیات ہوں گی وہ انس و جن دونوں سے کہیں زیادہ طاقتور اور شیطانی قوتوں کا بے تاج بادشاہ ہوگا میں چاہتا ہوں کہ اب آپ مجھ سے کیا ہوا اپنا وعدہ پورا کریں اور میری شادی کا بندوبست کر دیں تاکہ میں اس کے بطن سے اپنا وارث پیدا کر سکوں اپنی اولاد کو دیکھنے کے لیے اب میں مزید صبر نہیں کر سکتا میں اپنی زندگی کے 40 سال صرف اور صرف آپ کی خوشنودی کے لیے وقف کر کے صبر کرتا آیا ہوں لیکن اب میں باپ بننے کی اپنی ان فطری خواہش کو مزید نہیں دبا سکتا مجھ پر رحم کریں میرے آقا۔

نادر تم جانتے ہو نا کہ ابلیس کے والد کا چہرہ شیر کی طرح اور والدہ کا چہرہ بھیڑیے کی طرح تھا لہذا علم قیافہ کی رو سے ابلیس اور اس کی نسلوں میں دونوں خصوصیات پائی جاتی ہیں لہذا وہ بھی اپنے اباؤ اجداد کی طرح نہایت خود سرکش اور مکار اور انتہائی طاقتور ہیں اور چونکہ وہ جنات ہیں تو اس طرح سے نہایت خود غرض فریبی اور دھوکے باز بھی ہیں اس لیے میری بات مانو اور تھوڑا سا صبر کرو ابھی تم اتنے طاقتور نہیں ہو کہ ایک جن زادی اور خاص کر ایک ابلیس زادی کو اپنے زیر رکھ سکو۔

ابلیس زادی کو اپنی بیوی بنانے اور اس سے جنسی تعلق قائم کرنے کے لیے بڑا دل گردہ اور بے پناہ جسمانی طاقت کے ساتھ ساتھ سفلی طور پر مضبوط ہونا بھی ضروری ہے تمہیں ابھی مزید چلے کسی کر کے ہمارے آقا ابلیس کی عبادت کرنی ہوگی۔ تم ابھی شیطانی طاقتوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتے انہیں اپنے اعمال سے خوش کر کے یہ باور کرانا ہوگا کہ تم واقعی ایک ابلیس زادی کے قائل بن چکے ہو، شیطان کو راضی کرنا بہت مشکل عمل ہے۔

مجھے نہیں لگتا کہ تم یہ سب کر پاؤ گے وہ غضبناک شیطانی آواز پورے تہہ خانے میں کسی شیر کی دھاڑ کی طرح گونج رہی تھی میں سب کچھ

کرنے کو تیار ہوں میرے آقا آپ بس مجھے راستہ دکھائیں نادر شاہ پر غم تھا میرے آقا میں ہر طرح کی قربانی دینے کے لیے اور ہر کٹھن پر یکٹھ سے گزرنے کو تیار ہوں۔

آقا شیطان کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے آپ جو شیطانی عمل کہیں میں کرنے کو تیار ہوں چاہے جتنی بڑی بلی کیوں نہ دینی پڑے میں اس کے لیے بھی تیار ہوں آپ بس راستہ دکھائیں اس پر چلنا میرا کام ہے آپ جو کہیں میں گزروں گا تم بڑے خدی ہو نادر۔۔۔ جب تم ارادہ کر لو تو کسی صورت باز نہیں آتے مجھے پتہ تھا کہ تم آج بھی میری ایک نہیں مانو گے اگر تمہیں یقین ہے کہ تم واقعی یہ سب کچھ کر سکتے ہو تو پھر ٹھیک ہے میری بات غور سے سنو۔ سات راتوں تک سو روج ڈھلنے کے فوراً بعد سے سورج کی پہلی کرن نکلنے تک یہیں اس جگہ برہنہ کھڑے رہ کر ناپاک حالت میں تمہیں اسی شیطانی مٹر کا جاب کرنا ہوگا جو ہم نے تمہیں پہلی ملاقات میں از بر کرایا تھا تم یہ عمل کسی بھی قمری مینے کی آخری سات راتوں میں کر سکتے ہو۔۔۔ اگر تم اپنی اس پریکٹس میں سہل ہو جاتے ہو تو اس کے بعد تمہیں ایک اور شیطانی عمل سے گزرنا ہوگا اس عمل کو مکمل کرنے کے لیے تمہیں ایک ادھیڑ عمر عورت کی مدد درکار ہوگی لیکن یہ عورت انتہائی حسین و جمیل اور نسوانی حسرت کا شاہکار ہونی چاہیے وہ عورت جتنی حسین ہوگی اس میں تمہارا ہی فائدہ ہے کیسا فائدہ میرے آقا نادر شاہ نے تجس بھرے لہجے میں سوال کیا۔

وہ فائدہ ہم تمہیں وقت آنے پر بتا دیں گے ابھی آگے کی بات سنو تمہیں اس خوبصورت عورت کو اس بات کے لیے راضی کرنا ہوگا کہ وہ اپنے ہاتھوں سے میری اسی مورتی کے سامنے اپنے شوہر کا بلیڈان دے اور پھر وہ عورت 40 دنوں تک اپنی مرضی سے تمہارے ساتھ جنسی تعلق قائم کیے رکھے یا درکھنا عورت کا انتہائی حسین و جمیل ہونے کے ساتھ ساتھ اس کا

ادھیڑ عمر ہونا بھی انتہائی ضروری ہے ورنہ تمہاری ساری محنت بیکار ہو جائے گی بس ابھی تم اس سب کا انتظام کر دو بانی کا عمل تمہیں بعد میں بتاؤں گا۔

ٹھیک ہے میرے آقا کام مشکل ہے مگر میں ہر پریکٹس سے گزرنے کے لیے تیار ہوں نادر شاہ عقیدت سے اپنا سر جھکائے اس شیطان کو اپنے جذبے کی چنگی کا یقین دلانا تھا۔

اب میرے جانے کا وقت ہو چکا ہے تم جاؤ اور اپنے کام پر لگ جاؤ اتنا کہنے کی دیر بھی کی شیطانی مورتی کی چنگی آٹھیں ایک دم سے ماند پڑ گئیں نادر شاہ نے اپنا جھکا ہوا سر اٹھا کر مورتی کی طرف دیکھا اور پھر اپنی خوابگاہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

☆.....☆.....☆

اس کا نام شبنم تھا وہ نہ صرف انتہائی حسین و جمیل تھی بلکہ غیر معمولی کشش کی حامل بھی ایسا برشاہ سحر انگیز بدن جو دیکھنے والوں پر بحر طاری گردیتا تھا جوانی اپنی جگہ ایک حسن ہے اگر حسن شباب کے دنوں میں آجائے تو قیامت مجسم ہو جاتی ہے۔

اس کا حسن بھی ایک جہاں شرارہ تھا جب کبھی وہ سراہ گزرتی تو مرد اسے دیکھ کر آہیں بھرنے لگتے اور یوں کہتے کی سی کیفیت میں رہ جاتے کہ جیسے ان پر کوئی بجلی آگری ہو۔ تڑپتی نگاہیں ایک لمحے کے لیے بھی اس کے وجود سے نہیں ہٹتی تھیں وہ تھی ہی اتنی دلربا کہ ہر مرد اسے دیکھ کر دیوانہ سا ہو جاتا تھا اور فضا میں پھیلی اس کے بدن کی خوشبو کو اپنی روح میں اترتی محسوس کرنے لگتا تھا بھرا بھرا جسم گداز چھائیاں سیاہ لمبے بال نیلی آنکھیں گوری رنگت اور اوپر سے قہر ڈھاتی بھرپور جوانی افسانہ فلفلف وہ اپنے آپ میں چلتی پھرتی قیامت تھی۔

مگر غربت کے بھی اپنے ہی ڈھنگ ہیں وہ شبنم جسے کسی جنگل کی شان و شوکت ہونا چاہے تھا اسے ایک مزدور سے زیادہ دیا گیا، جہاں شبنم ایک جہاں نگارہ

تھی وہیں اس کا شوہر مرل سامحہ سے نظر آتا تھا اگر شبنم اور اس کا شوہر کبھی ایک ساتھ چل پڑتے تو دیکھنے والوں کو یوں لگتا تھا جیسے کی تر تازہ گلاب کے گرد کوئی سڑیل لمبی منڈلا رہی ہو۔۔۔۔۔ شادی کے پہلے دن سے ہی اسے اپنے شوہر کا مران سے نفرت تھی اور بھلا نفرت ہوتی بھی کیوں نہ۔۔۔۔۔ اس نے جب سے اپنے غریب ماں باپ کے ہاں ہوش سنبھالا تھا اپنے لٹکوں میں رہنے کے ہی خواب دیکھتی تھی جتنی وہ حسین تھی اس نے تو سوچا تھا کہ کسی زید اور گمرانے کی بیوی بنے گی۔۔۔۔۔ اور وہ ساری زندگی بخش کرے گی مگر ہائے ری قسمت اس کے نصیب میں تو ایک بے روزگار مزدور کا ساتھ لگتا تھا جس کے نہ کوئی آگے نہ کھانہ پیچھے۔

خیر 16 سال کی عمر میں شادی ہوئی تو اس نے اپنے ارمانوں کا گھاگھٹ کر مہر کا گھٹن پٹی لیا اور جیسے تیسے کر کے گزر بسر کرنے لگی۔۔۔۔۔ اور یوں ہی چل چلی مرتے دس سال گزر گئے، اب اس کی عمر 26 سال ہو چکی تھی مگر ابھی تک وہ ماں بننے کی خوشی سے محروم تھی ایک تو غربت اور اوپر سے بے اولاد کی ذلت نے اس کی مت مار رکھی تھی میاں بیوی کے آپسی تعلق سے کٹیدہ تھے کہ جب بھی فائدہ اس کے قریب آتا تھا وہ وہ بس ایک زندہ لاش کی طرح اس کے سامنے بچھ جاتی تھی۔ اس دوران اسے یوں محسوس ہوتا تھا کہ جیسے کوئی نجس جانور اس پر چڑھوڑا ہو۔۔۔۔۔ قربت کے لیے چند لمحے اس کے لیے کسی جان لیوا ذیت سے کم نہیں ہوتے تھے اسے سمجھانے والا تو کوئی تھا ہی نہیں چنانچہ سالوں سے اس کی جی روش تھی حقیقت تو یہ تھی کہ شریعہ دن سے ہی اسے اپنے شوہر کا مران سے نفرت تھی۔۔۔۔۔ اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ نفرت مزید منڈور ہوئی تھی۔

اب 10 سال گزر جانے کے باوجود بھی ان کا تعلق ایک چھت کے نیچے رہنے والے دو اجنبیوں جیسا ہی تھا جبکہ اس کا خاندان دل کا بہت اچھا تھا اور اس کی

خوشی کے لیے ہر ممکن کوشش کرتا تھا چاہے خود بھوکا سو جاتا مگر اسے کبھی بھوکا نہیں سونے دیتا تھا چاہے خود عید تہوار پر پہنچے کپڑے میں گزارا کر لیتا۔۔۔۔۔ مگر سال میں دو چار مرتبہ شہینہ کے لیے نئے کپڑے ضرور لے کر آتا تھا غرض اپنی طرف سے پوری کوشش کرتا تھا کہ شہینہ کو کسی چیز کی کمی نہ محسوس ہونے پائے یہی وجہ تھی کہ شہینہ آج پہلے سے بھی کہیں زیادہ حسین اور جاذبِ نظر تھی وہ آج بھی کسی تر و تازہ پھول کی مانند محسوس کی جا رہی تھی۔

کامران نے اپنے آپسی تعلقات کو سدھارنے کے لیے باورِ شہینہ کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن وہ اس سے مس نہ ہوئی بے اولاد ہونے کے باوجود بھی کامران بیبیوں مرتبہ اسے ڈاکٹر نے کے پاس بھی لے کر گیا ادویات بھی لے کر دیں مگر مسئلہ جوں کا توں رہا۔۔۔۔۔

آخر غریب اور بے روزگاری کے ڈسے مرد نے حالات کے ہاتھوں ہار مان لی اور دعاؤں پر ہی اکتفا کرنے لگا دوسری طرف کسبِ حسی اور بے اولاد کی ذلت نے شہینہ کو اپنے شوہر سے متفر کر دیا وہ اپنے سامنے اے مانوں کے کل کا مذہ دار کامران کو ہی سمجھتی تھی اس لیے ہر وقت شوہر سے کبھی ی رہتی تھی۔۔۔۔۔ پیٹھے کے لحاظ سے کامران ایک مزدور تھا نفل وقت وہ اپنے گاؤں سے دور شہر میں ایک دکان پر ملازم کی حیثیت سے کام کر رہا تھا صبح کا گیا شام کو گھر آتا تھا ایک تو وہ اپنے ماں باپ کا اکلوتا بیٹا تھا جو کسی دور میں کہیں سے آکر اس گاؤں میں بس گئے تھے اسی لیے اس گاؤں میں اس کا کوئی قریبی رشتہ دار بھی نہیں تھا اور ماں باپ کی موت کے سبب بچپن سے ہی کام میں لگ جانے کی وجہ سے قرب و جوار میں اس کا کسی سے بھی یار اند نہ تھا۔۔۔۔۔ ہاں البتہ کامران کے چلے جانے کے بعد شہینہ کبھی کبھار وقت گزاری کے لیے میسائیوں کے ہاں جوتی تھی اس کے علاوہ اس کی بھی کوئی خاص سماجی زندگی نہیں تھی۔

☆.....☆.....☆

دورِ گاہ کے اندر بنے ایک مخصوص کمرے میں

داخل ہوئی تو بازو کے نیچے تک لگا کر دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھے نادر شاہ کے پر جلال اور دبے سے متاثر ہوئے بنانا رہ سکی۔ نیم تاریک کمرے میں ایک عجیب سی خوشبو پھیلی ہوئی تھی جو کہ نتھنوں کے ذریعے دماغ تک حلول کر رہی تھی شاید اسی سراسر خوشبو کی وجہ سے اس پر غنوں کی سی طاری ہونے لگی اور یوں لگتا تھا جیسے اس کے سارے دکھ درد کچھ دیر کے لیے کہیں دیک کر بیٹھ گئے ہیں۔ کمرے کی مغربی دیوار پر رنگی الماریوں بے شمار کرتا ہیں بڑی شانسی سے رکھی ہوئی تھیں کمرے کا فرش دیز قالیں سے آراستہ تھا اور دیواروں کے ساتھ ساتھ گاؤں کیے لگے ہوئے تھے۔۔۔۔۔ کمرے میں نیم تاریکی کے باوجود سیاہ لباس میں ملبوس نادر شاہ کا پر جلال چہرہ واضح طور پر دیکھا جا سکتا تھا چہرے پر لمبی سیاہ داڑھی اور لمبی مونچھیں سر پر کچی سیاہ پگڑی، جو اس کی لمبی زلفوں کو ڈھانپے ہوئے تھی دونوں ہاتھوں کی انگلیوں میں کچی قیمتی انگلیوں لگے میں جھلکتی چاندی کی جس میں ایک بڑا سیاہ نگینہ منڈھا ہوا تھا گوری رنگت اور موٹی موٹی رعبدار سرخ آنکھیں فردا مگر مضبوط جسم اس کی شخصیت کا خاصہ تھے۔

اس کی شخصیت ایسی متاثر کن تھی کہ سامنے موجود بندہ خود بخود نظر جھکانے پر مجبور ہو جاتا اور جسم میں کچھ سی محسوس کرنے لگتا تھا دوسری طرف جب نادر شاہ کی پہلی نظر اس حسین پیکر پر پڑی تو ایک پل کے لیے وہ اپنی پلکیں تک جھپکنا بھول گیا اس ہوشربا نے اپنے پھول دار دوپٹے کا ایک پلو خاص انداز میں اپنے سرخ ہونٹوں میں دبا رکھا تھا جس سے چہرے کا ایک رخ پوشیدہ ہو گیا تھا شاید اسی ادھورے نقاب کا ہی اثر تھا کہ نادر شاہ جیسے مضبوط اعصاب کے مالک شخص کا ذہن بھی ان سرخ ہونٹوں کے درمیان بھٹک کر رہ گیا یہاں بیٹھ جا۔ نادر کی رعب دار آواز سننے ہی اس کی ٹانگیں کا پینے لگیں اور اعصاب میں خوف کے جھلک چلنے لگے۔

پھر جیسے تیسے اس نے خود کو سنبھالا اور لرزتی

ہاتھوں کے ساتھ اس کے سامنے بیٹھ گئی بولو کیا کہنا چاہتی ہو وہی رعب دار آواز ایک بار پھر اس کی ہاتھوں سے نکلانی تو وہ گردن ادھر ادھر گھبرا کر معنی خیز نظروں کے ساتھ نادر شاہ کے ساتھ بیٹھے ایک شخص کو گھورنے لگی باہر چلے جاؤ نادر شاہ نے اس کی بات کو سمجھ لیا تھا اس لیے اپنے ساتھ بیٹھے چلے کو باہر جانے کا حکم دے دیا نادر شاہ کا حکم سننے ہی وہ فوراً اٹھا اور کچل ہوئی نظروں کے ساتھ کمرے سے باہر نکل گیا۔

بتا کیا پریشانی ہے چلے کے چلے جانے کے بعد نادر شاہ نے اس کے بچکانہ انگیز سراپا کو گھور کر دیکھا تو شہینہ کو اس کی نظریں اپنے جسم کے آ رہا ہوتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ پیر سائیں وہ۔۔۔۔۔ وہ۔۔۔۔۔ جیسے۔۔۔۔۔ وہ۔۔۔۔۔ جیسے ہی بولنے کے لیے لب داہوئے نقاب خود بخود نیچے کو سرک گیا اور وہ کوئی قابلِ فہم جملہ ادا کرنے سے قاصر تھی یہ لویہ پانی پی لو۔۔۔۔۔ اور پھر آرام سے بتاؤ کہ کیا مسئلہ ہے نادر شاہ نے پانی کا ایک گلاس اس کی طرف بڑھاتے ہوئے اس کے خوبصورت چہرے پر لچھا ہٹ بھری نظر ڈالی۔ اور پھر اس کی نیلگوں آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بڑی اپنائیت سے پانی کا گلاس اس کی طرف بڑھا دیا۔۔۔۔۔ اس سر تا پا قیامت نے پانی کا گلاس پکڑنے کے لیے نادر شاہ کی طرف ہاتھ بڑھایا تو ایک نادر شاہ کی نظریں اس کی خوبصورت مخروطی انگلیوں پر جم گئیں۔ پانی کا گلاس پکڑتے ہی اس نے گھبرا کر اپنا دوپٹہ سیدھا کیا اور نظر جھکا کر پانی پینے لگی پانی کا گلاس ختم کر کے ایک طرف رکھتے ہوئے اس نے دوبارہ نادر شاہ کی طرف دیکھا تو وہ اب بھی بیٹھا اس کے ہاتھ کو ہی گھور رہا تھا پھر دونوں کی نظریں ملیں تو نادر شاہ نے آنکھ کے اشارے سے اسے بولنے کا حکم دیا اور ساتھ ہی سوال کر بیٹھا کیا نام ہے تمہارا؟

جی وہ پیر سائیں میرا نام شش۔۔۔۔۔ شہینہ ہے۔۔۔۔۔ اس نے گھبراتے ہوئے جواب دیا ماشاء اللہ بہت خوبصورت نام ہے تمہارا دیکھو تمہیں ہم سے

گھبرانے یا پچکانے کی قطع ضرورت نہیں ہے۔۔۔۔۔ ہم تو یہاں بیٹھے ہی مسائل کے حل کے لیے ہیں اس لیے جواب دیتے وقت پرسکون رہو تاکہ ہم آسانی سے تمہاری بات سمجھ سکیں جی بہتر سائیں مگر کار چلو جلدی بتاؤ کہ تم کہاں سے آئی ہو اور پھر ساتھ ہی اپنا مسئلہ بھی بیان کر دو تاکہ باہر انتظار میں کھڑے دوسرے لوگوں کو بھی اپنے مسائل بیان کرنے کا موقع مل سکے سائیں میں ساتھ والے گاؤں رجھانی سے ہوں میری شادی کو 10 سال گزر چکے ہیں بہت سے بھیسوں اور ڈاکٹروں کو بھی دکھایا مگر ابھی تک اولاد بھی نخت سے محروم ہوں میرے شوہر کا کام بھی کچھ خاص نہیں چلتا ہم میاں بیوی بہت تنگدستی سے گزارا کر رہے ہیں پہلے ہمارے حالات کچھ بہتر تھے مگر اب صورتحال بگڑتی چلی جا رہی ہے۔ میرا خاندان بھی اب مجھ پر توجہ نہیں دیتا اور اولاد نہ ہونے کی وجہ سے دل برداشتہ سا رہتا ہے میں بڑی آس امید لے کر آپ کے آستانے پر آئی ہوں اصل میں میری ایک جاننے والی نے مجھے بتایا تھا کہ صرف آپ ہی ہیں جو میری پریشانی دور کر سکتے ہیں اس لیے میں پہلی فرصت میں یہاں چلی آئی ہوں اگر آپ میرا مسئلہ حل کر دیں تو آپ کی بہت مہربانی ہوگی سائیں میں حالات اور دکھوں کی مادی ہوں میرے پاس تو آپ کو نذرانہ دینے کے لیے بھی دعاؤں کے سوا کچھ نہیں ہے۔

دورِ دہائی آواز میں اپنا مسئلہ بیان کرتی گئی۔ ٹھیک ہے تم بے فکر ہو جاؤ پہلے ہم تمہارا حساب کتاب لگائیں گے ستاروں کا حال معلوم کریں گے اس کے بعد ہی تمہارے مسائل کا حل کریں گے تم اپنا اور اپنے شوہر اور اس کی ماں کا نام ہمارے چیلے کو لکھو اور ہم آج رات ہی تمہارا حساب کریں گے کیا تم کل دوبارہ آ سکتی ہو اپنی رعب دار نظر شہینہ کی چھاتیوں پر جماتے ہوئے نادر نے پوچھا۔

جی جی سائیں آپ جب کہیں میں آ جاؤں گی جواب دیتے وقت شہینہ نے نظریں اٹھا کر دیکھا تو اسے سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ نادر شاہ اس کی چھاتیوں پر اپنی

آنکھیں سیک رہا ہے ٹھیک ہے کل صبح ہی آ جانا ہم تمہارا انتظار کریں گے جواب دیتے وقت نادر نے شینہ کی آنکھوں میں جھانکا تو دونوں کی نظریں چار ہو گئیں۔ چہرہ لکڑیوں میں ایک سکوت سا چھایا رہا اور پھر جھجھلا کر شینہ نے نظریں جھکالیں اب میں چلتی ہوں میری سائیں کل صبح آؤں گی یہ کہہ کر شینہ اپنی کلانیاں دیکھ کر تالین پر رکھ کر سہارا لیتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی تو اس کے سینے سے دو پٹہ سرک گیا۔ سامنے بیٹھے نادر شاہ کی نظر اس کے ٹٹلی سینے پر ہی جمی ہوئی تھی دو پٹہ ہنسنے سے جو نظارہ اس نے دیکھا کیا ایک اس کے ہوتوں پر مکار مسکراہٹ پھیل گئی شینہ کھڑی ہونے کے بعد واپسی کے لیے چلتی تو نادر آنکھوں میں خمار لیے اس کی پشت کو نہایتار پاپا۔ چلتے وقت فریہ کو لمبے پیمانہ انگیز پنڈ لیاں یوں تھل تھل کر رہی تھیں کہ جیسے کسی خوبصورت جمیل کی لہروں نے اچانک غلام برپا کر دیا ہو۔

کمرے سے نیچے آتے سیاہ لمبے بال اس کی چال کو حیرت محور کن بنا رہے تھے۔ اس کی اداؤں اور جسم کی رعنائیاں کا خراج تار تار تھا کہ نادر شاہ جیسا ادھیر عمر شخص بھی اس شر سے مغلوب ہوئے بنا نہ رہ سکا۔ شینہ کمرے کے دروازے پر لگا پردہ اپنی خردلی انگلیوں سے ہٹاتے ہوئے باہر نکل گئی تو نادر شاہ کافی دیر تک اس پردے کو گھورتا رہا ایک عجیب سی بے چینی تھی جو اس کی دھڑکنوں کو بے ربط کر رہی تھی۔ قوی اعصاب میں ایک جھکڑ سا چل رہا تھا اور جسم پر انجانی سی کچکی چادری تھی **اشفقت**۔۔۔ نادر شاہ نے ایک گہری سانس بھر کر اسے فضا میں خارج کیا تو بے سبب اس کے لیوں سے آواز برآمد ہوئی۔

چند ثانیوں بعد کمرے کا پردہ ایک بار پھر سے ہٹا اور نادر شاہ کا چہلا اندر آ کر اس کے ساتھ ہی بیٹھ گیا۔

☆.....☆.....☆

قبر کھودنا ہوئے ارشد کا جدی پشتی پیشہ تھا لیکن

پچھلے کچھ عرصے سے اس نے اپنے اس پیشے کو اندر کر دیا تھا ہوا کچھ یوں کہ چند سال پہلے اس کی جیتی بیوی صائمہ شدید بیمار پڑ گئی اور اس کام سے ایک تو پہلے ہی ان کی گزر بسر بڑی مشکل سے ہو رہی تھی اوپر سے جب بیوی بیمار ہوئی تو اسے بڑی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا یہاں تو پہلے ہی دو وقت کی روٹی کے لالے پڑے ہوئے تھے اوپر سے اتنی ہنگامی ہنگامی دوائیوں اور شہر آنے جانے کا خرچہ بھلا وہ کہاں سے برداشت کرتا چنانچہ اس کی بیوی ایک طویل مرض سے لڑتی بلاتر اپنی زندگی کی بازی ہار بیٹھی اس وقت اس کا اکلوتا بیٹا کمال بھی نا سمجھ اور کم عمر تھا۔

جب ان حالات سے گزر کر ارشد کو خود اپنی بیوی کی قبر کھودنا پڑی تو زندگی میں پہلی بار کسی کی قبر کھودتے ہوئے اس کے ہاتھ کانپنے آ کر جیسے تیسے اس نے اپنی بیوی کے لاشے کو دفن دیا پھر انہی دنوں جب ان نے اپنے اس پیشے کو ہمیشہ کے لیے خیر باد کرنے کا ارادہ کیا تو ایک دن شہر سے ایک بزنس مین اس کے پاس آیا اور اسے ایک پراسرار اور گھٹاؤنے کام کی ترغیب دیتے ہوئے بدلے میں بہت بڑی رقم کا لالچ دیا۔ یہی نہیں بلکہ اس کام کے لئے پہلے سے ہی خاصی رقم پیشگی کے طور پر بھی تہیاد دی بس پھر کیا تھا ارشد نے ایک بار پھر پھاڑ ڈالا اور کمال سنبھال لیا لیکن اب کی بار وہ مردے دفنانے کے ساتھ ساتھ انہیں دوبارہ نکالنے کا کام بھی کرنے لگا اور رات کی پراسرار تاریکی میں قبریں کھود کر مردوں کی ہڈیاں نکالتا اور پھر انہیں گوشت پوست سے صاف کر کے جمع کر لیتا ہفتے میں ایک بار وہ بزنس مین خود اس کے پاس آتا اور ایک خاصی رقم اس کی جھولی میں ڈال کر ہڈیاں لے جاتا ارشد نے پہلے تو یہی سوچ کر اس کام کی ابتدا کی تھی کہ کچھ رقم جمع ہو جانے کے بعد وہ یہ دھندا چھوڑ دے گا لیکن اب اسے اس کام کا ایسا چک پڑا تھا کہ وہ اسے چاہے کبھی ترک نہیں کر سکا اور پھر رفتہ رفتہ اس نے اپنے بیٹے کمال کو بھی کام میں شامل کر لیا۔

یہ دونوں باپ بیٹا نہیں جانتے تھے کہ وہ بزنس مین جس نے انہیں اپنا نام ہاشم بتایا تھا ان ہڈیوں کا کیا کرتا تھا ایک بار ارشد نے یوں ہی اس سے پوچھ لیا تھا کہ وہ ان انسانی ہڈیوں کا آخر کیا ہے ارشد مایوسانہ تم ان سب باتوں کو چھوڑو اور اپنے کام سے کام رکھو۔ ہاشم نے گھور کر اس قدر رکت کچھ میں اسے جواب دیا تھا کہ پھر دوبارہ کبھی ارشد اس سے کوئی سوال کرنے کی ہمت نہیں کر سکا شروع شروع میں تو وہ دونوں باپ بیٹے خوب مال جمع کر کے ہاشم کے حوالے کرتے رہے لیکن پھر رفتہ رفتہ یہ مال کچھ ناپید سا ہونے لگا۔ ظاہر ہے روز روز تو مردے دفن نہیں ہوتے جو مردے پہلے سے موجود تھے انہیں یہ باپ بیٹا نکال کر فروخت کر چکے تھے اور اب مال کا زیادہ تر انھار تازہ دفن ہو جانے والے مردوں پر ہی ہوتا تھا۔ پہلے پہل ان لاشوں کا ماس گوشت ادھیڑنے میں انہیں خاصی وقت کا سامنا کرنا پڑتا تھا لیکن پھر یہ مسئلہ بھی اس کے سمجھدار بیٹے نے ایک دن میں حل کر دیا۔

ہوا کچھ یوں کہ ایک مرتبہ ایک پرانی قبر کھودتے ہوئے کمال کو ایک خون خوار جانور کا پھل گیا اس جانور کا نام بھو تھا چلیں آج آپ لوگوں سے اس جانور کا تفصیلی تعارف بھی کروا دیتی ہوں تاکہ کہانی کو سمجھنے میں آسانی رہے بھو یہ ایک ممالیہ جانور ہے جو کہ پاکستان بھارت افریقہ یورپ عرب چین اور امریکہ کے جنگلوں صحراؤں پہاڑی علاقوں اور قبرستانوں میں پایا جاتا ہے اور زمین کے نیچے یلوں میں رہتا ہے پاکستان میں بھو کی تعداد نہ گھٹنے کے برابر ہے۔۔۔ لیکن پھر بھی کبھی کبھار کسی علاقے کے قبرستان یا ویرانوں کے ارد گرد ان کی موجودگی کی اطلاعات موصول ہو جاتی ہیں بھو عام طور پر رات کے وقت ہی اپنے بیل سے باہر نکلتا ہے اس کے بچے اور دانت اس قدر نوکیلے اور تیز ہوتے ہیں کہ منٹوں میں قبر کو پھاڑ کر اس میں سوراخ کر دیتا ہے اور ایک قبر سے سرنگ نکال کر دوسری قبر تک پہنچ جاتا ہے اکثر آپ لوگوں نے سنا

ہوگا کہ غلاں قبرستان میں مردے کھانے والی بلا آئی ہوئی ہے۔

دراصل وہ کوئی جن بھوت نہیں بلکہ یہی جانور بھو ہوتا ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ قبرستان میں سانپ اور گیزے کھڑے بھی ہوتے ہیں لیکن بھو ایسا جانور ہے جو قبرستان پر راج کرتا ہے جو قبرستان میں نئی میتوں کے انتظار میں پڑا رہتا ہے اور جوں ہی کوئی تازہ میت دفن کی جاتی ہے اس کی سوتھنے کی حس اسے مطلع کر دیتی ہے کہ اس کا شکار پہنچ چکا ہے یہ مردہ خور جانور تازہ تازہ میت کو سگھ کر جلدی اس تک پہنچ جاتا ہے اور اس کا گوشت بلکہ ہڈیاں تک چٹ کر جاتا ہے۔

اب آتے ہیں دوبارہ کہانی کی طرف نہ جانے کس طرح کمال نے اس جانور کو اپنے ساتھ مانوس کر کے مال حاصل کرنے کے لیے سدھایا تھا اب جیسے ہی کوئی نئی لاش دفن ہوتی وہ دونوں باپ بیٹے آدھی رات کے وقت قبر پہ پہنچ جاتے اور بھو بھی ان کے ہمراہ انگریزائیاں لیتا ہوا خراشاں خراشاں چلا آتا کمال کا اشارہ پاتے ہی بھو بڑی صفائی سے قبر کے اندر جا گھستا اور تھوڑی ہی دیر بعد مردے کی گردن اپنے منہ میں دیوچ کر اسے پورے کا پورا باہر نکال لاتا تھا اور پھر جلدی جلدی ہڈیوں سے سارا گوشت چٹ کر کے نیا مال باپ بیٹوں کے حوالے کر دیتا۔

☆.....☆.....☆

نادر شاہ کے بڑے بھائی کا نام عابد شاہ تھا ان دونوں کا روحانی عملیات سے جدی پشتی تعلق تھا۔ دونوں کا شمار علاقے کے بڑے اور بااثر زمینداروں میں ہوتا تھا اور روحانی علم سے دانشمندی کی وجہ سے عزت اور تکریم کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا لیکن فرق صرف اتنا تھا کہ عابد شاہ آج بھی اپنے آباؤ اجداد کی طرح نوری علم سے وابستہ تھا جبکہ نادر شاہ برسوں پہلے کالے علم کی طرف راغب ہو چکا تھا شروع میں اس کے بڑے بھائی نے اسے بہت سمجھا مگر نادر شاہ نے اس کی ایک نہ سنی اور کالے علم سے دانشمندی ختم نہیں کی اور قائم رکھی

اور گناہوں کی دلدل میں دھنسا چلا گیا اسی وجہ سے دونوں بھائیوں میں شدید اختلاف پیدا ہو گیا اور عابد شاہ اپنے بھائی کی بے راہ روی سے نالاں ہو کر اپنا آبائی گھر چھوڑ کر ساتھ والے گاؤں میں شفٹ ہونے پر مجبور ہو گیا عابد شاہ بہت ہی نیک اور پارسا شخص تھا غریبوں ضرورت مندوں اور مساکین کی ہر ممکن مدد کیا کرتا تھا دیکھا جائے تو علاقے کے لوگ عابد شاہ کی دل سے عزت کیا کرتے تھے۔ جب کہ نادر شاہ کی عزت یا تو اس کے خوف کی وجہ سے ہی تھی یا پھر اس کے آیاؤ اجداد کی نسبت سے اور نادر شاہ کو اپنے راستے جدا کیے ہوئے پانچ بھال کا عرصہ گزر چکا تھا اس عرصے کے دوران عابد شاہ کبھی بکھار اپنے بھائی کے پاس چکر لگایا کرتا تھا اور اسے کالے علم سے دور رہنے کی تلقین کرتا مگر نادر اس کی بات کو اہمیت نہ دیتے ہوئے اپنی روش پر قائم رہا۔

اکثر ایسا ہوتا کہ نادر شاہ کے کالے علم کا شکار لوگ عابد شاہ سے اپنا علاج کروانے کے لیے پہنچ جاتے عابد شاہ کو اپنے موکلات سے معلوم ہو جاتا تھا کہ یہ کام اس کے چھوٹے بھائی کا کیا ہوا ہے مگر وہ اپنے بھائی کے کروت اپنے کچھ خاص لوگوں کے علاوہ کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیتا تھا نادر شاہ گناہوں اور کالے عملیات کے راستے پر بہت آگے نکل چکا تھا اور یہاں سے اس کی واپسی تقریباً ناممکن تھی اس کے قبضے میں کئی عفریت اور جنیاں تھیں جن کی مدد سے وہ اپنے سخی عمل کو اتنا طاقتور بنا چکا تھا کہ بعض اوقات عابد شاہ بھی اس کے کیے ہوئے سخی عمل کے آگے بے بس ہو جاتا تھا۔ عابد شاہ کو اس بات کا شدید دکھ اور ملال تھا کہ دولت عزت شان و شوکت غرض سب کچھ ہونے کے باوجود اس کا بھائی اپنے آیاؤ و اجداد کی روش سے ہٹ کر غلط راستے پر نکل پڑا تھا اور انسانیت کی خدمت کرنے کی بجائے انہیں نقصان پہنچا رہا تھا اسی لیے الگ ہو جانے کے باوجود عابد شاہ نے اپنے کچھ قابل اعتبار لوگوں کی مدد سے نادر شاہ پر کڑی نظر رکھی ہوئی تھی

اس طرح اسے اپنے بھائی کے ہر عمل سے آگاہی رہتی تھی اور وہ ہر ممکن کوشش کرتا تھا کہ اس کا ہر شیطانی عمل مکمل ہو جانے سے پہلے ہی اس میں خلل ڈال کر اس کی کاٹ کر سکس نادر شاہ کا کیا گیا سخی عمل انتہائی طاقتور اور فوری اثر کرنے والا تھا اسی سخی علم سے واپس لگنے کی وجہ سے نادر کی شہرت دور دور تک پھیل چکی تھی لوگ دور دور سے اپنے ناجائز کاموں کے لیے اس کے پاس آنے لگے تھے یوں ہر وقت اس کے ڈیرے پر مریدین اور سالکوں کا تانتا بندھا رہتا تھا پچھلے چند برسوں میں نادر شاہ نے خوب دولت اور طاقت کمائی۔

اسی دولت اور طاقت کا گھمنڈ تھا کہ وہ نشہ زنا اور بد معاشی کی دلدل میں گردن تک پھنس چکا تھا اور ہر وقت شراب اور چرس کے نشے میں دھت رہتا تھا اوپر سے سخی عمل کرنے اور بدکار جنات کو قابو میں کیے رکھنے کے لیے اس کا ہر وقت ناپاک رہنا بھی ضروری ہو گیا تھا۔ اکثر اوقات اسے اپنی سخی علم کو پایا تکمیل تک پہنچانے کے لیے مسائل عورتوں سے بدکاری کرنی پڑتی تھی اور بعض اوقات وہ خود ان خواتین کی مجبور یوں سے فائدہ اٹھا کر ان کے ساتھ بدکاری کرتا تھا خوبصورت عورتیں شروع سے ہی اس کی کمزوری رہی تھیں جب بھی کوئی خوبصورت عورت اسے پسند آ جاتی تو وہ اسے اپنے جھانے میں پھانس لیتا تھا اور اگر کوئی اس کے جھانے میں نہ آتی تو وہ سخی عمل کر کے اسے اتنا مجبور اور بے بس کر دیتا کہ وہ عورت خود چل کر اس کے بستر کی زینت بننے پر مجبور ہو جاتی۔

اپنے سخی عمل کی پذیرائی جنات کو قابو میں کرنے کے لیے اس نے کئی معصوم بچوں کی بلی بھی چڑھا رکھی تھی اس کے بعض سخی عمل ایسے بھی ہوتے تھے جن کی تکمیل کے لیے نابالغ لڑکیوں سے زیادتی کرنا ہوتا اور پھر اسی ناپاک حالت میں ننگا بیٹھ کر عمل کرنا ضروری ہوتا تھا نادر شاہ کی سفاکیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جو سخی تعویذ وہ دیا کرتا تھا وہ عورتوں کے حیض والے خون سے لکھے جاتے تھے

شیطانی طاقتوں کو خوش کرنے کے لیے وہ نجس سے نجس عمل کرنے میں بھی کوئی عار محسوس نہیں کرتا تھا۔ اس وقت نادر شاہ کی عمر 40 کے سال کے لگ بھگ ہو چکی تھی مگر اس نے ابھی تک شادی نہیں کی تھی بھائی کے الگ ہو جانے کے بعد وہ اپنی شاندار کوٹھی میں اکیلا ہی رہا کرتا تھا گھر کے کام کاج کرنے کے لیے کل ملازمین مریدین اور نوکر چاکر جبکہ باہر کے کاموں کے لیے اس کے کئی ایک چیلے موجود تھے بڑے بھائی کے الگ جانے کے بعد نادر شاہ نے اس کوٹھی کی از سر نو تعمیر بڑی سوچ سمجھ کر کروائی تھی۔ یہ کوٹھی دو حصوں پر مشتمل تھی ایک سامنے کا پورشن تھا جہاں اس کے اپنے رہائشی کمرے کے ساتھ ساتھ مہمانوں کے لیے رہائشی اور ملاقاتی کمرے بھی موجود تھے جبکہ باقی کے کمرے ملازمین اور خاص مریدین کے لیے مختص تھے دوسرا پورشن اسی سامنے والے پورشن کے عقب میں موجود تھا اسی عقبی پورشن میں جانے کے لیے صرف ایک ہی دروازہ تھا جو کہ نادر شاہ کے رہائشی کمرے میں ہی کھلتا تھا اس دروازے پر ہر وقت ایک بڑا سا تالانگا رہتا تھا جس کی چابی صرف نادر شاہ کے پاس تھی کسی بھی شخص کو اجازت نہیں تھی کہ وہ اس عقبی حصے میں قدم رکھ سکے جب کبھی اس حصے کی صفائی ستھرائی مقصود ہوتی تو نادر شاہ اپنے جنات کی مدد لے لیا کرتا تھا۔

اس پورشن کی تعمیر مکمل ہو جانے کے بعد یہاں آج تک نادر شاہ کے علاوہ سوائے ان مقتولین کے جن کی بلی اس شیطانی مورتی کے آگے چڑھا دی گئی تھی کسی نے بھی قدم نہیں رکھا تھا نادر شاہ کے علاوہ کسی کو کچھ معلوم نہیں تھا کہ اس دروازے کے پیچھے آخر کیا ہے جو اتنی احتیاط برتی جاتی ہے ہیتھ نادر شاہ نے اپنے عقبی پورشن میں اپنی رہائش گاہ اختیار کی ہوئی تھی سامنے والے پورشن کی رہائش گاہ تو صرف ایک دکھاوا تھی یہاں موجود اس کا رہائشی کمرہ اس طرح آراستہ تھا کہ جیسے کسی بادشاہ کی خوابگاہ ہو۔

سونے اور چاندی سے بنا ایک بیڈ تھتی فانوس

نکلی بستر نفیس ترین قالین خوشبوؤں سے میکتے جیتی پردے غرض دنیا جہان کی ہر آسائش اس کمرے میں موجود تھی اس عقبی حصے میں ایک تہ خانہ بھی موجود تھا جہاں نادر شاہ اپنے سخی عمل کیا کرتا تھا اس تہ خانے میں کئی شیطانی مورتیوں کے ساتھ ساتھ ان معصوم بچوں اور عورتوں کی قبریں بھی موجود تھیں جنہیں نادر شاہ نے اپنی ہوس پوری کرنے کے بعد شیطان کو بلی چڑھا دیتا تھا پھر ایک گڑھا کھود کر انہیں وہیں دفن کر دیتا تھا دیکھا جائے تو یہ تہ خانہ کم اور ایک قبرستان زیادہ تھا۔ جب بھی شیطانی طاقتوں اور بدکار جنات کو قبضے میں کرنا مقصود ہوتا تو نادر شاہ اپنے تمام شیطانی عمل اسی تہ خانے میں سرانجام دیا کرتا تھا سال میں دو تین مرتبہ تو 40,40 دن تک نادر شاہ اسی حصے میں بے تہ خانے تک محصور ہو کر چلا کاٹا کرتا تھا۔

یوں کہہ لو یہ تہ خانہ اور عقبی پورشن اصل میں شیطانی قوتوں کی آماجگاہ تھا اس پورشن کی گمرانی نادر شاہ کے موکلات کیا کرتے تھے اس لیے کسی کی جرأت نہیں تھی کہ اس پورشن میں آنے کا سوچ بھی سکدا اور اگر کوئی یہ غلطی کر بیٹھتا تو اس کی موت یقینی تھی اگلی صبح نادر شاہ اپنی درگاہ پر سالکین کی داوری کرنے میں مصروف تھا کہ بھی اس کے ایک چیلے نے خبر دی کہ کوئی شبینہ نامی خاتون آپ سے ملاقات کی خواہش مند ہے شبینہ کا نام سننے ہی اس کی آنکھیں پھیل گئیں اور خوشی کے مارے اس کی ہاتھیں کل اٹھیں مگر اس نے اپنی یہ کیفیت چیلے پر ظاہر نہ ہونے دی اور کخت آواز میں بولا اسے فوراً اندر بھیجو چلا حکم سننے ہی تیزی سے واپس چلا اور اس نے ایک اور حکم صادر کر دیا وہ ہماری خاص مہمان ہیں جب بھی وہ یہاں آئے یا ہماری آماجگاہ پر تشریف لائے تو بنا کوئی سوال جواب کیے اسے فوراً اندر بھیج دیا جائے۔ ہم اس معاملے میں کسی قسم کی کوئی کوتاہی برداشت نہیں کریں گے سمجھے۔ اس نے سر دھجے میں تاکید کی تو چیلہ اپنے سر کو جنبش دے کر حکم کی تعمیل کے لیے جلدی جلدی کمرے سے باہر نکل گیا جس وقت

شبینہ کمرے میں داخل ہوئی تو تب اس سے پہلے ہی مزید دو خواتین بھی اس کمرے میں موجود تھیں اپنے سامنے بیٹھی دونوں خواتین کو نظر انداز کرتے ہوئے نادر شاہ نے ایک مسکراہٹ بھری نظر شبینہ پر ڈالی۔ اور آنکھ کے اشارے سے اسے اپنے دائیں جانب بیٹھنے کا حکم دیا اشارہ کرنے کی دیر بھی کہ شبینہ بنا کسی حیل و حجت کے یوں اس کے دائیں جانب بیٹھ گئی جیسے دونوں کی برسرِ پرانی شناسائی ہو شبینہ کو بیٹھتا دیکھ کر نادر شاہ پھر سے ان دونوں خواتین کی طرف متوجہ ہو گیا شبینہ اس قدر قریب بیٹھی تھی کہ وہ اس کے جسم کی محصور کن خوشبو کو اپنے اندر سانس محسوس کر رہا تھا، شاید اسی خوشبو کا اثر تھا کہ نادر شاہ پر بیچانی کیفیت طاری ہونے لگی اس کا دل چاہتا تھا کہ ابھی شبینہ کو اپنی بانہوں میں بھر لے اور اس کے بدن سے نکل کر فضا کو معطر کرتی اس مسکور کن مہک کو اپنے اندر سمو لے لیکن کمرے میں دوسری خواتین کی موجودگی کے سبب وہ بڑی مشکل سے خود پر ضبط کیے بیٹھا رہا۔

تھوڑی دیر بعد جب وہ دونوں خواتین کمرے سے رخصت ہوئیں تو نادر شاہ شبینہ کی طرف متوجہ ہوا اور اپنا چہرہ اس کی گردن کے بالکل قریب لے جا کر مہک سے لبریز ایک گہری سانس اپنے اندر سمیٹی اور پھر آہستگی سے اس کے کان میں بولا مختصر مہ کہیں آپ کو جلدی تو نہیں جی جی۔۔۔ نہیں پیر سائیں میں شام تک بالکل فرصت سے ہوں آپ جب تک کہیں میں انتظار کر سکتی ہوں نادر شاہ کی اس عجیب حرکت کو محسوس کر لینے کے باوجود بنا کوئی رد عمل ظاہر کیے شبینہ نے بڑے احترام اور اپنائیت سے جواب دیا۔

بہت خوب یہ تو بہت اچھی بات ہے کہ تم بالکل فرصت سے آئی ہو اصل میں ہم اپنے موکلات کے ذریعے تمہارے تمام معاملات کی چھان بین کر چکے ہیں اور ان کے معاملات کو سلجھانے کے لیے ہمیں تفصیلی گفتگو کی ضرورت سے اسی لیے ہم چاہتے ہیں کہ پہلے ان تمام سائلین کو نمٹالیں اور پھر فراغت سے آپ کے

معاملات پر گفتگو کریں اور ہاں میری خواہش ہے کہ دوپہر کا کھانا ہم دونوں اکٹھے ہی کھائیں اس بات پر آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں۔ شبینہ کی نیلی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے نادر شاہ نے بڑی لجابت سے سوال کیا تو شبینہ نے اثبات میں سر ہلا دیا دوپہر کے وقت سائلین کا رش ختم ہوا تو نادر شاہ شبینہ کو لیے درگاہ سے منسلک اپنی کونھی پر بیٹھ گیا۔ ایک ملازمہ نے دونوں کے ہاتھ دلوائے اور وہیں کمرے کے قائلین پر دسترخوان سجاد یا مزے مزے کے کھانے دیکھ کر شبینہ کے منہ میں پانی بھر آیا حقیقت تو یہ تھی کہ اس نے ایسی شاندار رہائش گاہ اور ایسے مزیدار پکوان زندگی میں کبھی دیکھے ہی نہیں تھے اس کے لیے تو یہ سب کی خواب جیسا ہی تھا اسے تو یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب حقیقت ہے یا کوئی خواب۔

شبینہ کیا ہوا کیا سوچ رہی ہو دسترخوان کے سامنے گم سم بیٹھی شبینہ کی آنکھوں کے آگے ہاتھ لہرا کر نادر شاہ نے اس کی توجہ کھانے کی طرف دلوائی تو وہ سوچوں کے بھنور سے باہر نکل آئی معاف کیجئے گا پیر سائیں پہلی بار اتنے مزیدار پکوان دیکھے ہیں تو اسی لیے میں ان کی خوشبو میں گھوٹی گئی۔ ہا ہا ہا ہا اے کھانا شروع کرو اور یہ سب خاص طور پر میں نے تمہارے لیے ہی تیار کروایا ہے چلو شاباش جلدی سے شروع ہو جاؤ ورنہ میں اپنے ہاتھوں سے تمہیں کھلا دوں گا نادر شاہ نے اتنے شناسائی لہجے میں جواب دیا تو شبینہ شرما کر رہ گئی آج تک کسی نے بھی اس سے اس انداز میں بات نہیں کی تھی اپنے ساتھ بیٹھا کر کھانا کھانا تو دور کی بات جب بھی وہ کسی ہمسائے کے ہاں شادی بیاہ میں بھی چلی جاتی تو اسے زمین پر بیٹھا کر جھوٹے برتنوں میں کھانا پروں دیا جاتا تھا اور آج یہاں علاقے کا سب سے معتبر شخص اسے اپنے ساتھ بیٹھا کر اور اپنے ہی ہاتھوں سے کھانا کھلانے کی بات کر رہا تھا۔

شبینہ تم پریشان کیوں ہو کیا ہوا تمہیں کسی نے کچھ کہہ دیا ہمیں بتاؤ کس کمبخت کی اتنی جرأت ہوئی کہ

اس کی وجہ سے ہماری شبینہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے کھانا کھاتے کھاتے نادر شاہ نے شبینہ کی طرف دیکھا تو اس کی ہنسی چلیکیں دیکھ کر آگ بگولا ہو گیا نہیں نہیں پیر سائیں کسی نے کچھ نہیں کہا آپ پریشان نہ ہوں۔ اصل میں بات یہ ہے کہ آج تک کسی اور نے تو کیا میرے اپنے خاندان نے بھی مجھ سے اتنی محبت سے بات نہیں کی آپ نے تو اتنی عزت دی اور اپنے ساتھ بیٹھا کر کھانا کھانے کی پیشکش کی تو مجھے اپنی محرومیوں پر رونا آ گیا دیکھو شبینہ اگر تم اس طرح کی باتیں کن باتیں کرو گی تو ہم تم سے دوبارہ بھی بات نہیں کریں گے تم دنیا کی نظر میں بھلے جیسی بھی ہو پر ہمیں پہلی ہی نظر میں اپنی ہی لگی ہو اسی لیے تو آج تم ہمارے ساتھ بیٹھی ہو۔

شکر یہ پیر سائیں اچھا ایک بات بتائیں آپ کے بیوی بچے کہاں ہیں کہیں نظر نہیں آ رہے۔ شبینہ نے معصومانہ سا سوال داغ دیا میں نے ابھی تک شادی ہی نہیں کی تو بیوی بچے کہاں سے آئیں گے بھلا۔

نادر شاہ نے کھلکھلاتے ہوئے جواب دیا یہ کیا بات ہوئی پیر سائیں، آپ کے پاس اللہ کا دیا اتنا کچھ ہے اور آپ نے ابھی تک شادی ہی نہیں کی میں نہیں مانتی اس بات کو کچھ جتنا کہیں آپ مذاق کر رہے ہیں نا شبینہ نے حیران ہوتے ہوئے ایک اور سوال داغ دیا۔

ارے سچ میں شبینہ میں نے ابھی تک شادی نہیں کی تم چاہو تو جس سے مرضی تقدیر کر لیں، ہم جھوٹ نہیں بول رہے آج تک تم جیسی کوئی لڑکی ہی نہیں اس لیے ہم ابھی تک اکیلے ہیں نادر شاہ نے جواب دیا تو شبینہ نے شرما کر اپنی نظریں جھکا لیں۔ پیر سائیں آپ باتیں اچھی بنا لیتے ہیں دیے۔ شبینہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا ایک تو تم ہماری باتوں کا یقین نہیں کرتی کچھ ہمیں تم جیسی خوبصورت اور سمجھدار لڑکی کی ہی تلاش تھی۔ ہائے ہماری قسمت آج اگر ملی بھی تو ایسی لڑکی جو پہلے سے ہی کسی کی بیوی ہے خیر قسمت کا لکھا بھلا کون ٹال سکتا ہے تم تو ہمیں اب ملنے سے رہیں بس تھوڑی سی زندگی ہی بچی ہے یہ بھی اکیلے

ہی مگر رہ جائے گی نادر شاہ نے باتوں میں شبینہ کے ذہن پر ایک کاری ضرب لگا دی بھی نادر شاہ کا آخری جملہ سن کر نادر شاہ شبینہ کے حلق میں ہی پھنس گیا اور اسے کھانسی آ گئی۔

ارے ارے یہ لو پانی پیو نادر شاہ نے فٹ سے چاندی سے بنائی کا گلاس اٹھایا اور شبینہ کے تحرہ جلی ہونٹوں سے لگا کر اپنے ہاتھوں سے پانی پلانے لگا شبینہ کے ہونٹ گلاس پر جھکے تھے اور اس کی آنکھیں گلاس کے اوپر سے جھانک کر نادر شاہ کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں اسی لمحے ایک بار پھر ان دونوں کی آنکھیں چار ہوئیں اور تری نگاہیں ایک دوسرے سے بہت کچھ کہنے لگیں۔

پیر سائیں۔ آپ نے اپنے موکلات سے میرے مسائل کا حل یہ کر لیا یا نہیں، کھانا ختم کرنے کے بعد شبینہ نے نادر شاہ سے مدعا بیان کر دیا اصل میں شبینہ میں نے سب کچھ پتہ کر لیا ہے اصل مسئلہ تمہارا نہیں بلکہ تمہارے شوہر کا ہے ایک تو وہ عمر میں تم سے کافی بڑا ہے دوسرا اسے تم سے محبت بھی نہیں وہ تو بس یوں ہی تمہارے ساتھ وقت گزاری کر رہا ہے اور تم دونوں کی اولاد نہ ہونے کی اصل وجہ یہی تمہارا شوہر ہی ہے پیر سائیں آپ کی باقی سب باتیں تو ٹھیک ہیں لیکن یہ آخری بات میری سمجھ میں نہیں آئی شبینہ نے اس آخری بات کی گہرائی جانچنی چاہی اصل میں بات یہ ہے کہ تمہارے شوہر کا مران باپ بننے کے لائق ہی نہیں ہیں وہ کبھی تمہیں اولاد کا سکھ نہیں دے سکتا اور اسی کی وجہ سے تمہارے ستارے بھی مسلسل گردش میں ہیں اس کے جیتے جی تو اولاد کا سکھ تم کبھی نہیں دیکھ سکو گی شبینہ میں تم سے بہت شرمندہ ہوں کہ میں اس معاملے میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ نادر شاہ نے بڑی چالاکی سے شبینہ کی دھمکی رگ پر ہاتھ رکھ دیا۔

ایسا تو نہ کہیں پیر سائیں میں تو بڑی آس امید لے کر آپ کے آستانے پر آئی تھی آخر کوئی تو صل ہوگا آپ کے پاس شبینہ روہائی ہو گی ہاں ایک صل ہے مگر

یہ تمہارے بس کی بات نہیں ہے نادر شاہ شینہ کی بے چینی سے لطف اندوز ہو رہا تھا، آپ حل تو بتائیں پھر ہی چلے گا کہ میرے بس کی بات ہے یا نہیں شینہ جھنجھلاہٹ کا شکار ہو گئی تھی ایک بار کہا نہ کہ تمہارے بس کی بات نہیں بس بات ختم ایک دم سے نادر شاہ کا لہجہ زہراؤد ہو گیا تو شینہ بھی سہمی گئی۔

ٹھیک ہے پیر سائیں جیسے آپ کی مرضی اگر آپ نہیں بتانا چاہتے تو میں بھی آپ کو مجبور نہیں کروں گی کوئی بات نہیں جب میری تقدیر میں ٹھوکریں ہی لکھی ہیں تو کوئی بھلا کیا مدد کر سکتا ہے۔ اب مجھے اجازت دیجیے میں پہلے ہی آپ کا بہت وقت بردار کر چکی ہوں آپ کا بہت بہت شکریہ جو آپ نے اتنی عزت دی شینہ نے نم آنکھوں سے جانے کی اجازت چاہی اور ساتھ ہی اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

ارے ارے تم پھر سے رو رہی ہو نادر شاہ نے کھڑے ہو کر اپنی پگڑی کے پلو سے اس کے آنسو صاف کیے اور پھر اس کو بازوؤں سے پکڑ کر بیڈ پر بٹھا دیا۔ دیکھو شینہ میرا مقصد تمہارا دل دکھانا نہیں تھا اصل میں بات ہی کچھ ایسی ہے کہ میں بیان نہیں کر سکتا اور اگر بیان کر بھی دوں تو تمہارے لیے یہ سب کچھ کرنا بہت مشکل ہوگا اسی لیے میں تمہیں بتانا نہیں چاہتا کیونکہ جو کام ناممکن ہو اس سے بتانے کا کیا فائدہ نادر شاہ بڑی چالاکی سے شینہ کے ذہن کو نشانہ بنارہا تھا۔

پیر صاحب میں تو یہی کہہ رہی ہوں کہ کم از کم مجھے بتاؤ دیں کیا پتہ میں کرگزروں۔ میرا تو ویسے بھی بردن جہنم کی طرح گزر رہا ہے بھلا اب کون سی نئی قیامت ٹوٹ پڑے گی مجھ پر شینہ بہت مایوس ہو گئی تھی اچھا ٹھیک ہے میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گا لیکن ابھی نہیں بلکہ پہلے میں اپنے علم کے ذریعے پوری طرح چھان بین کر لوں کہ شاید کوئی دوسرا راستہ نکل آئے تھوڑا صبر کرو سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا میں ہوں نہ تمہارے ساتھ نادر شاہ نے شینہ کا دایاں ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر بھینچتے ہوئے جواب دیا۔

اچھا ٹھیک ہے آپ اچھی طرح چھان بین کر لیں میں کل دوبارہ آؤں گی شینہ نے مزید اسرار کرنا مناسب نہ سمجھا۔

ٹھیک ہے اب تم جاؤ اور کل دوپہر سے ذرا پہلے آ جانا تاکہ دوپہر کا کھانا ہم اکٹھے کھا سکیں اور ہاں ایک بات تو میں بتانا بھول ہی گیا یہ کہہ کر نادر شاہ اسی کمرے کی مغربی دیوار میں بنی الماری کی طرف بڑھ گیا الماری کے پت کھولنے کے بعد اس میں سے ایک تھیلا اٹھا کر شینہ کی طرف لوٹ آیا اور اس کی جھولی میں ڈال دیا یہ لو اس میں میری طرف سے تمہارے لیے کچھ تحائف ہیں امید ہے تمہیں بہت پسند آئیں گے اس کی بھلا کیا ضرورت تھی پیر سائیں مجھے اس سب کی ضرورت نہیں ہے آپ میرا مسئلہ حل کر دیں تو آپ کی بہت مہربانی ہوگی شینہ نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے تھیلا واپس نادر شاہ کی طرف بڑھا دیا۔

دیکھو شینہ تمہیں یہ تھوڑا قبول کرنا ہی ہوگا ورنہ ہم تم سے ناراض ہو جائیں گے۔ چلو شاہاش اب تم یہ اٹھاؤ اور روانہ ہو جاؤ میں کل تمہارا انتظار کروں گا وقت پر آ جانا ٹھیک ہے پیر سائیں اب تو اسے قبول کرنا مجبوری ہے بھلا اب میں آپ کو ناراض کیسے کر دوں آپ کا بہت شکریہ جو آپ نے اس قابل سمجھا یہ کہہ کر شینہ اٹھ کر کھڑی ہوئی اور پھر کمرے سے باہر نکل گئی نادر شاہ بھی اس کے پیچھے ہی کمرے سے باہر نکل آیا اور اس کی پشت پر اپنی نظریں جما کر آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچانے لگا۔

اگلے دن کھانے سے فراغت کے بعد شینہ اور نادر شاہ پھر سے محو گفتگو تھے۔ شینہ میں نے بہت حساب کتاب لگایا ہے لیکن اس کے سوا کوئی دوسرا راستہ نظر نہیں آتا اور یہ بات ہے بھی کچھ ایسی کہ میں بیان کرتے وقت جھجک محسوس کر رہا ہوں پیر سائیں جو بھی بات ہے آپ بے فکر ہو کر بیان کریں پتہ نہیں کیوں آپ اتنے تذبذب میں مبتلا ہیں شینہ نے اس کی ڈھارس بندھانے کی کوشش کی۔ اچھا تو میری بات

دھیان سے سنو دیکھو تمہارے ان تمام مسائل کا ذمہ دار صرف تمہارا شوہر ہے اتنے سالوں تک اس کے ساتھ رہنے کی وجہ سے تمہارے ستارے پر بھی نخوت چھا گئی ہے اور جب تک تم دونوں اکٹھے رہتے رہو گے تمہارے نصیب کی نخوت کبھی ختم نہیں ہوگی تمہارے ان حالات سے جھجکا کر پاپائے کا صرف ایک ہی راستہ ہے کہ تمہارا شوہر تمہارے راستے سے ہٹ جائے اور تم ایک نئی زندگی بسر کرو نادر شاہ بڑی مہارت سے اسے اصل مقصد کی طرف راغب کرنے لگا۔

کیا مطلب پیر سائیں میں کچھ بھی نہیں تھوڑا تفصیل سے بیان کریں شینہ نے بات کی تشریح چاہی۔ شینہ تمہارے نصیب کی نخوت صرف اسی وقت ٹل سکتی ہے کہ جب تم اپنے ہاتھوں سے اپنے شوہر کا قتل کرو اور پھر کسی اور کے ساتھ شادی کر لو اس طرح تمہارے شوہر کی نخوت تمہاری تقدیر سے ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گی اور پھر تمہاری قسمت تمہیں ان اونچائیوں تک لے جائے گی جن کا تم تصور بھی نہیں کر سکتی اگر تم یہ سب کر گزرتی ہو تو تمہارا مستقبل انتہائی تابناک ہوگا ورنہ پھر تمہیں ساری زندگی تقدیر کی لکیر کو پیٹتے رہنا ہوگا، کیونکہ اگر یہ کام تم نے انہی چند ہفتوں تک نہیں کیا تو اس کے بعد تمہارے زائچے پر گرہن لگ جائے گا اور پھر اس کا توڑ کرنا ناممکن ہے اپنی نخوت کو ٹالنے کے لیے تمہارے پاس اس کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں۔ فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے۔ نادر شاہ ایک کے بعد ایک چال چلا چلا گیا اور شینہ گم سم سی بیٹھی رہی۔

پیر سائیں یہ تو بہت مشکل کام ہے مجھ سے نہیں ہوگا یہ سب۔۔۔۔ میں بھلا یہ سب کیسے کروں گی اور اگر میں پگڑی مٹی تو۔۔۔ نہ بابا نہ، شینہ ڈر کے مارے جبر جبری لیے بنا نہ رہ سکی شینہ کے اس جملے نے نادر شاہ پر واضح کر دیا کہ وہ اس کام کے لیے راضی ہے مگر اسے عملی جامہ پہنانے کی ہمت نہیں رکھتی اگر اس پر تھوڑی سی محنت کر لی جائے تو کام ضرور بن جائے گا

دیکھو شینہ اگر تم واقعی سب کے لیے تیار ہو تو میں تمہاری ہر طرح سے مدد کروں گا نادر شاہ نے اپنا ایک بازو شینہ کی گردن کے گرد کسے ہوئے اسے قریب کر لیا اور اپنی بات جاری رکھتے ہوئے یوں باتیں کہیں ہاں کرو اور ہر طرف سے بے فکر ہو جاؤ میرے ہوتے ہوئے تمہیں ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں میں سب سنبھال لوں گا۔

ٹھیک ہے مگر مجھے سوچنے کے لیے تھوڑا وقت چاہیے میں تھوڑا سوچ بچار کر لوں پھر آپ کو آگاہ کر دوں گی شینہ ابھی تک کسی فیصلے پر نہیں پہنچی تھی۔ ہاں ضرور سوچو مگر اتنا یاد رکھنا کہ وقت بہت کم ہے، پیر سائیں اب میں چلتی ہوں کافی دیر ہو گئی ہے شینہ نے خود کو اس کے بازو کے حصار سے الگ کرتے ہوئے جانے کی اجازت چاہی۔

ہاں بالکل تم جاؤ شینہ کے رخصت ہو جانے کے بعد نادر شاہ نے اپنی پورن کا دروازہ کھولا اور تہہ خانے میں آ کر اس کے فرش پر بیٹھ گیا مورتی کی طرف دیکھ کر چند سیکنڈ تک منہ ہی منہ میں کچھ پڑھ کر اپنے آگے بڑی گوبری کی ڈھیری پر پھونک ماری تو اس میں ایک دم آگ بجڑ اٹھی دیکھتے ہی دیکھتے آگ کی لپٹیں تہہ خانے کی چھت کو چھونے لگیں اور بھی اس میں ایک ہیث ناک مورت کی شبیہ ظاہر ہو گئی سنو ذبیحہ تمہیں میرا ایک کام کرنا ہے اور یاد رکھنا اس کام میں کسی کام کی کوتاہی نہیں ہونی چاہیے نادر شاہ کا لہجہ غضبناک اور تنبیہ آمیز تھا آپ جیسا کہیں گے ویسا ہی ہوگا شاہ جی۔۔۔۔۔ بس آپ حکم کیجئے اس کر یہہہ چہرے والی بوڑھی عورت نے نادر شاہ کو یقین دہانی کرائی۔

یہ لو یہ بال، نادر شاہ نے شینہ کا بال ڈبیچہ کی طرف بڑھا دیا تم کچھ ایسا کرو کہ یہ عورت اپنے خاوند سے اس قدر متفر ہو جائے کہ اس کے قتل سے بھی گریز نہ کرے جو کرنا ہے کرو سب جلد سے جلد وہ اس کام کے لیے راضی ہو جانی چاہیے بس اب جاؤ اور میرا یہ کام کرو۔ آپ کا کام ہو جائے گا شاہ صاحب یہ کہہ کر ذبیحہ کی شبیہ اس دھوئیں میں غائب ہو گئی شام کے

وقت شینہ گھر میں اکیلی تھی کہ تجھی اسے احساس ہوا کہ گھر میں اس کے علاوہ کوئی اور بھی موجود ہے پہلے تو وہ اسے اپنا وہم سمجھی مگر پھر وہ اپنے اس وہم کو دور کرنے کی غرض سے کمرے سے باہر نکل آئی اور گھر میں ادھر ادھر جھانکنے لگی جب اسے کوئی نظر نہ آیا تو وہ سر کو جھٹکتی ہوئی واپس کمرے کی طرف پلٹ گئی مگر جیسے ہی اس نے دروازے کی دہلیز پر قدم رکھا تو ایک نسوانی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی، شینہ، سنائی دینے والی آواز چونکہ ایک جوان لڑکی کی تھی اس لیے شینہ گھبرائے بغیر فوراً واپس چلی اور ادھر ادھر دیکھنے لگی مگر وہاں تو اس کے علاوہ کوئی اور نہیں تھا۔

کک..... کک..... کون ہے اس نے اپنے اعصاب پر قابو پاتے ہوئے سوال کیا مگر کوئی جواب نہ پا کر وہ پھر سے کمرے کی طرف مڑنے لگی۔

شینہ..... وہی سریلی آواز ایک بار پھر اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تو وہ ایک دم سے ہلٹی اور باہر دروازے کی طرف دوڑ گئی چنٹی ہٹا کر دروازہ کھولا اور باہر کی طرف دیکھنے لگی مگر وہاں بھی دور دور تک کوئی نہیں تھا۔ اس نے حیران ہوتے ہوئے دروازہ دوبارہ بند کیا اور کمرے میں آ گئی۔ شینہ..... اس بار تو وہ بستر سے اچھل ہی پڑی تھی اور گرتے گرتے بیچی کیونکہ اس بار سرگوشی اس کے کان کے بالکل قریب کی گئی تھی۔

کون ہو؟ سامنے آؤ..... گھبراہٹ سے اس کا برا حال ہو رہا تھا ڈرو نہیں شینہ میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گی میں تو تمہاری سہیلی ہوں، ایک نادیہ سی آواز کمرے میں ابھری۔

کون سہیلی؟ وہ آنکھیں پھیلا کر ادھر ادھر دیکھ کر سوال کرنے لگی۔ شینہ تم مجھے نہیں جانتی پر میں تمہیں بڑے اچھے سے جانتی ہوں کوئی انجان ہستی پر اعتماد لے لے میں اسی سے جو گفتگو تھی مگر شینہ کی سماعت حیرت سے جھنجھٹا اٹھی تھی تم جو بھی کوئی ہو تو یہاں سے چلی جاؤ یا پھر سامنے آ جاؤ تاکہ میں کم از کم تمہیں دیکھ دوں شینہ نے جس بھرے لہجے میں اس کو مخاطب کیا اگر تمہاری

یہی مرضی ہے تو میں آ جاتی ہوں تمہارے سامنے۔۔۔ یہ جملہ ادا ہوتے ہی اچانک چار پائی کے کونے سے دھواں اٹھنے لگا اور اس دھوئیں میں ایک لڑکی کی شبیہ نمودار ہوئی جو دیکھتے ہی دیکھتے ایک نوجوان اور انتہائی حسین و جمیل و شیرہ کی صورت میں مجسم ہو گئی۔

بولو کون ہو تم اور کیا جانتی ہو شینہ نے پھٹی پھٹی نظروں سے اس کی طرف دیکھ کر سوال کیا شینہ تمہیں گھبرانے کی بالکل ضرورت نہیں ہے میں تمہیں پہلے بھی بتا چکی ہوں کہ میں تمہاری سہیلی ہوں حقیقت پوچھو تو میں ایک پری ہوں اور میرا نام ذبیحہ ہے تمہارے گھر کے ساتھ موجود بیری کے درخت پر میرا برسوں سے بسیرا ہے میں تو اس دن سے تمہیں جانتی ہوں جب تم پہلی مرتبہ اس گھر میں آئی تھی۔

کیا تم سچ کہہ رہی ہو؟ اس مرتبہ شینہ کے لہجے میں گھبراہٹ کی بجائے تجسس تھا۔

ہاں شینہ میں بالکل سچ کہہ رہی ہوں۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ میں اب تمہاری نظروں کے سامنے دھوئیں سے نمودار ہوئی ہوں۔ اس خوبصورت لڑکی نے محبت بھرے لہجے میں جواب دیا اور شینہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے ساتھ بستر پر بٹھا دیا لیکن تم مجھ سے کیا جانتی ہو شینہ نے اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے دریافت کیا۔

شینہ مجھے تم سے کچھ نہیں چاہیے میں تو بس تم سے ملنے آئی ہوں میں سالوں سے دیکھتی آئی ہوں کہ تم بالکل اکیلی اور اداس اداس رہتی ہو اکثر میرا دل چاہتا تھا کہ تم سے مل کر تمہاری دلجوئی کروں مگر یہ سوچ کر تمہارے پاس نہیں آئی کہ کہیں تم ڈرنہ جاؤ لیکن اب میں پچھلے کئی دنوں سے دیکھ رہی ہوں کہ تم کچھ زیادہ سی اداس ہو اور ابھی ابھی سی رہتی ہو اس لیے آج میں خود کورک نہیں سکی اور تمہارے پاس چلی آئی۔

اچھا کیا تم نے۔ شینہ نے فقط اتنا ہی کہا اور کسی سوچ میں گم ہو گئی کیا سوچ رہی ہو شینہ اس نے

یوں سوچوں میں ڈوبا دیکھ کر ذبیحہ اس کے قریب ہوئی اور ساتھ ہی سوال داغ دیا دیکھو اگر تمہیں کوئی پریشانی ہے تو تم مجھے بتاؤ شاید میرے پاس اس کا حل موجود ہو میرا یقین کرو جہاں تک ممکن ہو میں تمہاری مدد ضرور کروں گی ذبیحہ نے اسے اعتماد میں لینے کی کوشش کی۔ بات تو تمہاری ٹھیک ہے مگر یہ سب کرتے ہوئے ڈر لگ رہا ہے شینہ نے خوف کا اظہار کیا۔

ازے کچھ نہیں ہوگا تمہیں بس تھوڑی سی ہمت دکھانی ہوگی اس کے بعد سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ اگر پیر سائیں نے تمہیں حاضری بھری ہے تو اس معاملے میں تمہاری مدد بھی ضرور کریں گے بس تھوڑی سی پریشانی کے بعد راحت ہی راحت ہے، تم بس اپنا دل مضبوط کرو اور اپنے ہونے والے ان سے بات کرو سب آسان ہو جائے گا ذبیحہ شرارت بھرے لہجے میں شینہ کی ہمت بڑھا رہی تھی کہ کبھی دروازے پر دستک ہوئی چند لمحوں بعد ہی تھکا ہارا کامران ہاتھ میں ایک تھیلا تھا سے کمرے کی طرف بڑھ رہا تھا اور شینہ اس کے پیچھے پیچھے چلی آ رہی تھی اچانک شینہ کو اس طشتری کا خیال آیا جس میں ذبیحہ نے اسے کھانا کھلایا تھا اس خیال کے آتے ہی اسے یہ فکر ستانے لگی کہ اگر کامران نے وہ طشتری دیکھ لی اور اس کے بارے دریافت کیا تو وہ اس کو کیا جواب دے گی۔ اسی دوران کامران کمرے میں داخل ہوا تو وہ بھی شش و پنج میں مبتلا اس کے پیچھے پیچھے آ گئی کمرے میں داخل ہوتے ہی اس نے سب سے پہلے چار پائی پر نظر ڈالی وہاں کچھ ناپا کر اس کی جان میں جان آئی۔

یہ لو۔ آج میں شہر سے تمہارے لیے کھانا لایا ہوں بڑے مزے کا کھانا ہے تم جلدی سے برتن لگا دو ہم دونوں مل کر کھائیں گے مجھے تو بڑی زور کی بھوک لگی ہے کامران نے بڑی محبت سے کہتے ہوئے تھیلا شینہ کی طرف بڑھا دیا مجھے بھوک نہیں ہے اور نہ ہی ضرورت ہے اس کھانے کی۔ وہ کھڑکی میں پلٹ اور چنگیر پڑی ہے خود ہی پردوں کر ٹھونس لو اپنے پیٹ

میں۔ کھانے کے علاوہ بھی عورتوں کی کوئی ضروریات ہوتی ہیں بڑے آئے حاتم طائی۔ دو روٹیاں اور بچا کچا سالن کھلا کر مجھ پر احسان جتا رہے ہو۔۔۔ شینہ نے ساپ کی طرح پھٹکار کر جواب دیا تو کامران ہم کمرہ گیا۔

شیو تو ہر وقت مجھ سے ناراض ہی رہتی ہے کبھی پیار سے بھی بات کر لیا کر۔ میں تیرے لیے ہی سارا دن محنت مزدوری کرتا ہوں یہ دیکھ آج ٹھیکہ دار نے پچھلے ہفتے کی مزدوری کے پیسے بھی دیے ہیں۔ کامران نے جب میں ہاتھ ڈالا اور تہہ در تہہ لپٹے ہوئے چند نوٹ شینہ کی طرف بڑھا دیے ایک بار کہا نہ مجھے نہیں ہے تمہاری کسی ہمدردی کی ضرورت۔۔۔ اب زیادہ دماغ نہ چاؤ اپنے پیسے اپنے پاس رکھو اور مجھے سونے دو پہلے ہی سر میں بہت درد ہے مجھے سے پاؤں پٹختی شینہ کمرے میں چار پائی پر دراز ہو گئی، اور دوسری طرف منہ کر کے آنکھیں موند لیں، بیوی کا یہ رویہ کامران کے لیے کوئی نئی بات نہیں تھی، لیکن پہلے اگر وہ پیار سے بات نہیں بھی کرتی تھی تو شہر سے آیا ہوا کھانا تو کھائی تھی تھی مگر پچھلے کئی دنوں سے تو تو کامران نے اسے گھر کا کھانا کھاتے ہوئے دیکھا تھا اور نہ ہی آج وہ بازار کا کھانا کھانے پر راضی تھی خیر کامران بیچارہ اس کے اس رویے پر خاموشی اختیار کر گیا کھانے سے فارغ ہو کر اس نے خود ہی کمرے کے فرش پر اپنا پھٹا پراٹا اور سیل سے اٹا ہوا بستر بچھا یا اور سونے کے لیے لیٹ گیا اگلے دن کامران نے طبیعت کی خرابی کی وجہ سے کام سے چھٹی کر لی اور سارا دن گھر میں ہی رہا اس لیے شینہ نادر شاہ کے ہاں نہ جا سکی مجبوراً شینہ کو دل پر پھر رکھ کر سارا دن گھر پر گزارنا پڑا اس سے اگلے دن جوں ہی کامران کام پر نکلا شینہ بھی نادر شاہ کے ہاں جانے کی تیاری کرنے لگی۔ نہانے کے بعد اس نے نادر شاہ کی طرف سے تحفے میں ملا ہوا خوبصورت لباس زیب تن کیا اور اسے تھیلے میں موجود سونے کا ہار اور جھمکے بھی کالوں میں لٹکا لیے زرد رنگ کا خوبصورت لباس جس پر موتیوں کا

کام کیا گیا تھا شہینہ کے گورے جسم پر خوب بچ رہا تھا۔ رہی کبھی کبھار پتیلے سنگار نے پوری کر دی تھی کچھ دیر کے بعد ستر کے بعد شہینہ نادر شاہ کی درگاہ پر پہنچ گئی۔ آج تو اس کی چال ڈھال ہی عجیب تھی یوں محسوس ہوتا تھا جیسے کوئی معشوق اپنے عاشق کو ملنے کے لیے بے قرار ہو جب وہ درگاہ کے اندر بے خصوص کمرے میں داخل ہوئی تو اکیلا بیٹھا نادر شاہ اسے دیکھ کر گرم سم سا ہو گیا وہ بھٹی بھٹی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھے ہی جا رہا تھا، اس خوبصورت لباس کی وجہ سے آج تو اس کا حسن پہلے سے بھی زیادہ نکھر نکھر اٹھا تھا جسم سے چپکا ہوا لباس اس کے حسن کی رعنائیوں کو مزید نمایاں کر رہا تھا۔ آگے کو لپکی ہوئی سڈول چھائیاں پہلے سے ترے ہوئے نادر شاہ کی بھوک مزید بڑھانے کے لیے کافی تھیں۔ کیسے ہیں پیر سائیں۔۔۔ اپنی موٹی موٹی نیلی آنکھوں کو بڑی اداسے گھاگھا کر شہینہ نے سوال کیا تو نادر شاہ اس کے حسن کی لباہٹ سے باہر نکل کر آواز کی طرف متوجہ ہو گیا تم سے مل کر بالکل ٹھیک ہو گیا ہوں ورنہ کل تو میری جان ہی نکلی جا رہی تھی کل کہاں رہ گئی تھی تم میں اتنا پریشان تھا کہ بس کیا بتاؤں تمہیں، میں نے تو کل سے کھانا بھی کچھ نہیں کھایا تم بہت ظالم عورت ہو شہینہ۔

ہم تم پر مرنے لگے ہیں تو کیا اب تم تڑپا تڑپا کر ماری ڈالو گی نہیں، ہے، ہے، پیر سائیں اتنا بھی مت تڑپا کریں کل وہ کلمو با کام پر گیا ہی نہیں اس لیے میں آپ کے پاس نہیں آ سکی میں تو خود بہت بے تاب تھی آپ سے ملنے کے لیے اور ہاں رہی بات کھانا نہ کھانے کی تو آج میں اپنے پیر سائیں کو اپنے ہاتھوں سے کھانا کھلاؤں گی شہینہ نے آنکھیں دھکا دھکا کر اتنی شوخی سے جواب دیا کہ نادر شاہ بے صبر سا ہو گیا، عامر عامر، کہاں مر گئے ہو ادھر آؤ جلدی سے۔

جی۔۔۔۔۔ سرکار حکم کریں نادر شاہ کا چیلہ دوڑتا ہوا اندر آیا اور ادب سے سر جھکا کر کھڑا ہو گیا تم خان اسامہ کو جو جلدی سے ایک بکر اذبح کرا کے اس کی

بخنی جی اور پلاؤ تیار کرے مجھے بہت زوروں کی بھوک لگی ہے جیسے ہی میں سائیں سے فارغ ہوں کھانا تیار ہو جانا چاہیے۔

جی ٹھیک ہے سرکار۔ چیلہ حکم کن کر تیزی سے باہر نکل گیا شہینہ آج تو اس لباس میں تم قہر ڈھا رہی ہو کہیں آج ہمارے دل کا ارادہ تو نہیں ہے تمہارا، نادر شاہ نے ایک بھر پور نظر شہینہ کی چھاتیوں پر ڈالی اور اس کے حسن کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملانے لگا۔

ارے تھوڑا اور صبر کیجیے نا پیر سائیں، ابھی تو آپ کہہ رہے تھے بہت بھوک ہے، شہینہ اپنے ہاتھوں سے نادر شاہ کو کھانا کھلاتے ہوئے اس کے نازخے یوں اٹھا رہی تھی جیسے وہ اس کی نئی نوٹی دہن ہو بھوک صرف کھانے کی نہیں ہوتی شہینہ، نادر شاہ نے اپنا ایک بازو شہینہ کی پشت پر جما کر ہلکا سا دبایا اور شہینہ کی چھاتیوں کو اپنے چہرے کے قریب کر لیا۔

ارے۔۔۔۔۔ پیر سائیں۔۔۔۔۔ اتنی بھی کیا جلدی ہے۔ پہلے اس کلمو سے کو تو نمٹالیں۔ پھر آپ کی ہر بھوک مٹا دوں گی میں۔ شہینہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے اس کی ہوس کو مزید بھڑکانے کا بندوبست کر رہی تھی شہینہ کتنی ظالم ہو تم نادر شاہ نے ایک سسکی بھری اور شہینہ کو اس کی کمر سے پکڑ کر اپنے اوپر گرالیا اپنے منتھوں کو اس کی دودھیا گردن سے لگا کر ایک بھر پور سانس بھری۔ اور اپنے منتھوں کو اس کے سینے کی درڑ میں رکھ کر لمبی لمبی سانسیں بھرنے لگا۔

شہینہ کے بھر پور جسم سے نکلتی بھین بھینی خوشبو نادر شاہ پر وحشت طاری کرنے کے لیے کافی تھی وہ آنکھیں بند کیے یوں لمبی لمبی سانسیں بھر رہا تھا جیسے پانی میں ڈوبتے ہوئے کو اچانک ہوا میسر آگئی ہو۔ ابھی شہینہ خود کو اس انہونی حرکت سے سنبھال ہی رہی تھی کہ اس کے نرم و ملائم ہونٹ نادر شاہ کے سخت ہونٹوں کی گرفت میں آ گئے۔ بوس و کنار کا ایک سلسلہ تھا جو تھمنے کا نام نہیں لے رہا تھا شہینہ اپنے بازوؤں کو نادر شاہ کی

گردن کے گرد حائل کیے اسے خود سے چپکائے ہوئے تھی اور نادر شاہ اس کے وجود پر کسی سانپ کی طرف سرک رہا تھا ابھی کیجیے پیر سائیں۔ ساری حسرت آج ہی پوری کر لیں گے کیا؟ کچھ احساسات بعد کے لیے بھی بچا کر رکھیں۔

رومان پرورد طوفان کی فضا تھوڑی سی چھٹی تو شہینہ نے پتیلی کی پشت اپنے کٹے ہوئے نچلے ہونٹ پر رکھی اور بہتے ہوئے خون کو صاف کر کے ایک اداسے گردن کو خم دے کر سیاہ گیسوؤں کو پیچھے جھٹکا اور اس بیجان انگیز طوفان سے باہر نکلنے کی کوشش کی۔ شکر ہے تم راضی ہو گئی ہو اب دیکھنا میں کیسے تمہاری قسمت کی کیا پلٹتا ہوں تم بس کسی طرح اسے میرے پاس لے آؤ باقی میں سب کچھ خود سنبھال لوں گا اور ہاں ایک بات یاد رکھنا تمہیں اپنے ہاتھوں سے اسے قتل کرنا ہو گا ویسے تو میں کسی سے بھی یہ کام کروا سکتا ہوں اور چاہوں تو خود بھی کر سکتا ہوں لیکن میرے اس اقدام سے تمہاری اس نحوست کی کاٹ نہیں ہو سکے گی اس لیے جیسا میں کہتا جاؤں تمہیں ویسا ہی کرنا ہو گا۔ نادر شاہ نے بڑی چالاکی سے شہینہ کو اپنی باتوں میں پھانس کر اس شیطانی منصوبے پر عمل پیرا ہونے کے لیے تیار کر لیا تھا جو اس مورتنی والے شیطان نے اسے بتایا تھا۔

ٹھیک ہے پیر سائیں ایسا ہی ہو گا اب مجھے اجازت دیجیے میں کوشش کروں گی کہ وہ جلد سے جلد مان جائے نادر شاہ کے ساتھ ایک گھناؤنا منصوبہ بنانے کے بعد اس پر عمل کرنے کے لیے شہینہ وہاں سے روانہ ہو گئی۔ دیکھو کامران چاہے تمہیں پیر فقیر پر یقین ہو یا نہ ہو تمہیں میرے ساتھ پیر سائیں کے پاس چلنا ہی ہو گا انہوں نے بڑے یقین سے کہا ہے کہ اگر تم صرف ایک بار ان کے پاس آ جاؤ تو وہ ہماری بے اولادی کا علاج کر دیں گے شہینہ بڑی دیر سے اپنے شوہر کامران کو نادر شاہ کے پاس چلنے کے لیے راضی کر رہی تھی مگر وہ تھا کہ ٹس سے مس نہیں ہو رہا تھا۔

شہینہ۔ تمہیں کیوں نہیں سمجھ آتی کہ نادر شاہ اچھا

انسان نہیں ہے وہ کالے علم کا ماہر ہے اور میں نے تو سنا ہے کہ وہ شیطان کا بچاری بھی ہے کامران نے شہینہ کو سمجھانے کی کوشش کی۔

تو پیر۔۔۔۔۔ تو پیر تمہارا تو دماغ خراب ہو گیا ہے پیر نہیں کیا اناب شاب کہتے رہتے ہو بھلا تم کبھی پیر سائیں سے ملے بھی ہو آج تک۔۔۔ یا ان کو دیکھا بھی ہے۔ نہیں دیکھا تو نہیں ہے پر سنا بہت ہے میں نے تم سے کہہ دیا کہ میں وہاں نہیں جانے والا تو بس بات ختم اور آج کے بعد تم بھی کبھی وہاں نہیں جاؤ گی ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا پیر نہیں کس کجبت نے تمہیں اس بھری فقیری کے چکر میں پھنسا دیا ہے کامران نے شہینہ کو آخری فیصلہ سنا دیا تھا ٹھیک ہے پھر اگر تمہارا یہی فیصلہ ہے تو میں بھی اب کبھی تم سے کچھ نہیں کہوں گی۔ کل تم کام پر جاؤ اور پھر واپسی کے لیے میرے کفن و دفن کا بندوبست بھی کرتے آنا میں اب اس ذلت بھری زندگی سے تھک چکی ہوں اگر کل تم میرے ساتھ نہ چلے تو میں خود کئی کر لوں گی، میں 10 سال سے تمہارے ساتھ کسپری اور بے اولادی کی زندگی گزار رہی ہوں آج تک مجھ سے کچھ نہیں مانگا اور اب صرف ایک بات ماننے کا کہہ رہی ہوں تو تمہیں وہ بھی منظور نہیں۔

بس ٹھیک ہے تم رہو اپنی زندگی میں مگن بس اتنا یاد رکھنا کہ اگر تم نے میری بات نہ مانی تو کل کا سورج میری زندگی کا آخری سورج ہو گا۔ شہینہ نے آخری اور کاری ضرب لگا دی تھی۔

ارے شہینہ کا خوف کر دو کچھ۔۔۔ یہ تم آج کس طرح کی باتیں کر رہی ہو اچھا تم زیادہ مت سوچو اور آرام سے سو جاؤ ہم کل چلیں گے وہاں بس اب دوبارہ بھی اس طرح بات نہ کرنا شہینہ کا آخری وار چل گیا تھا آخر کار کامران نے وہاں جانے کی حامی بھر لی تھی۔

اگلے دن شہینہ اور کامران نادر شاہ کی حویلی کے عقبی پورشن میں داخل ہوئے، نادر شاہ نے دروازہ اندر

سے متقل کر دیا آپ لوگ یہاں بیٹھو میں ابھی آیا نادر ان دونوں کو اپنی عقیقی خوابگاہ میں بٹھا کر کمرے سے باہر نکل گیا تو کامران اور شہینہ اس پر قہقہے خواب گاہ کا جائزہ لینے لگے چاندی سے بنائے گئے قیمتی پتھروں سے مزین کیا گیا تھا اس پر انتہائی قیمتی چلی چادر کھڑکیوں پر لٹکے خوبصورت پردے، ایسی خوبصورت اور آرام دہ خواب گاہ دیکھ کر ان دونوں کی آنکھیں چندھیا سی گئیں، پہلے ہم سب مل کر کھانا کھائیں پھر میں پڑھائی کر کے آپ دونوں کا اوتار کر دیتا ہوں۔

نادر شاہ کمرے میں داخل ہوا تو دو بٹے کئے مرد بھی اس کے پیچھے کھانے پینے کا سامان اٹھائے اندر داخل ہو گئے جی بہتر جیر سائیں۔ اس سے پہلے کہ کامران انکار کرتا شہینہ نے ہاں میں ہاں ملا دی نادر شاہ اور شہینہ تو پہلی ہی منصوبہ بندی کر کے بیٹھے تھے کامران پیچھاہ شرمائشی میں خاموشی سے بیٹھا کھانا کھاتا رہا تھوڑی دیر بعد وہی دومرد پھر سے خواب گاہ میں داخل ہوئے ان میں سے ایک کے ہاتھ میں چاندی سے بنی خوبصورت صراحی اور ایک گلاس تھا جبکہ باقی کے دو گلاس دوسرے مرد کے ہاتھوں میں تھے پلنگ کے قریب ٹھہر کر صراحی والا شخص دوسرے شخص کے دونوں گلاس مشروب سے بھرنے لگا اور پھر یہ دونوں گلاس شہینہ اور نادر شاہ کے آگے رکھ دیئے پھر صراحی والے شخص نے آخری گلاس بھرا اس میں مشروب بھرنا شروع کر دیا آخری گلاس میں ایک خاص قسم کا سفوف شامل کیا گیا تھا اسے منصوبے کے مطابق کامران کو تھما دیا گیا مشروب دینے کے بعد وہ دونوں مرد خوابگاہ سے باہر نکل گئے تو شہینہ اور نادر شاہ کن اکیہوں سے کامران کا جائزہ لینے لگے جو خاموشی سے کھانا کھاتے ہوئے مشروب کے سب بھرنا جا رہا تھا ابھی کھانا ختم بھی نہیں ہوا تھا کہ یکدم کامران نے کھانا چھوڑ دیا اور دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کو تھام کر بیٹھ گیا۔ کیا ہوا کامران سب ٹھیک تو ہے نادر شاہ نے پہلے شہینہ کی طرف دیکھا پھر کامران کو مخاطب کر کے پوچھنے لگا پتہ نہیں پیر

سائیں۔ اچانک چکر سے آ رہے ہیں اور آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا بھی۔۔۔ اس کی بات مکمل بھی نہیں ہوئی تھی کہ وہ غش کھا کر بستر پر ڈھیر ہو گیا شہینہ اور نادر شاہ نے مکار آنکھوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر سے کھانے میں مشغول ہو گئے اور نادر شاہ نے آواز لگائی تو دونوں مرد تیزی سے کمرے میں داخل ہوئے اور نادر شاہ کے اشارہ کرنے پر کامران کو اٹھا کر کمرے سے باہر لے گئے اور پھر دو بارہ واپس آ کر کھانے کے برتن اٹھا کر دفن چکر ہو گئے ان دونوں کے جانے کے بعد نادر شاہ نے شہینہ کو ہاتھوں میں بھر اور بستر پر دراز ہو گیا یہ دونوں مرد کن ہیں پیر سائیں پہلے تو کبھی نظر نہیں آئے شہینہ نے عجیب سی حساست والے ان دونوں مردوں کے بارے میں سوال کیا یہ انسان نہیں جنات ہیں شہینہ۔۔۔ میں نے ان دونوں کو اپنی خدمت پر مامور کر رکھا ہے یہ صرف اسی پورشن میں رہتے ہیں اس لیے تم نے انہیں پہلے کبھی نہیں دیکھا اور ہاں جب تک تمہاری عدت پوری نہیں ہوتی تو ہماری شادی نہیں ہو جاتی تم بھی اسی پورشن میں رہو گی سمجھ گئی نا۔

جی پیر سائیں جو آپ کا حکم۔۔۔ جواب دیتے ہوئے شہینہ نے اپنے دائیں ہاتھ کی انگلیوں کو نادر شاہ کی بائیں انگلیوں میں پھنسا دیا اور اس ہاتھ کی پشت کو اپنی ملائم ہونٹوں سے چومنے لگی رات کافی بیت چکی تھی رسیوں سے بندھا کامران تہہ خانے کے فرش پر اونڈھے منہ پڑا تھا کافی دیر پہلے ہی اسے ہوش آچکا تھا مگر رسیوں کی گرفت اور جسم پر طاری تھاقت اور سر میں اٹھتی درد کی شدید ٹیٹوں کے باعث وہ بٹنے جلنے سے قاصر تھا۔ تہہ خانے میں کئی ایک جگہ دیے روشن تھے اور چاروں طرف ہولناک سناٹا چھایا ہوا تھا جب اس کی نظر تہہ خانے پر موجود قبروں اور اس بڑی سی شیطانی مورتی پر پڑی تو اس پر کچکی سی طاری ہو گئی تہہ خانے کے فرش پر اونڈھے منہ لیٹا وہ ان قدموں کی آوازوں کو بخوبی سن سکتا تھا جو رفتہ رفتہ اس کے قریب آتی جاری

تھیں۔ جب ان لوگوں نے تہہ خانے کی بڑھیوں پر قدم رکھا تو دھب دھب کی ان آوازوں کے باعث کامران کے سر میں ہتھوڑے سے برسنے لگے دھندلائی ہوئی آنکھوں سے اس نے دیکھا کہ وہ تین مرد اور ایک عورت تھیں۔ شہینہ کو تو اس کے قدموں کی آواز سے پہچان چکا تھا وہ، مگر دماغ پر چھائی غصہ کی کے باعث وہ اشخاص کے چہرے پہچاننے سے قاصر تھا نادر شاہ آگے بڑھا اور اپنی دائیں کلائی کے زخم کو ایک فخر کی مدد سے کریدنے لگا اس سے پہلے کہ خون کا قطرہ فرش پر گرنا اس نے اپنا ہاتھ مورتی کے ہاتھوں میں رکھے دیے کی طرف بڑھا کر اس میں خون پکا دیا اس دے کو اپنے خون سے بھرنے کے بعد اس نے دوسری کلائی کے زخم کو کرید لیا اور پھر دوسرے دیے کو بھی خون سے بھرنے لگا مورتی کی دونوں آنکھیں دیکھتے انگاروں کی طرح سرخ ہو چکی تھیں مگر اس بار اس کے ہونٹوں میں کوئی جھنجھٹ نہ ہوئی اسے اٹھا کر اس پتھر پر لٹا دیا نادر شاہ نے ان دونوں مورتے تازے اور عجیب سی شکلوں والے جنات کو حکم دیتے ہوئے مورتی کے مین سامنے رکھے قد آدم جتنے ایک بڑے سے پتھر کی طرف اشارہ کیا حکم سننے ہی دونوں جنات تیزی سے آگے بڑھے اور کامران کو بندھے ہوئے ہاتھ پاؤں سے پکڑ کر اس پتھر پر لٹا دیا تہہ خانے میں روشنی بڑھنے اور کمرے کے بل لٹ جانے کے باعث کامران کی دیکھنے کی جس قدرے بہتر ہو گئی تھی اب وہ چاروں اشخاص کو آسانی سے پہچان سکتا تھا۔

شب۔۔۔ شب۔۔۔ شبو یہ سب کیا ہو رہا ہے تم میرے ہاتھ پاؤں کیوں نہیں کھولتی کامران نے پورے وجود کی طاقت جمع کرتے ہوئے بولنے کی کوشش کی اور ہکلاتے ہوئے لہجے میں شہینہ سے شکوہ کرنے لگا بے بسی کی تصویر بنی کامران کی فریاد سننے کے باوجود شہینہ نے کسی قسم کا کوئی جواب نہیں دیا اور خاموشی سے کھڑی ہوں دیکھتی رہی جیسے اس نے کچھ سنا ہی نہ ہو۔

شب۔۔۔ شب۔۔۔ شب۔۔۔ شہینہ تم

جواب کیوں نہیں دیتی کامران نے رد ہانسی لہجے میں ایک بار پھر سے فریاد کی مگر شہینہ پتھر کا بت بنی اسے متفرق نظروں سے دیکھنے لگی اس دوران نادر شاہ کے اشارہ کرنے پر وہیں سے ایک جن نے سندور سے بھرا ایک تھال اٹھا کر نادر شاہ کو پکڑا دیا نادر شاہ نے اپنی ایک مٹی سندور سے بھری اس پر کچھ پڑھا اور پھر اسے ایک جھٹکے کے ساتھ کامران کے پورے وجود پر چھڑک دیا سندور گرنے کی دیر کی کہ کامران کا پورا وجود یوں سرسرا نے لگا جیسے کسی نے زمین پر تیزاب پھینک دیا ہو اس سرسراہٹ کو سن کر کامران عجیب سے انداز میں اپنی گردن ہلا کر اپنے وجود کا جائزہ لینے لگا سندور کے اس کے جسم پر گرنے کی دیر کی کہ مانو اس کے پورے وجود پر چوڑیاں سی ریگئے لگیں یہ، یہ مجھے کیا ہو رہا ہے۔

ا۔۔۔ ا۔۔۔ مجھے چھوڑ دو ہائے رحم کو مجھ پر میں نے بھلا تمہارا کیا لگا ڈا ہے مجھے معاف کر دو۔۔۔ اللہ۔۔۔ شہینہ تو مجھے کیوں نہیں بچاتی کامران دور دور بے چینی کی شدت سے غدا حال ہو رہا تھا شہینہ وہ فخر اٹھاؤ اور اسے اپنے ہاتھوں سے ذبح کر دو نادر شاہ نے احساسات سے غاری نظر شہینہ پر ڈالی اور سفاک لہجے میں اسے حکم دیا نادر شاہ کے چہرے پہ موجود تاثرات اتنے سفاک تھے کہ شہینہ خود خود زہرہ ہو گئی وہ تیزی سے مورتی کی طرف بڑھی اور وہی فخر جس سے نادر شاہ نے اپنی کلائی پر ضرب لگائی تھی اٹھا کر کامران کے بائیں طرف کھڑی ہو گئی نادر شاہ نے آنکھ کے اشارے سے ان دونوں جنات کو آگے بڑھنے کا حکم دیا ان دونوں نے کامران کے بازو اور ناگوں کو کس کے پکڑ لیا پھر نادر شاہ نے اپنا ایک ہاتھ شہینہ کے کندھے پر رکھ کر اسے حوصلہ دیا اور اپنے دوسرے ہاتھ سے اس نے کامران کے سر کے بال یوں پکڑ لیے کہ وہ بالکل حرکت نہ کر سکے۔ کامران بے سود لیٹا پھرتا ہوئی ٹھکسن آنکھوں کے ساتھ شہینہ کی آنکھوں میں جھانکے جا رہا تھا اس کے لب کیکار ہے تھے مگر اب اس میں بولنے کی سکت بالکل نہیں رہی تھی ہر طرف سے بے نیاز ہو کر بس

وہ رحم طلب نظروں سے اپنی شریک حیات کی آنکھوں میں جھانکے جا رہا تھا جہاں اب نفرت کے سوا کچھ بھی باقی نہیں تھا۔

خر..... خر..... خر..... خرشین اپنا پایاں ہاتھ کامران کے سینے پر رکھ کر دائیں ہاتھ میں پکڑا خنجر تیزی سے اس کی گردن پر چلاتی جا رہی تھی گلے پر خنجر چلتے ہی کامران کا پورا وجود اڑنے لگا اور کٹے ہوئے حلق سے عجیب سی آوازیں برآمد ہونے لگیں جب تک پورا سر دھڑ سے جدا ہو کر فرش پر نہ گر گیا شین نے خنجر چلانا جاری رکھا کامران کے سر کے گرتے ہی شین ایک جھٹکے سے پیچھے ہٹی اور زمین پر بیٹھ کر اپنا سر نیچے جھکا کر زور زور سے سسکیاں بھر رہی تھی، شاید زندگی میں پہلی بار اتنا گھٹاؤ ناکام کرنے کی وجہ سے اس پر رقت طاری ہو گئی تھی جب سرتن سے جدا ہو گیا تو نادر شاہ اور ان دونوں جنات نے بھی اس کے دھڑکویں ہی چھوڑ دیا چند لمحوں تک اس دھڑ میں ارتعاش ہوتا رہا اور پھر وہ بھی مانتہ بڑ گیا۔

چلو انھو شین جو ہونا تھا وہ ہو گیا تم بے فکر رہو۔

میں سب کچھ ٹھیک کر دوں گا ادھر آؤ میرے ساتھ ہم اوپر چلتے ہیں۔ نادر شاہ نے شین کا ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھانا چاہا تو وہ اس کے ساتھ آنے کے بجائے وہیں فرش پر بیٹھ کر سسکتی رہی۔ پھر نادر شاہ نے اپنا ایک ہاتھ اس کی کمر کے گرد کسا اور دوسرا ہاتھ ناگوں کے نیچے سے گزار کر اسے اپنی ہانپوں میں اٹھایا اور بیڑھیوں کی طرف چل چلا چند بیڑھیاں چڑھنے کے بعد نادر شاہ نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور پھر حرکت لے لے لے میں ان دونوں جنات کو حکم دے ڈالا یہیں ان قبروں کے ساتھ ایک اور گڑھا کھود کر اسے بھی یہیں دفن کر دوں گا کامران کی موت کو 40 دن گزر چکے تھے پچھلے 40 دن شین نے اسی عقی پورشن میں رہ کر بدکاریاں کرتے ہوئے گزارے تھے آج تو شین کے قدم زمین پر نہیں ٹک رہے تھے وہ بھی سوچ سوچ کر ہواؤں میں اڑی جا رہی تھی کہ آج رات جب چاند اپنے پورے جوبن پر ہوگا نادر شاہ سے اس کی

شادی اور پھر وہ اس عقی پورشن سے باہر نکل کر خلائے کی معززہ بن کر عیش کی زندگی گزارے گی مگر اسے کیا معلوم تھا کہ وہ جس شیطان کے ہتھے چڑھ چکی ہے وہ اس سے متعلق کیسے کیسے گھناؤنے منصوبے بنائے بیٹھا ہے۔ رات ہوتے ہی نادر شاہ ان موٹے جنوں اور شین کو لیے تہہ خانے میں اتر آیا شین کو اس بڑے پتھر پر بٹھانے کے بعد نادر شاہ مورنی کی طرف بڑھا اور جوئی دیوں میں اپنا لہو پیکا مورنی کی دونوں آنکھیں روشن ہو گئیں۔ بہت خوب نادر شاہ تم نے اپنا کام بہت خوش اسلوبی سے کیا ہے تمہیں یہ جان کر بہت خوش ہوگی کہ آقا ابلیس تم سے بہت خوش ہے اور تمہاری عرضی منظور کر لی گئی ہے بہت ناک آواز میں گرجا وہ شیطان آج قدرے پر جوش دکھائی دے رہا تھا بہت شکریہ میرے آقا۔۔۔ یہ سب آپ ہی کی وجہ سے ممکن ہو سکا ہے ورنہ میری بھلا کیا اوقات تھی نادر شاہ نے چالوسی کی روش پر رقرار رکھتے ہوئے جواب دیا کیا تم دونوں آخری عمل کے لیے تیار ہو اس شیطان نے نادر شاہ اور شین سے سوال کیا۔

ہاں آقا ہم تیار ہیں نادر شاہ کی ہاں میں ہاں ملائی شین نے ایک آواز ہو کر جواب دیا آج شین نے خوبصورت موتیوں سے مزین انتہائی پرکشش لباس زیب تن کر رکھا تھا سونے اور چاندی کے خوبصورت زیورات سے لدی شین نے بناؤ سنگھار پر بھی خوب توجہ دی تھی دیوں کی ہلکی روشنی میں اس پتھر پر بیٹھی شین کی پری سے کم خوبصورت نہیں لگ رہی تھی تو ٹھیک ہے شین کو جلدی سے اس پتھر پر لٹا کر اس کے ہاتھ پاؤں باندھ دو شیطان کا یہ حکم سنتے ہی شین گھبرا گئی۔۔۔ اور سوالیہ نظروں سے نادر شاہ کی طرف دیکھنے لگی مگر اس سے پہلے کہ وہ کوئی سوال کر پاتی دونوں جنات نے اسے پکڑ کر پتھر پر لٹا دیا اور اس کے ہاتھ پاؤں فرش سے منسلک مضبوط بیڑیوں میں جکڑ ڈالے اس دوران شین نے مزاحمت دکھائی مگر ان موٹے تازے جنات کے آگے اس کی بھلا کیا چلتی تھی۔

چھوڑ دیجئے یہ کیا کر رہے ہو۔۔۔ پیر سائیں یہ سب کیا ہو رہا ہے انہیں کہیں میرے ہاتھ کھولیں اور حیرانی اور غصے کے ملے جلے تاثرات میں شین نے نادر شاہ کی طرف دیکھ کر سوال کیا شین میں نے تمہیں کہا بھی تھا کہ آقا جو کہیں اسے چپ چاپ مان لینے میں ہی تمہاری بھلائی ہوگی اب آرام سے لیٹ رہو ورنہ ہماری ساری محنت بیکار ہو جائے گی نادر شاہ نے سفاک لہجے میں شین کو انتخاب کیا تو وہ مجبوراً خاموش ہو گئی نادر شاہ وہ آگ کا تقارہ اٹھا کر اس کے سر کی چٹکی طرف رکھ دو اور دھیان رہے کہ آگ کی پیش سرکونہیں لگتی چاہیے ورنہ اس کے خوبصورت بال خراب ہو جائیں گے اور اس نایاب بوٹی کسو کو آگ کے تقار میں ڈال دو نادر آگ کا تقار اس کے سر کے نیچے رکھ چکا تو شیطان نے بیت ناک لہجے میں حکم دیا نادر شاہ نے حکم کی تعمیل میں ذرا دیر نہیں کی۔ آگ کے تقار میں وہ جڑی بوٹی ڈالنے کی دیر بھی کہہ خانے میں عجیب سی بو پھیل گئی اس موقع کے لیے آقا ابلیس نے تمہیں جو منتر سکھایا تھا اس منتر کا جاب کرنا شروع کر دو وہی شیطانی آواز ایک بار پھر گرجی تو نادر شاہ نے شین کے دائیں جانب کھڑے ہو کر اپنے دونوں ہاتھ شین کے وجود کے اوپر پھیلا لیے اور آنکھیں بند کر کے اپنے ہاتھوں کو آہستہ آہستہ اوپر نیچے کرتے ہوئے ایک خاص منتر کا جاب کرنے لگا اس دوران تقار میں چلتی ہوئی آگ بھی خود بخود بجھ گئی اور وہ بدبودار دھواں شین کی سانس کے ساتھ اندر داخل ہو گیا۔

پیر سائیں اس دھوئیں کو ہٹائیں میری سانس رک رہی ہے پیر سائیں کیا ہو گیا ہے آپ کو۔۔۔ آپ میری بات کو کیوں نہیں سن رہے۔۔۔ سہ۔۔۔ سہ۔۔۔ اہ۔۔۔ اہ۔۔۔ اس تیز دھوئیں میں جب شین کے لیے سانس لینا مشکل ہوا تو وہ نادر شاہ سے اسے ہٹانے کا کہنے لگی لیکن نادر شاہ تو ہر چیز سے بے نیاز ہو کر منتر پڑھنے میں مصروف تھا پیر سائیں کچھ تو دم کریں۔ میری سانس رک رہی ہے آپ کو کچھ کیوں نہیں آتی۔۔۔ یہ

کیا بچکانہ حرکت ہے پیر سائیں۔۔۔ اس بار شین نے اکھڑی ہوئی آواز میں مخاطب کیا مگر نادر شاہ تو بس اپنے آقا کے حکم کی تعمیل میں مصروف تھا خاموش ہو جاؤ لڑکی آواز نہ لگے تمہاری بند کردہ اپنی ہاں۔۔۔ جب اپنے شوہر کو قتل کر رہی تھی تب تمہیں ترس نہیں آیا اور اب اپنی باری پر دم کی بھیک مانگ رہی ہو تم جیسی بے وقار اور بے حیا عورت کی بھی سزا ہے لالچی کہیں کی۔ آواز نہ لگے اب تمہاری۔

یکدم اس شیطان کا لہجہ غصیناک ہو گیا تھا اس وقت اس کی آواز اس قدر خوفناک تھی کہ اسے سن کر ہی شین پر سست طاری ہو گیا اور اس کی آنکھیں پتھر گئیں تم دونوں وہ ساتوں کے ساتوں سیاہ بکرے تو رہا یہاں لے کر آؤ، اس بار شیطان نے ان دونوں جنات کو مخاطب کر کے حکم دیا تو وہ دونوں دوڑ کر تہہ خانے کی بیڑھیوں کی طرف لپک گئے دھوئیں کی وجہ سے شین کے لیے سانس لینا ناممکن ہو چکا تھا اور اب وہ بے سود بڑی تھی اس بے ہوشی کے عالم میں بھی کبھی وہ کھانسنے لگتی تو اس کا پورا جسم اچھل اچھل جاتا تھا حتیٰ کہ وہ دونوں موٹے جنات اپنے کئی فٹ لمبے پاؤں میں بکروں کو پکڑے ہوئے تہہ خانے کی بیڑھیاں اترنے لگے تہہ خانے کا دروازہ بند کر دو جنات کو بیڑھیوں سے نیچے اترنا دیکھ کر شیطان نے انہیں حکم دیا تو ایک جن نے اپنے ہاتھ کو مزید لمبا کرتے ہوئے دروازے کے کواڑ بند کر دیئے ساتوں بکرے سر سے پاؤں تک سیاہ تھے ان کے جسم پر ایک بھی بال سفید نہیں تھا اور حتیٰ کہ ان کے سینک اور کمر تک سیاہ تھے نادر شاہ ایک ایک کر کے ان بکروں کی لمبی چڑھا نا شروع کر دیا وہ ہر بکرے کا چلو بھر خورن شین کے حلق میں پکڑتے جاؤ شیطان نے نادر شاہ کو حکم دیا تو وہ فوراً منتر کا جاب چھوڑ کر تہہ خانے کے ایک کونے کی طرف چل پڑا وہاں پہنچ کر اس نے دیوار سے لگی اس کو مارا اور واپس مورنی تک پہنچتے پہنچتے اسے غلام سے باہر نکال لیا جلدی کر دیا ایک ایک کر کے ان بکروں کو پکڑتے جاؤ

شیطان نے جنات سے مخاطب ہو کر حکم دیا تو ان دونوں نے ایک ایک بکرے کو پکڑا اور نادر شاہ کے سامنے لا کر کھڑا کر دیا بکرے کا سر ایک جن کے ہاتھ میں تھا تو دوسرے جن نے اسے کمرے پکڑ کر قابو کر رکھا تھا نادر شاہ نے فوراً اپنی کوار کو چھت کی طرف بلند کیا اور پھر بکرے کی گردن پر وار کر دیا کوار چلتے ہی بکرے کے حلق سے ایک خوفناک سی چیخ نکلی اور اس کا سر دور جاگرا بکرے کی گردن کٹنے ہی شینہ کا جسم پھٹنے کی طرح تڑپنے لگا اور وہ پتھر سے دو ٹوٹا اونچا اچھل اچھل کر خود گرنے لگی کجکھتم کھڑے کھڑے کیا دیکھ رہے ہو پکڑ کر قابو کرو اس ٹکڑی کو کہیں اس کے نازک بدن پر کوئی چوٹ نہ لگ جائے پھر پتہ نہیں وہ اٹلیس زاوی اس جسم کو قبول کرے گی بھی یا نہیں شیطان کا حکم سننے ہی دونوں جنات بجلی کی رفتار سے آگے بڑھے اور شینہ کے اچھل پھٹنے ہوتے جسم کو قابو کر لیا اس دوران نادر شاہ نے بکرے کی گردن سے رستے لہو کو ایک پیالے میں بھرا اور شینہ کے حلق میں انڈیل دیا حیرت کی بات یہ تھی کہ بے ہوشی میں ہونے کے باوجود شینہ نے گنا گنا وہ خون پی لیا جب شینہ کے جسم کا ارتعاش کم ہوا تو نادر شاہ نے آنکھ کے اشارے سے دونوں جنات کو ایک اور بکرہ قابو کرنے کو کہا تبہ خانے میں بے تحاشہ دھومیں کے باوجود دونوں جنات نے نادر شاہ کا اشارہ سمجھ لیا اور وہیں کھڑے رہ کر ایک ہاتھ سے شینہ کو قابو کیے رکھا اور دوسرے ہاتھ کو لہا کر کے ایک اور بکرے کو پکڑ لیا نادر شاہ نے کوار پھر سے بلند کی اور اس بکرے کی گردن پر چلا دی گردن کے کٹنے ہی ایک دم سے تبہ خانے کا دھواں تیزی سے سمنا شروع ہو گیا چند لمحوں میں ہی سارا دھواں ایک لمی کے وجود جتنا سمٹ کر تیزی سے تبہ خانے کی چھت پر چکر لگانے لگا جوں ہی تیسرے بکرے کی گردن کٹ کر گری وہ دھومیں کا غبار شینہ کے جسم کے اوپر گردش کرنے لگا اور پورا تبہ خانہ عجیب سی گڑ گڑاہٹ سے گونگ اٹھا وہ آگئی نادر شاہ وہ آگئی نادر شاہ کی توجہ دھومیں کے اس غبار کی طرف

دیکھ کر شیطان نے اسے خوشخبری سنائی خوشی سے سرشار نادر شاہ ایک کے بعد ایک بکرے کا سر قلم کرتا گیا ہر بکرے کا سر قلم ہوتے ہی تبہ خانے کی گڑ گڑاہٹ میں مزید اضافہ ہوتا گیا ہر بکرے کی لمبی کے وقت جب تک اس بکرے کا جسم تڑپتا رہتا تھا شینہ کا جسم بھی تڑپتا رہتا تھا اور اس دوران دونوں جنات اس کے جسم کو قابو کیے رکھتے شینہ کی روح اس کے جسم سے پرواز کر چکی تھی اس سے پہلے کہ دیر ہو جائے جلدی سے اس آخری بکرے کی لمبی چھٹی جڑھاو شیطان نے اپنی ہمت ناک آواز میں نادر شاہ کو حالات سے آگاہ کرنے کے ساتھ ساتھ حکم بھی دے دیا دونوں جنات نے جوں ہی بکرے کو قابو کرنے کے لیے اپنے ہاتھ اگے بڑھائے بکرا خوفزدہ ہو کر تبہ خانے میں ادھر ادھر دوڑنے لگا چھوڑ دیا اس لاش کو اور جلدی سے اس بکرے کو قابو کر وہ شیطان غصے سے ان جنات پر دھاوا تو دونوں جنات بکرے کے پیچھے بھاگ پڑے۔ ابھی وہ بکرا ان کے ہاتھ بھی نہیں آیا تھا کہ تبہ خانے کی چھت پر تیز تیز دوڑتے قدموں کی آہٹ سنائی دینے لگی اور پھر وہ آواز آہستہ آہستہ دروازے کے قریب آتی گئی پھر اچانک ایک تڑ تڑاہٹ کی آواز سے دروازہ کھلا اور 10، 12 آدمی ایک بارش شخص کی رہنمائی میں تیزی سے بیڑھیاں اتر کر تبہ خانے میں عین اس صورتی کے سامنے پہنچ گئے۔ آگے بڑھنے والے اس بوڑھے نے اپنے ہاتھوں میں پکڑی ایک پانی کی بوتل سے چلو پانی لیا اور اس صورتی پر ڈال دیا، صورتی پر پانی گرتے ہی ایک دم اس کی آنکھیں جھجھکیں اور تبہ خانے کی گڑ گڑاہٹ بھی ٹھم گئی عبداللہ تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ نادر شاہ نے غضب ناک لہجے میں دریافت کیا ابھی بتاتا ہوں کہ میں یہاں کیا کر رہا ہوں یہ کہہ کر پانی ڈالنے والے بوڑھے جس کا نام عبداللہ تھا نے پانی کا ایک چلو اور بھرا اور نادر شاہ کے ساتھ کھڑے ان دونوں جنات پر ڈال دیا۔ پانی کی بوندیں ان پر گرتے ہی ان کے پورے بدن سے دھواں اٹھنے لگا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ

دونوں جنات بھی غائب ہو گئے پکڑ لو اس کجکھتم کو، اور اس لاش کو بھی اٹھا کر لے چلو عبداللہ نے حکم دیا اس کے ساتھ موجود آدمیوں میں سے پانچ نادر شاہ کی طرف لپک کر اور پانچ شینہ کی لاش کو تبہ خانے سے باہر نکالنے گئے اس پورے جھیلے کے دوران تبہ خانے کی چھت پر گول گول ٹھونڈا دھواں عبداللہ کی آمد پر تبہ خانے کے ایک کونے میں سمٹ گیا تھا تم کیا سمجھتے ہو کہ اس علاقے کی عوام پر جودل چاہے گا ستم کرتے رہو گے۔ کیا تمہیں روکنے والا کوئی نہیں ہے میں شروع دن سے ہی تمہارے ہر عمل پر نظر رکھے ہوئے ہوں مگر ابھی تک تمہارے بھائی کی وجہ سے تمہیں ڈھیل دیتا رہا میں سمجھتا تھا کہ ایک نہ ایک دن تم راہ راست پر آ جاؤ گے مگر تمہاری ہوس ہے کہ تم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی بس بہت ہو گیا اب میں تمہارے گناہوں کا اختتام کر کے ہی رہوں گا اور تمہاری اس ظلم کی سلطنت کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دوں گا عبداللہ غصے سے بھرپور وجود کے ساتھ نادر شاہ کو اس کے انجام سے آگاہ کر رہا تھا عبداللہ تمہاری اتنی ہمت کہ تم نادر شاہ کے مقابل کھڑے ہو کر اسے لاکار رہے ہو بھول گئے کہ آج تم جس بھی مقام پر ہو میرے اور میرے بھائی کی ہی وجہ سے ہو، اگر میرے بھائی کو پتہ چل گیا تو تمہارا انجام بہت بھیا تک ہوگا۔ نادر شاہ یہ تمہارے بھائی کے احسانوں کا ہی نتیجہ تھا کہ تم اب تک زندہ ہو ورنہ میں تو تمہیں بہت پہلے ہی ختم کر چکا ہوتا اور رہی بات تمہارے بھائی کی تو چلو مرنے سے پہلے میں تمہیں بتا دوں کہ تمہارے بھائی نے ہی تمہیں ختم کرنے کے لیے مجھے یہاں بھیجا ہے وہ تو تمہیں اپنے ہاتھوں سے انجام تک پہنچانا چاہتے تھے مگر پھر اس خیال سے وہیں رک گئے کہ تمہیں چھوٹے بھائی کی محبت راستے کا کاٹنا نہ بن جائے اور چاہتے ہوئے بھی تمہیں قتل نہ کر سکیں اسی لیے اس کام کی ذمہ داری مجھے سونپی گئی ہے اور تم تو جانتے ہو کہ میں اپنا کوئی

کام اور عورت نہیں چھوڑتا یہ کہہ کر عبداللہ نے اشارہ کیا تو نادر شاہ کی پشت پر کھڑے ان تین آدمیوں نے اپنے 0 سے پتھر نکالے اور پتھر پتھر وار کے نادر شاہ کو وہیں ڈھیر کر دیا۔

عابد شاہ اپنے بھائی کی ہر حرکت پر گہری نظر رکھے ہوئے تھا اس کے کچھ خاص آدمی نادر شاہ کے مجاور بن کر ہر وقت اس کی درگاہ پر موجود رہتے اور اس کی ہر حرکت کی خبر عابد شاہ تک پہنچاتے رہتے تھے اسی طرح جب درگاہ پر روز شینہ کی آمد ہونے لگی اور پھر ایک دن کوٹھی کے اندر جانے کے بعد دو چاروں تک شینہ اور اس کے شوہر کی واپسی نہ ہوئی تو ان جاسوسوں نے یہ خبر عابد شاہ تک پہنچادی پھر عابد شاہ نے ان سب معاملے کی حقیقت پتہ لگانے کی ذمہ داری اپنے موکلات کو سونپ دی جب تک عابد شاہ کو اپنے بھائی کی اس نئی کارستانی کا ظلم ہوا تب تک بہت دیر ہو چکی تھی شینہ کا شوہر کئی دن پہلے ہی قتل ہو چکا تھا اور نادر شاہ شینہ کے ساتھ رنگ رلیاں مانتے میں مصروف تھا اس لیے اس وقت کاروائی کرنے کا کوئی فائدہ ہی نہیں تھا یوں عابد شاہ نے عین موقع پر اپنے بھائی کے سارے کیے کرائے پہ پانی پھیرنے کا منصوبہ بنایا اور اس سب کی ذمہ داری عبداللہ کو سونپ دی کہ نادر شاہ جیسا بھی ہے پر میرا بھائی ہے، شیطان کے بیماری کا خاتمہ کرتے وقت بھائی ہونے کی وجہ سے کہیں اس کے دل میں رحم نہ آ جائے اس تدبیر کا ایک دوسرا پہلو یہ بھی تھا کہ کہیں سارے واقعے کے بعد لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات نہ بیٹھ جائے کہ شاید عابد شاہ نے کسی قسم کے لالچ کی وجہ سے اپنے بھائی کو خود قتل کر دیا نادر شاہ کو قتل کرنے کے بعد عابد شاہ کے حکم کے مطابق اس کو بھی اسی تبہ خانے میں دفن کر دیا گیا تھا پھر اس شیطانی صورتی کو سمار کرنے کے بعد اس تبہ خانے کو بھی بیٹھ کے لیے بند کر دیا گیا صبح ہونے تک حویلی کا پورا کنٹرول عابد شاہ کے خاص آدمیوں کے ہاتھوں میں آچکا تھا اس کے بعد ایک طے شدہ منصوبے کے تحت ہی مشہور کر دیا گیا کہ نادر شاہ

میشہ کے لیے یہ ملک چھوڑ کر مکہ مکرمہ میں رہائش پذیر ہو چکا ہے۔

☆.....☆.....☆

سکسکی ہوا سے بھی رات کا سناٹا نیم پختہ قیروں پر کسی ناگ کی طرح سرسرا رہا تھا۔ چابجا پھلے غنڈ منڈ بیڑوں کی شاخوں سے ہوا میں ٹکرانی تو یوں لگتا جیسے پورا قبرستان ہولے ہولے سانس لے رہا ہو۔ حقیقتاً ایک ناقابل بیان غصہ ان بیڑوں پر طاری تھی۔ یہ بلوچستان کے شہر کوہلو کے مضافاتی علاقے کا اکلوتا قبرستان تھا اس قبرستان کے تین اطراف میں گھنا جنگل اور چوتھی سمت میں سنگارخ کے پہاڑ تھے قبرستان کے بالکل وسط میں ایک جمو پیڑی کے اندر سے روشنی بھوٹ رہی تھی لائین کی برقان زدہ روشنی میں ان دونوں افراد کے لرزیدہ سائے جمو پیڑی کی شکستہ دیوار پر متحرک تھے ان میں سے ایک بوڑھا ارشد اور دوسرا اس کا جوان بیٹا کمال تھا وہ دونوں فرش پر بیٹھے ایک بڑے سے تھیلے کے اندر انسانی ہڈیوں کے جھجرا کٹھے کر رہے تھے بوڑھے ارشد نے اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی ایک انسانی کھوپڑی تھیلے کے اندر ڈالی اور ایک طرف ہو کر بیٹھ گیا پھر جب تک اس نے اپنے کان میں اڑی بیڑی نکال کر سلگائی تب تک اس کا بیٹا کمال بھی اپنا کام ختم کر کے تھیلے کے سرے کو تنخی کی مدد سے باندھ چکا تھا جمو پیڑی کے اندر ایک ناقابل برداشت بدبو پھیلی ہوئی تھی مگر یہ دونوں گورکن باپ بیٹے اس بدبو سے بے نیاز تھے بوڑھے نے نصف بیڑی پینے کے بعد کمال کی طرف بڑھائی اور کانپتے ہوئے بولا اس بار تو ہم صرف ایک تھیلہ بھرے ہیں اب اس کلمو ہے ہاشم کی جھاڑ تم ہی سننا تو کمال نے بیڑی کا کثیر دھواں فضا میں اٹھا اور بولا ہم کیا کر سکتے ہیں ابو۔۔۔ جتنی ہڈیاں جمع ہو سکیں ہم نے کر دیں اب ہم اپنی ہڈیاں تو اسے تھیلے میں بھر کر دینے سے رہے۔ بیٹے کی بات سن کر بوڑھے ارشد کو غصہ آ گیا اور بولا تمہیں لوہر گردیاں کرنے سے فرصت ملے تو ہڈیاں جمع ہو سکیں تا سارا دن

تو گاؤں کے چشمے پر چکر لگا تا رہتا ہے بھلا تیرا چشمے پر کیا کام باپ کی بات سن کر کمال ایک لمبا سانس بھرتے ہوئے بولا ارے ابو میں تو چشمے پر مکھلی فضا کے مرے لینے جاتا ہوں۔

بس بس۔۔ سب پتہ ہے مجھے کہ تو وہاں کس واسطے جاتا ہے سارا دن تو وہاں کپڑے دھونے بیٹھی عورتوں کی چھاتیاں تاڑتا رہتا ہے اور اب یہاں بیٹھ کر مجھے کہانیاں سنارہا ہے باپ نے مارنے کے انداز میں ہاتھ نچا کر کہا تو کمال جھینپ کر ہی ہی کرنے لگا پھر ٹھیک اسی لمحے جمو پیڑی کے باہر ہلکی سی آہٹ ہوئی اور ٹاٹ کے جھولتے پردے کا نچلا سرا ذرا سا سر کا اور ایک موٹی جنگلی بیلے جیسا جانور کا خوفناک چہرہ نمودار ہوا کوئی اور ہوتا تو اس کی یہ صورت جانور کو دیکھ کر خوف سے سمٹ جاتا مگر کمال نے اسے دیکھتے ہی بڑے معنی خیزی انداز میں اپنی ہاتھیں پھیلا دیں اور پچکار کر خوفناک جانور کو اندر بلا لیا وہ بھی شاید اس آواز سے مانوس تھا لہذا فوراً ہی اندر آ گیا یہ لگ بھگ ساڑھے چار فٹ لمبا بچو تھا جو اب کمال کی گود میں اپنا سر رگڑتے ہوئے ساتھ ہی رکھے انسانی ہڈیوں سے بھرے تھیلے کو بھونکی نظروں سے دیکھے جارہا تھا یہ حرکت دیکھ کر کمال بڑے پیار سے اس کے سر پر اپنا ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا کچھ نہیں ہے اس تھیلے میں ان کا سارا گوشت تو تو پہلے ہی نوچ نوچ کر چٹ کر چکا ہے اس کی یہ بات شاید بچو نے سمجھ لی تھی، وہ جس پر اسرار انداز میں وارد ہوا تھا اسی طرح ایک اگڑائی لیتے ہوئے خاموشی سے دوبارہ نکل گیا اس کے نکتے ہی ارشد پہلی بار تعریفی لہجے میں اپنے بیٹے سے بولا اپنی ساری زندگی میں تو نے بس ایک ہی ڈھنگ کا کام کیا ہے کہ اس مردہ خود کو سدھالیا ہے۔

ہاں ابو جس قسم کا کام ہم کرتے ہیں اس کے بغیر تو بڑی مشکل ہو جاتی ہمیں کمال نے باپ کی تائید کی بیٹے مگر اس کی ایک بات خراب ہے جب یہ زیادہ بھوکا ہوتا ہے تو قبر سے مردہ نکال کر گوشت کے ساتھ ساتھ اس کی ہڈیاں بھی چھا ڈالتا ہے کمال نے باپ کی

بات پر کوئی رد عمل ظاہر نہ کیا اور بیڑی پینے میں مصروف رہا ابھی تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ باہر انہیں کسی کے مخصوص انداز میں کھانسنے کی آواز سنائی دی اس آواز پر وہ دونوں ہی چونک گئے آ گیا وہ موٹا۔۔ ارشد کے منہ سے بے اختیار نکلا پھر اس نے بیٹھے بیٹھے بلند آواز میں اسے پکارا جلالا لاجی اپنا مال لے جا اندر آ کر۔۔۔

اس کے کہنے کی دیر تھی کہ دروازے کا پردہ ہٹا اور ایک موٹا سا شخص اندر آ گیا اندر داخل ہوتے ہی فوراً اس نے اپنے ناک پر رد مال رکھ لیا شاید اندر پھیلی ہوئی ناگوار بو نے اس کے دماغ کی رگیں ہلا دی تھیں پھر جب اس کی نظر تھیلے پر پڑی تو وہ غصے سے بولا یہ کیا صرف ایک۔۔ ہاں لالا آج بس صرف ایک ہی لے جا اگلی بار دو تین تھیلے دے دیں گے ہاشم نے زمین سے وہ ہڈیوں بھرا تھیلہ اٹھایا اور چند بڑے ٹوٹ نکال کر کمال کی طرف بڑھاتے ہوئے خاصی شکایتی لہجے میں دونوں باپ بیٹوں کو مخاطب کر کے بولا پچھلی بار تم نے مجھے بہت ہی پرانا مال دیا تھا بالکل خست ہڈیاں تھی نکالنے نکالتے ہی بھر بھرا کر ٹوٹ گئیں لالا لاجی فکر نہ کرو اس بار مال تازہ ہے اگلی بار آپ کو شکایت نہیں ہوگی اس کی بات سن کر ارشد نے جان چھڑاتے ہوئے جواب دیا ٹھیک ہے آئندہ خیال رکھنا یہ کہہ کر ہاشم نے تھیلہ اٹھایا اور اپنا سر جھٹکتا ہوا جمو پیڑی سے باہر نکل گیا اس کے جاتے ہی دونوں باپ بیٹوں نے بھی سونے کی ٹھانی اور وہیں مٹی سی بوسیدہ درزی بچھا کر لیٹ گئے معتدل موسم شروع ہو چکا تھا یہ آدھی رات کا وقت تھا کمال اور اس کا باپ پر ہول سنائے میں بیٹھے بیڑی پی رہے تھے اجابک جمو پیڑی کے باہر کچھ لوگوں کی آوازیں آنے لگیں۔ پھر ساتھ ہی کسی نے زور سے پکارا ارے بھائی کوئی ہے اندر قبر کھدوانی ہے۔ ایک میت آئی ہے۔ یہ آوازیں سن کر اندر بیٹھے دونوں باپ بیٹوں کے کان کھڑے ہو گئے پھر کمال کھانسا ہوا باہر نکلا تو چند لوگوں کو باہر کھڑے پایا ان میں سے کچھ لوگوں کے ہاتھوں میں لائین بھی تھی کدھر کھدوانی ہے قبر؟

کمال نے اپنے لہجے میں بیڑی سوتے ہوئے کہا ارے بھائی ہمیں کیا پتہ جگہ تو ہم ہی بتاؤ گے ایک شخص نے جواب کیا کہ تو کمال سر ہلاتا ہوا وہ بارو جمو پیڑی میں آیا اور باپ سے بولا چل اٹھ اب کام آیا ہے اور اپنا بچھاؤ بھی اٹھالا۔

یہ کہتے ہوئے کمال کے لہجے سے دہلی دہلی مسرت عیاں ہو رہی تھی۔ ارشد نے ایک بدنما لباس پر جھولتی ہوئی لائین اٹھائی اور باہر آ کر ایک شخص سے بولا آؤ میرے ساتھ ادھر کوٹنے میں ایک خالی جگہ ہے مذکورہ شخص نے اس کی بات سن کر اپنے ساتھ کھڑے کچھ لوگوں کو میت لانے کا کہا جو انہوں نے اپنے قریب ہی رکھی ہوئی تھی یوں یہ سب لوگ بوڑھے ارشد کی رہنمائی میں چل پڑے اور مطلوبہ جگہ پہنچ کر رک گئے یہاں چند قیروں کے پیچھے ایک جگہ خالی تھی باپ کے اشارہ کرنے پر کمال اپنے کام میں جگ گیا اور باقی سب لوگ دائرے کی صورت میں کھڑے ہو گئے ان سب لوگوں کے چہروں پر بالکل خاموشی تھی تھوڑی دیر کے بعد باپ بھی بیٹے کی مدد کرنے لگا اور دونوں باپ بیٹا مل کر قبر کھودنے لگے۔

بھیدوں بھری ڈراؤنی رات دبے پاؤں گزر رہی تھی۔ فضا کے ہولناک سنائے میں ہوا میں تین کرتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں پھر جب لاش کو کھد میں اتارا جانے لگا تو باپ بیٹے نے محسوس کیا کہ ان سب میں سے کوئی بھی غلگن نہیں ہے لاش کا آخری دیدار بھی نہیں کیا گیا تھا۔ لاش کو قبر میں اتارنے کے بعد ان سب نے اس پر مٹی ڈالی اور چر فاختہ وغیرہ بڑھ کر لوٹ گئے ان کے جانے کے بعد کمال اور ارشد بھی اپنا سامان سمیٹ کر جمو پیڑی میں آ گئے اور دونوں نے تیز پتی کی چائے بنا کر پی اور پھر بیڑی سلگا کر دم بخود سے بیٹھ گئے وہ شاید اپنی ٹھکانا تار کو خود کو اصل کام کے لیے دوبارہ چاک و چوبند کر رہے تھے، اسی دوران ٹاٹ کا پردہ ہٹا اور ڈراؤنی شکل والا جمو جھومتا ہوا اندر آ کر دونوں باپ بیٹوں کو گھورنے لگا یہ دیکھ کر ارشد اپنے بیٹے سے بولا

چل اٹھ اپنا کام کر پہلے دن میں کام نپٹانا آسان ہوتا ہے۔

یہ سن کر کمال نے کوئی جواب نہیں دیا خاموشی سے تھملا سنبھالے اٹھ کھڑا ہوا ارشد بھی سامان اٹھائے اس کے ساتھ ہو لیا ان کے ساتھ چلتے ہوئے بجو کی چندی چندی آنکھوں میں عجب سی پراسرار چمک ابھر آئی ذرا سی دیر میں ہی یہ سب اس تازہ قبر کے پاس موجود تھے بجو نے سب سے پہلے اپنا کام سرانجام دیا اور قبر کھودنے لگا اس نے اتنی تیزی سے قبر کھودی کہ چند منٹوں میں ہی لاش کو کفن سے پکڑ کر قبر سے باہر کھینچ لایا لاش باہر آتے ہی وہاں عجب سا دھواں پھیل گیا یہ دھواں اتنا کثیر تھا کہ حدنگ صرف چند انچ رہ گئی تھی ابھی کمال اور ارشد اس سب کو سمجھ بھی نہیں پائے تھے کہ ایک دم سے وہ دھواں غائب ہو گیا جب بصیرت بحال ہوئی تو کمال اور ارشد نے چونک کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا پھر جلدی جلدی لاش کا کفن کھولنے لگے وہ لاش کسی عورت کی تھی اس کا چہرہ صاف دکھائی دے رہا تھا جیسے ہی کمال کی نظر اس عورت کے چہرے پر پڑی اس کا دل بری طرح دھڑکنے لگا وہ چہرہ ہی ایسا تھا انتہائی حسین و جمیل اور اتنا خوبصورت کہ ہاتھ لگے تو میلا ہو جائے ایسا حسین چہرہ اس نے آج تک نہیں دیکھا تھا وہ بڑی خوبیت سے اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔

اسے اس کی موت کا بہت دکھ ہونے لگا تو بے اختیار اس کا جی چاہنے لگا کش یہ زندہ ہوتی۔ ایسے کیا دیکھ رہا ہے اس سے شادی کرے گا کیا؟

اتار اس کا کفن اس کی سماعت سے اس کے باپ کی آواز نگرانی تو وہ ذرا سا چونکا اور پھر کپکپاتے ہاتھوں سے لاش کا کفن اتار دیا ابھی جب کمال کے ہاتھ اس عورت کی لاش سے نکلے تو اسے اس کا وجود گرم محسوس ہوا آج سے پہلے کبھی کسی لاش کے وجود میں ایسی گرمی کا احساس نہ ہوا تھا اس نے جب بھی کسی لاش کو چھوا تھا وہ برف کی طرح سرد اور ٹکڑک ہوتی تھی وہ ایک دم اٹھ کھڑا ہوا اور باپ سے بولا اب یہ تو زندہ ہے

اس کی بات سن کر ارشد بیٹے کی طرف گھور کر قدرے سخت لہجے میں بولا یہ کیا بکواس کر رہا ہے تو؟ ہٹ میں دیکھتا ہوں یہ کہتے ہوئے ارشد نے لاش کے سینے پر ہاتھ رکھا اور پھر سینے پر کان لگا کر دھڑکن سننے کی کوشش کی۔ مگر اسے تو سانسوں اور دھڑکن کی کوئی آواز محسوس نہ ہوئی اس کے بعد اس نے لاش کو ایک آنکھ کھول کر بتلی میں جھانکا پاگل ہو گیا ہے تو۔ یہ تو مردہ ہے یہ سن کر کمال نے بھی اپنی تسلی کرنا ضروری سمجھا اور چیک کرنے لگا مگر اب کی بار اسے بھی لاش میں زندگی کی ذرا بھی رت محسوس نہ ہوئی۔

رات دبے پاؤں گزر رہی تھی اور آسمان پر پورا چاند جو بن پر تھا کمال سیدھا کھڑا خوبیت کے عالم میں لاش کو نکلے جا رہا تھا پھر جیسے ہی بجو نے لاش پر چھینٹنا چاہا کمال نے اسے ایک زوردار لات رسید کی۔ لات اتنی زوردار تھی کہ بجو بلبلاتا ہوا دور جا کر اقریب کھڑا ارشد بیٹے کی اس عجیب حرکت پر چونک سا گیا اور کمال سے درشت لہجے میں بولا۔

ارے کیا کرتا ہے کیوں بجو کو مارتا ہے؟ نوچنے دے نا اسے گوشت۔۔۔ نہیں ابو میں اس لاش کے ساتھ ایسا نہیں ہونے دوں گا کمال نے عجیب سے سپاٹ لہجے میں کہا تو ارشد کو ایسا محسوس ہونے لگا جیسے اس کا بیٹا پاگل ہو گیا ہو وہ حیرت سے اس کی طرف دیکھ کر بولا یہ کیا کہہ رہا ہے تو؟ میں سچ کہہ رہا ہوں ابو۔ بس میرا جی نہیں چاہ رہا اتنی خوبصورت عورت کی لاش کی بے حرمتی کروں، میں اسے دوبارہ کفن میں لپیٹ کر قبر میں اتاروں گا کمال نے اس بار قطعیت سے جواب دیا تجھے کیا ہو گیا ہے رے۔۔۔ کیا تو اس لاش پر عاشق ہو گیا ہے بوز حار ارشد جھجک کر بولا تم کچھ بھی سمجھ لو اب مگر میں اس لاش کے ساتھ ایسا نہیں ہونے دوں گا کمال نے اٹل لہجے میں کہا وہ اب عجیب انداز میں ہانپنے لگا تھا۔

یہ سب دیکھ کر ارشد کو اپنے بیٹے پر پاگل ہونے کا یقین ہونے لگا اس نے لاشیں اٹھا کر اسے کمال

کے جوتے کے ذرا فریب کیا تو وہاں عجیب دیوانگی کے تاثرات نظر آئے ایک لمحے کو اس کا باپ بھی اپنے بیٹے کی اس عجیب و غریب کیفیت پر ڈر سا گیا تاہم اس نے ایک گہری سانس بھری اور خاموش ہو گیا اور وہ بجو کمال کی لات کھا کر ایک طرف کود بک گیا تھا اور اپنی چندھی چندھی جھکدار آنکھوں سے کمال کی طرف غصے سے دیکھ رہا تھا کمال نے جیسے تیسے اس لاش کو دوبارہ کفن میں لپیٹا اور دوبارہ دفن دیا لاش دفنانے کے بعد اس نے قریب بیٹھے بجو کو پکڑا اور باپ کے ساتھ واپس جھونپڑی میں آ گیا سب سے پہلے اس نے بجو کو رسی کی مدد سے ایک کھڑی چارپائی کے ساتھ باندھا اور چپ چاپ سونے کے لیے زمین پر لیٹ گیا آنکھیں بند کرنے کے باوجود ایک لمحے کے لیے بھی اس عورت کی لاش اور اس کا خوبصورت چہرہ اس کی نظروں سے اوجھل نہیں ہو رہا تھا کروٹ پر کروٹ بدلتے ہوئے نہ جانے کس وقت کمال کی آنکھ لگ گئی۔ اس دوران ارشد بڑے غور اور خاموشی سے بیٹے کی تمام حرکات دیکھتا رہا، رات یوں ہی دبے پاؤں گزر رہی تھی کہ اچانک کمال کی آنکھ کھل گئی آنکھ کھلنے کا سبب وہ دل دہلا دینے والی جھج تھی۔ جس نے کمال کو جاننے پر مجبور کر دیا تھا اسے یوں لگا جیسے اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا ہو، جیج قبرستان کے مشرقی حصے سے آتی محسوس ہوتی تھی اگلے ہی لمحے دوبارہ وہی لرزہ خیز جیج پھر سے ابھری تو اس نے کمال کو بستر سے اٹھنے پر مجبور کر دیا جلدی جلدی میں اس نے اپنے اطراف کا جائزہ لیا تو بری طرح چونک گیا وہاں نہ اس کا باپ ارشد تھا اور نہ ہی وہ بجو جسے اس نے چارپائی کے ایک پائے کے ساتھ باندھ دیا تھا دونوں کو غائب پا کر کمال ذرا سا ٹھنکا اور پھر جھونپڑی سے باہر نکل کر دیوانہ وار جیج کی سمت دوڑ لگا دی رات کی تاریکی نے چاروں طرف ہوکا عالم طاری کر رکھا تھا کمال کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ جیسے پسلیوں کا بجنجور توڑ کر ابھی باہر آگئے گا۔ چاند کی مدھم روشنی میں وہ ارد گرد پھیلی ہوئی

بھولی قبروں کے درمیان اپنے کچے راستے پر تقریباً دوڑتا جا رہا تھا مطلوبہ مقام پر پہنچ کر وہ بری طرح ٹھنک گیا اس کے قدم مشقی انداز میں جام ہو چکے تھے مگر اس کا پورا دوسرا تپا پکیا پار تھا چہرے پر دہشت سٹ آئی تھی اور آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھی سامنے ایک دلدوز ہولناک منظر تھا وہ منظر ہی ایسا تھا کہ کسی کے بھی ہوش کو گم گم کر دیتا اس خوبصورت عورت کی قبر اصراری پڑی تھی جس کی لاش کی بے حرمتی کرنے سے کمال نے اپنے باپ کو سختی سے منع کیا تھا پہلے ہی بجو اور باپ کو جھونپڑی سے غائب پا کر کمال کے دل میں خیال یہی ابھرا تھا کہ اس کا باپ اس کے سوجانے کے بعد بجو کو لے کر اپنا اوجھرا کام مکمل کرنے چل پڑا ہے مگر یہاں کا تو منظر ہی اور تھا۔۔۔۔۔ اصراری ہوئی قبر سے اس حسین عورت کی لاش نکالی جا چکی تھی۔۔۔۔۔ جو پاس ہی بے سود انداز میں چاروں شانے چت مگر صبح سالم پڑی تھی سفید بے داغ کفن اس کے حسین چہرے سے ہی نہیں بلکہ جسم سے بھی کافی سرک گیا تھا اس کی آنکھیں تو اب بھی بند تھیں مگر دل دہلا دینے والا منظر تو دوسری طرف تھا اس لاش سے ذرا دور کمال کا پالتو بجو ایک لاش کو اوجھڑ رہا تھا یہ لاش کمال کے باپ ارشد کی تھی۔۔۔۔۔ اور یہ خیال تو اس کے دہم و گمان میں بھی تھا کہ اس کا پالتو بجو اس کے باپ کی بھی ایسی حالت کر سکتا ہے، تاریکی میں بھی بجو کی آنکھیں تیز بلبلوں کی طرح روشن تھی ایسے میں اس کا لیوڑہ چہرہ اور بھی ڈراؤنا محسوس ہو رہا تھا کمال اس منظر سے خوفزدہ ہو کر واپسی کی طرف مڑا اور دوڑا اور بلا خرابی جھونپڑی میں آ کر دم لیا وہ بھولی بھولی سانسوں کو ہموار کرنے کی غرض سے لمبے لمبے سانس لینے لگا۔

اچانک سے باہر آسمان پر بادلوں کی خوفناک گڑگڑاہٹ گونجی اور آن کی آن میں موسلا دھار بارش شروع ہو گئی ساتھ ہی ساتھ بجلی بھی کڑکنے لگی تیز ہواؤں کا زور بھی بتدریج بڑھنے لگا تھا۔ ٹاٹ کا پردہ بھی تیز ہواؤں کے باعث ٹوٹ کر اندر بوسیدہ فرش پر اڑا

تھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ کمال کو بری طرح ایک انجانے خوف نے جکڑ لیا یا بردردوں کی طرح چیختی چلائی ہواؤں نے اس کے حواس معطل کر دیئے تھے وہ کسی انجانے اور ناقابل برداشت خوف کے زیر اثر یکپارہ با تھا لائیں کی روشنی کب کی بجھ چکی تھی اور اپنے باپ کی امداد ہناک موت اور اسے اپنے بجو کی خوراک بننے دیکھنے کا دکھ بھی کہیں دب گیا تھا البتہ باہر چپکنے والی بجلی کی تیز روشنی میں جھونپڑی کے کھلے چوکھٹے کا سایہ بڑا پراسرار منظر پیش کر رہا تھا سچی کمال کی ابھی ہوئی خوفزدہ نظر نے جھونپڑی کے دروازے پر کسی کا سایہ دیکھا اس نے ڈرتے ڈرتے ذرا آگے کھٹک کر دروازے کی سمت دیکھا تو آگے کا منظر دیکھ کر اس کے قدم وہیں جم گئے۔۔۔ اور وہ مٹی کا بت بنا آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس طرف دیکھنے لگا کمال نے دروازے سے باہر جھانکا تو وہاں وہی خوبصورت عورت زندہ کھڑی تھی اس نے اپنے جسم کے گرد و فتن کو اس طرح لپیٹا ہوا تھا کہ جس سے اس کے دونوں بازو بالکل ننگے ہو رہے تھے جس سے بدن پر لپٹا کنٹن اور ہوا کے زور سے اڑتے لمبے سیاہ بال باریک گھائی ہوئیوں پر لمبکی میسکراہٹ اسے پراسرار بنا دیتے کے لیے کافی تھے۔ اچانک بجلی چمکی تو وہ کسی بردرد سے کم نہیں لگ رہی تھی۔۔۔۔۔ رات کے اس پہرے میں منظر دیکھ کر کمال کے اوپر کی سانس اوپر اور نیچے کی نیچے رہ گئی آنکھیں مارے دہشت کے اس قدر پھیل گئی تھیں جیسے ابھی حلقوں سے باہر نکل پڑیں گی تبھی اچانک بجلی کا زرد دار کھٹکا ہوا اور وہ عورت آگے بڑھنے لگی اور کمال اس دہشت ناک منظر کی تاب نہ لاتے ہوئے ایک چیخ کے ساتھ زمین پر گرنا چلا گیا۔

کمال کی آنکھ کھلی تو صبح بخیر ہو چکی تھی اس نے گردن ہٹا کر دیکھا تو اپنے سامنے چار پائی پر بیٹھی اس حسین عورت کو دیکھ کر بری طرح ٹھنک گیا پہلا تو وہ اسے اپنے سامنے زندہ سلامت پا کر خوفزدہ ہوا مگر پھر اس نے دیکھا کہ اس عورت کی خوبصورت آنکھوں میں انسو اتر آئے ہیں اور دلکش چہرے پر دکھ کے تاثرات

نمایاں ہیں ابھی وہ اسے دیکھ ہی رہا تھا کہ وہ عورت اس کی طرف دیکھتے ہوئے رونے لگی۔

کمال اسے روتا دیکھ کر بے چین سا ہو گیا اور فوراً اٹھ کر اس کی جانب آیا۔

تم کون ہو اور کیوں رورہی ہو؟ اس عورت نے اپنی سیاہ اور فتناک پلکیں اٹھا کر کمال کی طرف دیکھا اور بولی پہلے تم بتاؤ کہ تم کون ہو پھر میں سوچوں گی تم اعتبار کے قابل ہو بھی یا نہیں دیکھو تم جو کوئی بھی ہو مجھ پر اعتماد کر سکتی ہو۔ میں تمہیں کسی قسم کا کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ میرا نام کمال ہے میں اس قبرستان کا گورکن اور رکھوالا ہوں اس جھوٹری میں میں اور میرے ابا رہا کرتے تھے لیکن رات ہی ایک حادثے میں ان کی وفات ہو گئی اور اب میں بالکل اکیلا ہوں کمال کے بارے میں سن کر شبیہ مزید دہکی ہو گئی اور گلوگیر لہجے میں بولی اور میرا مطلب تم بھی میری طرح نکل اکیلے رہ گئے ہو اتنا کہہ کر وہ عورت پھر سے سسکیاں لینے لگی۔ تو کمال مزید پریشان ہو گیا کمال اپنا لپکپاتا ہوا ایک ہاتھ اس کے کاندھے پر آہٹکی سے مرنے سے روکے بولا۔

تمہارے ساتھ کیا ظلم ہوا ہے مجھے بتاؤ ہو سکتا ہے میں تمہاری کوئی مدد کر سکوں نہیں تم میری بھلا کیا مدد کرو گے رہنے دو تم سے نہ ہو پائے گا شبیہ کمال کے کون کو ابھار رہی تھی میں وعدہ کرتا ہوں اگر ممکن ہوا تو ماری مدد ضرور کروں گا مگر تم کچھ بتاؤ تو سچ۔

پہلے وعدہ کرو کہ تم میری مدد کر دو گے پھر میں میں اپنی حقیقت بتاؤں گی۔

ہاں۔ ہاں میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہاری مدد دوں گا اب بتاؤ بھی کمال جھجھلا کر بولا۔

سچ میں تم میری مدد کرو گے شبیہ نے جھٹ سے لگا ہوا اپنے نرم دنازک ہاتھوں میں لے لیا۔۔۔

حسین و جمیل عورت کا قرب کمال کو سرشار کر دینے لیے کافی تھا ہاں سچ کمال نے گردن ہلا کر جواب دیا کہ شبیہ چہرے پر گہری پریشانی طاری کرتے

ہوئے اسے اپنی کہانی سناتے مگر میرا نام شینہ ہے میں ایک غریب مزدور کی بیوی تھی نہ جانے کیسے ایک عبد اللہ نامی مغلی جادوگر کی گندی نظر مجھ پر پڑ گئی وہ شیطان کا چہاری اور کالے ظلم کا ماہر ہے ایک دن اس نے دھوکے سے مجھے اور میرے شوہر کو اپنی درگاہ پر بلایا اور میرے شوہر کو قتل کرنے کے بعد کئی ماہ تک مجھے اپنی قید میں رکھ کر اپنی حاجات و خواہشات کی تکمیل کے لیے مجھ پر طرح طرح کی اذیتیں ڈھا تا رہا اس نے مجھ پر بے شمار ظلم و ستم کیے مگر میں نے اس کی ایک ناپاکی اور اس کا ہر ظلم برداشت کرتی رہی پھر ایک دن موقع پا کر میں اس کی قید سے فرار ہو گئی مگر بد قسمتی سے اس کے ایک چیلے نے مجھے دیکھ لیا اور پکڑ کر واپس اسی مغلی جادوگر کے پاس لے آیا میرے فرار کا سن کر وہ جادوگر غصے میں آ گیا اور مجھے ڈنڈوں سوٹوں سے خوب مارا اسی مار کی وجہ سے میرے سر پر کوئی اندرون پی چوٹ لگی اور میں بے ہوش ہو گئی اس کے بعد مجھے نہیں معلوم کہ میرے ساتھ کیا ہوا، شاید وہ لوگ مجھے مردہ سمجھ کر یہاں پھینک گئے، پھر جب بارش کا پانی مجھ پر پڑا تو مجھے ہوش آ گیا اور میں مدد کے لیے اس کنیایا کی طرف چلی آئی مگر پھر تم بھی شاید رات کے اس پہر مجھے یہاں اس حالت میں دیکھ کر ڈرے اور پھر بے ہوش ہو گئے میں یہی میری کہانی ہے اور اب مجھے اس عامل سے اپنے شوہر کی موت اور مجھ پر کیے گئے ہر ظلم کا بدلہ لینا ہے میرا تو اس دنیا میں کوئی بھی نہیں رہا میں اکیلی عورت ان ظالموں سے بھلا کیسے نکلے سکوں گی اور مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ اگر اسے میرے زندہ ہونے کا علم ہو گیا تو کہیں وہ مجھے پھر سے قید نہ کر لے یا پھر ماری نہ ڈالے اس لیے مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے اتنا کہہ کر شینہ پھر سے رونے لگی۔

تم بالکل مت گھبراؤ شینہ میں ہوں نہ، میں تمہاری ہر طرح سے مدد کروں گا اور تمہاری خاطر اپنی جان تک قربان کرنے سے نہیں کترؤں گا کمال نے شینہ کو یقین دلواتے ہوئے جواب دیا، یہ سن کر شینہ کی

آنکھوں میں چمک ابھرا آئی اور وہ کمال کے حریف قریب تر ہوتی گئی ایک خوبصورت عورت کو اپنے اتنا قریب پا کر کمال بے حال ہوا جا رہا تھا کمال میں بالکل اکیلی اور بے یار و مددگار ہوں اب میرا اس دنیا میں کوئی نہیں رہا، مجھے ایک مضبوط سہارے کی ضرورت ہے اس بوڑھے جادوگر نے کوئی کالاعمل کر کے مجھے اس قبرستان کی چار دیواری تک محصور کر دیا ہے اصل میں رات جب تم مجھے دیکھ کر بے ہوش ہو گئے تھے تو میں نے سوچا کہ کسی طرح اس قبرستان سے نکل کر ہستی کی طرف نکل جاؤں اور وہاں کسی سے مدد مانگوں مگر پھر جیسے ہی میں نے قبرستان کی دیبڑے سے قدم باہر رکھنا چاہا تو میرا پورا وجود انگاروں کی طرح سٹکے لگا، اب جب تک وہ جادوگر زندہ ہے میں کبھی اس قبرستان سے باہر نہیں نکل سکتوں گی کیونکہ اب وہ اپنی مرضی سے تو کبھی یہ حصار ختم نہیں کرے گا اس طرح سے اس نے مجھے اس قبرستان میں قید کر دیا ہے اب یا تو اس کی موت واقع ہو جائے یا پھر وہ خود اپنی مرضی سے یہ حصار ختم کرے تو تب ہی میں اس قبرستان سے باہر قدم رکھ سکوں گی۔ شینہ کے چہرے پہ خوف اور پریشانی کے آثار نمایاں تھے وہ خوفزدہ سی نظروں سے کمال کی طرف گھورے جا رہی تھی ٹھیک ہے تم بے فکر ہو جاؤ شینہ میں کوئی حل نکال لوں گا اور اس بڑے سے بھی منٹ لوں گا اور اصل کمال اب بڑی سنجیدگی کے ساتھ اس بوڑھے عبداللہ سے منسنے کے بارے میں سوچنے لگا تھا جس کی وجہ سے شینہ اتنی پریشان تھی شینہ نے بھی تو ہو سکا ہے کہ حصار والی بات صرف تمہارا وہم و ہواؤں تم خواہ مخواہ اتنا پریشان ہو رہی ہو چلو میرے ساتھ ہم ابھی یہاں سے نکلے جہں کمال نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے کھڑا ہونے کا اشارہ کیا شینہ نے ایک نظر اس کے چہرے کی طرف دیکھا ایک لمحے کے لیے اس کے چہرے پر خوف کے آثار ابھرے اور پھر وہ اس کے ساتھ چلنے پر راضی ہو گئی کمال اور شینہ دونوں ساتھ ساتھ چلے ہوئے قبرستان کے گیٹ پر پہنچ گئے کمال نے شینہ کی طرف دیکھا تو شینہ کے حسین

چہرے پر عجیب سا خوف منڈلا رہا تھا اور وہ اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے چھڑوانے کی کوشش کرنے لگی کیا ہوا شینہ زور نہیں میں ہوں نا تمہارے ساتھ۔ کمال نے اس کا حوصلہ بڑھایا تو شینہ نے ڈرتے ڈرتے ایک قدم گیسٹ سے باہر نکالا اور جیسے ہی زمین پر رکھا اگلے ہی لمحے وہ ایک تیز جھٹکے کے ساتھ اچھل کر پیچھے کو جا پڑی۔ جیسے اس کو کسی نے زور سے دھکا دیا ہو شینہ کو یوں گرتے دیکھ کر وہ بھی کافی حد تک خوفزدہ سا ہو گیا تھا مگر ایک خوبصورت عورت کے سامنے وہ اپنا خوف ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا لہذا وہ اپنی کیفیت پر قابو پاتے ہوئے بجلی کی تیزی کے ساتھ زمین پر گری شینہ کی طرف لپکا اس کو سنبالنے کے دوران اس نے دیکھا کہ اس کا ایک پاؤں ایزی کی طرف سے مجلس کر سیاہ پڑ چکا ہے شینہ کے گورے چنے پاؤں کی یہ حالت دیکھ کر کمال کے دماغ میں اس بوڑھے جادوگر کے خلاف نفرت کا الاؤ سلگ اٹھا۔

دیکھ لیا تا تم؟ اہں بوڑھے شیطان نے جادو کے زور پر میرا یہاں سے ایک قدم باہر نکالنا بھی ناممکن بنا رکھا ہے اگر اب میں نے دوبارہ سے اس منحوس قبرستان سے باہر نکلنے کی کوشش کی تو جل کر راکھ ہو جاؤں گی اس نے تقریباً کراہتے ہوئے روپائی آواز میں کہا بھلا کمال کو یہ کیسے منظور ہوتا کہ شینہ جیسی حسین عورت کا یہ حشر ہو لہذا اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی کے آثار نمایاں ہونے لگے اور وہ دل ہی دل میں اس جادوگر کو کھٹکانے لگانے کے منصوبے پر غور کرنے لگا تم فکر نہ کرو شینہ میں اسے ختم کر کے ہی دم لوں گا۔ کمال نے مضبوط اور اٹل لہجے میں کہا اور شینہ کو سہارا دیتے ہوئے واپس جمو پڑی میں لے آیا مکار شینہ کے خوبصورت گورے گورے پاؤں پر دھبہ دیکھ کر کمال کا غصہ آسمان کو چھونے لگا اور اسے شینہ پر تڑپ بھی آنے لگا اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ اس بوڑھے جادوگر کو ہلاک کر کے ہی رہے گا۔

اصل میں ہوا یوں کہ جب بابا عبداللہ اور اس

کے آدمی شینہ کی لاش کو اٹھا کر قبرستان لارہے تھے تو تبھی اہلیس زادی بھی دھوکے کے غبار کی شکل میں تہہ خانے سے نکل کر ان کے پیچھے چل پڑی جس وقت بابا عبداللہ شینہ کی لاش کو دفنانے میں مصروف تھا تبھی عابد شاہ نے قبرستان کے گرد ایک حصار قائم کر دیا تاکہ اہلیس زادی قبرستان میں داخل ہو کر شینہ کی لاش تک کبھی نہ پہنچ سکے لیکن اس کے علم میں یہ نہیں تھا کہ اہلیس زادی تو پہلے ہی قبرستان میں پہنچ چکی ہے جب تک بابا عبداللہ لاش کے ارد گرد موجود رہا جب تک اہلیس زادی اس لاش سے دور رہی بابا عبداللہ نے اپنی نگرانی میں اس لاش کی تدفین کرائی اور واپس لوٹ گیا جیسے ہی اہلیس زادی قبر کے نزدیک گئی اس پر آشکار ہوا کہ بابا عبداللہ جاتے جاتے قبر کی مٹی پر پانی پڑھ کر ڈال کر گیا ہے اب اہلیس زادی نہ تو قبرستان سے باہر نکل سکتی تھی نہ ہی قبر میں لپٹی شینہ کی لاش میں حیل کر سکتی تھی مگر پھر اس کا یہ مسئلہ بھی کمال اور اس کے بابا نے حل کر دیا جوں ہی شینہ کی لاش کو قبر سے باہر نکالا اہلیس زادی فوراً اس میں حیل کر گئی اب اس اہلیس زادی کی سب سے پہلی کوشش یہی تھی کہ وہ کسی طرح بابا عبداللہ کو اپنے راستے سے ہٹا دے تاکہ قبرستان کے گرد کھینچا گیا حصار ختم ہو جائے اور وہ آزاد ہو سکے کمال شینہ کے جھلے ہوئے پاؤں پر لپ لگاتے ہوئے سوچ رہا تھا شینہ ایک بات تو بتاؤ کیا مجھ جیسا ایک عام آدمی اس بوڑھے جادوگر کو ہلاک کر سکے گا ہاں بالکل تم یہ کام کر سکتے ہو بلکہ تم ہی تو اسے ہلاک کرنے کی سکت رکھتے ہو اس کی اس بات پر شینہ فوراً بول پڑی تو اچانک اسے یہ احساس ہوا کہ اسے کسی دوسرے طریقے سے کمال کو جواب دینا چاہیے تھا مگر تیرے کمان سے نکل چکا تھا لہذا کمال اس بات پر چونک کر شینہ سے بولا۔

کیا مطلب..... میں بھلا ایک جادوگر کو ہلاک کرنے کی کس طرح سکت رکھتا ہوں یہ سوال کرتے ہوئے کمال کو اپنے بزدلانہ لہجے کا احساس ہوا تو وہ فوراً بات کو بدلتے ہوئے شینہ سے بولا اچھا جو کچھ بھی ہے تم

مجھ پر بھروسہ رکھو اور گھبراؤ مت میں اس کا پتہ صاف کر کے ہی دم لوں گا اس کی بات سن کر وہ مکار شینہ اطمینان کا سانس لینے لگی اور ایک رومان پرور مسکراہٹ کے ساتھ کمال کی طرف دیکھنے لگی پھر لوہا گرم دیکھتے ہوئے اس کے مزید قریب آئی اور بولی اس بوڑھے کا مرنا بہت ضروری ہے کمال اس جادوگر کے مرنے کے بعد ہم دونوں شادی کر لیں گے اور پھر ہماری زندگی میں خلل ڈالنے والا کوئی نہیں ہوگا اگر تم نے اسے نہیں مارا تو پھر وہ مجھے ہمیشہ کے لیے تم سے جدا کر دے گا اور سچ پوچھو تو اب میں تم جیسے ہمدرد اور اتنے پیار کرنے والے نوجوان کے سوا کسی اور کے ساتھ رہنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ کمال اگر اب کی بار وہ مجھ تک پہنچ گیا تو میں اسی وقت خودکشی کر لوں گی شینہ نے غززدہ لہجے میں جواب دیا تو کمال اس کی موت کے ساتھ تصور سے ہی کانٹا اٹھا شینہ ایسی باتیں مت کرو تم بس میرے رکھو میں سب کچھ ٹھیک کر دوں گا یہ کہہ کر کمال نے جذباتی انداز میں شینہ کو سینے سے لگا لیا اور وہ بھی کسی کٹے ہوئے درخت کی طرح اس کی آغوش میں جھولنے چلی گئی یہ کچھ دن بعد کی ایک پراسرار شام کا ذکر تھا کمال اور شینہ ایک دوسرے سے چپک کر خوش گپیوں میں مصروف تھے کہ تبھی شینہ کے چہرے پر عجیب سی بے چینی اور گھبراہٹ کے تاثرات نمودار ہوئے اور پھر سرسراتے لہجے میں بولی کمال کوئی اس طرف آ رہا ہے مجھے لگتا ہے یہ وہی بوڑھا ہے یہ کہتے ہوئے شینہ جمو پڑی سے باہر نکلنے لگی تو کمال بھی اس کے پیچھے چلا آیا باہر نکل کر دیکھا تو جمو پڑی کے عین سامنے اکیلا بابا عبداللہ موجود تھا جو قبر آؤد نظروں سے شینہ کو گھورے جا رہا تھا تبھی مکار شینہ نے پاس کھڑے کمال کے پیچھے چپ کر آہستگی سے سرگوشی کی۔

کمال ہوشیار ہو جاؤ یہ وہی ہے آج اس کی بد قسمتی اس کو یہاں پہنچ کر لائی ہے اس سے بہتر موقع پھر بھی نہیں ملے گا جلدی جلدی اس کا کام تمام کر دو اس سے پہلے کہ بابا عبداللہ کمال کے سامنے شینہ کے

بول کھولتا شینہ نے کمال چالاکی سے کمال کو اسے ختم کرنے کا اشارہ دے دیا اشارہ ملنے کی دیر تھی کہ کمال غصے سے پھٹکا رہا ہوا جمو پڑی کے اندر آیا اور اس نے اپنی کمال اٹھائی تبھی اچانک باہر سے اسے شینہ کے گزرتے کی آواز آئی وہ بابا عبداللہ سے مخاطب تھی خدا کے لیے میرا پیچھا چھوڑ دو میں اس لڑکے کے ساتھ پرسکون زندگی بسر کرنا چاہتی ہوں، مجھے میرے حال پر چھوڑ دو مجھ غریب نے بھلا تمہارا کیا پکا ڈاڑھے کیوں میرے پیچھے پڑ گئے ہو کمال شینہ کی گریہ زاری سن کر مزید بھڑک اٹھا اور اس کا غصہ بھی سوا سر ہو گیا۔ اس وقت اسے باہر سے بابا عبداللہ کی قہر آلود آواز سنائی دی وہ شینہ سے کہہ رہا تھا کہ تم اپنی گندی زبان پر خدا کا نام مت لو تو ایک شیطانی روح ہے اور تیرا ٹھکانہ صرف جہنم ہے یہ سننے کی دیر تھی کہ کمال کچھ سوچے سمجھے بنا اپنی کمال اٹھا کر ان کی آن میں بابا عبداللہ کے سر پر پہنچ گیا اس سے پہلے کہ بابا کچھ بھٹکا کمال نے برق رفتاری سے کمال اپنے دونوں ہاتھوں میں تمام کر لیا بابا عبداللہ کے سر پر دے ماری اور بابا عبداللہ کمال کے اچانک وار سے اسی وقت ختم ہو گیا، عبداللہ شاہ کمال کے ایک ہی وار سے مر چکا تھا کمال سر تا پا لڑوہ بڑا انعام تھا اس کی نگاہیں بابا عبداللہ کے چہرے پر جم کر رہ گئی تھیں بابا عبداللہ کے لبوں سے برآمد ہونے والے آخری لفظ اللہ نے کمال کو اندر سے بری طرح جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا، مکار شینہ نے یہ لفظ نہ لیا تھا بابا عبداللہ کی لاش سے نظر ہٹے ہی اس نے شاطر نظروں سے کمال کے چہرے کی طرف دیکھا وہ گویا کمال کی ذہنی کیفیت کا اندازہ لگانے کی کوشش کر رہی ہو اس کے خاموش چہرے پر عین غلطی کے تاثرات نمایاں تھے اور پھٹی پھٹی آنکھوں میں جھجھتاہٹ کی جھلک کر دھ لے رہی تھی، اس سے پہلے کہ کمال کسی گہری سوچ میں مبتلا ہوتا شینہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنی طرف متوجہ کیا اور کہنے لگی۔

کمال کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ کس سوچ میں غم ہو

جلدی کر دیں کہیں قبر کھود کر اس جادوگر کی لاش کو اسی وقت دفن کر دو اگر اسے یہاں کسی نے دیکھ لیا تو ہمارے حق میں بہتر نہیں ہوگا کمال شینہ کی بات سن کر چونکا اور پھر الجھن آمیز لہجے میں بولا شینہ تم تو کہتی تھی کہ یہ جادوگر شیطان کا پیارے ہے مگر مرتے وقت اس نے اللہ کا نام کیوں لیا ایک ایسا سوال تھا یہ جس نے شینہ کو بھی ایک دم سے دم بخود کر دیا پھر وہ سنبھل کر کھڑی ہوئی نگاہوں سے کمال کی جانب دیکھتے ہوئے معصوم لہجے میں بولی کمال تم تو واقعی سیدھے انسان ہو تمہارا ذہن بھٹکانے اور مجھ سے بدل کرنے کے لیے یہ بھی اس جادوگر کی ایک چال تھی تم بس ان باتوں پر دھیان مت دو اور جو میں کہہ رہی ہوں وہ سمجھو تمہارے اتھے ہو کمال تم نے جو کہا تھا وہ کر دکھایا اتنا کہ شینہ نے اپنے حسن کا جال کمال کے گرد مزید تنگ کر دیا اور اپنے دیکھتے ہوئے اس کے ہاتھوں پر رکھ دیے ذرا سی دیر میں اس کے نرم و گداز جسم نے کمال کے سوچے سمجھے کی صلاحیتوں کو ناکارہ بنا دیا پھر اچانک کمال کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں تمام کر دہ پیار بھرے لہجے میں بولی کمال اگر تمہیں میری بات کا یقین نہیں تو تم اپنی اس بات کی تصدیق کر لو کہ میں سچی ہوں یا جھوٹی اگر میری بات غلط ثابت ہوئی تو تم اسی کمال سے مجھے بھی مار ڈالنا۔

شینہ کی بات سن کر کمال کو احساس ہوا کہ شینہ پر شک کر کے اس نے اسے شدید دکھ پہنچایا ہے مجھے تم پر اور تمہاری محبت پر پورا یقین ہے وہ شرمندگی سے بولا تم جو کہو گی میں وہی کروں گا مجھے کسی تصدیق کی ضرورت نہیں ہے کمال کا جواب سن کر مکار شینہ کی آنکھیں یکدم چمک اٹھیں اور وہ کمال کا ہاتھ تھامے بابا عبداللہ کی لاش کو کھانے لگانے کے لیے چل پڑی اسی رات جب کمال کسی کام سے قبرستان سے باہر گیا ہوا تھا اور شینہ جھوپڑی میں پڑی چارپائی پر لیٹی اپنی کامیابی کی خوشی میں مسکرا رہی تھی تو بھی اسی موٹی والی شیطان کی آواز شینہ کے کانوں میں گرائی اس جھوپڑی کی کامیابی پر اتنا خوش ہونے کی ضرورت نہیں ہے

ابلیس زادی قبرستان کے گرد موجود حصار ابھی ختم نہیں ہوا تم اب بھی اس قبرستان میں ہی قید ہو کیوں، کیوں آقا ایسا کیوں ہے وہ بوڑھا تو مر چکا ہے ناب تو حصار کیسے ختم نہیں ہوا۔

اچانک اس شیطان کی آواز سے شینہ چونکی اور اٹھ کر بیٹھ گئی اور پھر حیرت زدہ لہجے میں پوچھنے لگی وہ اس لیے تم اپنی کم علمی کے سبب یہ جان ہی نہ سکی کہ یہ حصار بابا عبداللہ نے نہیں بلکہ عابد شاہ نے لگایا تھا، اوہ اب یہ عابد شاہ کون ہے شینہ نے تیوری چڑھا کر سوال کیا عابد شاہ نادر شاہ کا بڑا بھائی ہے اور نوری علم کا ماہر ہونے کی وجہ سے بہت طاقتور ہے تم اس کی طاقت کا اندازہ صرف اس بات سے لگا لو کہ وہ بابا عبداللہ جس نے مجھ جیسے طاقتور شیطان کو پانی کے چند چھینٹوں سے بھاگنے پر مجبور کر دیا وہ بابا عبداللہ تو اس کا ایک ادنیٰ سا شاگرد تھا پھر کیا ہوگا میرے آقا؟ میں اس قبرستان میں قید ہو کر نہیں رہنا چاہتی مجھے یہاں سے باہر نکلنا ہے اس شیطان کا جواب سن کر شینہ شدید مایوس کن لہجے میں بولی اب تمہارے پاس صرف ایک ہی راستہ ہے کہ کسی طرح اس کو اس بات پر راضی کر لو کہ وہ عابد شاہ کو بھی اس طرح دھوکے سے قتل کر دے اور ہاں یہ بات ذہن نشین کر لو کہ دار خالی نہیں جانا چاہیے ورنہ تمہارا یہ مہر اہمیت بری طرح مارا جائے گا اور اگر اس نے اپنی زبان کھولی اور تمہاری یہاں ہونے کی اطلاع عابد شاہ تک پہنچ گئی تو تمہاری موت یکی ہو جائے گی پھر عابد شاہ کے قبر سے تمہارا ابلیس بھی تمہیں نہیں بچا سکے گا، بس جو کچھ بھی کرنا ہو پوری منصوبہ بندی سے کرنا نہیں تو تمہارا انجام بہت بھیا تک ہوگا اس شیطان کی بات مکمل ہی ہوئی تھی کہ جھوپڑی کا پردہ ہٹا دو کمال اندر داخل ہو کر حیرانی کے عالم میں ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

شینہ یہاں کون ہے تم کس سے باتیں کر رہی تھی؟ نہیں کمال یہاں تو کوئی نہیں تھا میں تو تمہیں ہی آواز میں دے رہی تھی اصل میں میں نے تمہارے

قدموں کی آہٹ سن لی تھی اور آواز دے کر جلدی آنے کا کہہ رہی تھی تمہیں تو پتہ ہی ہے تمہارے بغیر گزرنے والا ایک ایک پل میرے لیے کسی اذیت سے کم نہیں ہوتا اور تم ہو کہ مجھے چھوڑ کر چلے جاتے ہو، مکار شینہ نے رومان پرور نگاہوں سے کمال کی طرف دیکھتے ہوئے اس کی بات کا جواب دیا اور پھر اس کا بازو پکڑ کر اسے اپنے اوپر ڈھیر کر لیا۔

کمال کے اعتراف میں گہری دھند چھا گئی ہوئی تھی اسے اپنا وجود دکھائی نہیں دے رہا تھا مگر اس کے علاوہ وہ سب کچھ دیکھ سکتا تھا پھر اسی دھند میں اسے ایک نورانی چہرہ نظر آیا جسے دیکھ کر وہ کانپ گیا یہ نورانی چہرہ بابا عبداللہ کا تھا ان کی دو دھماکتی ہوئی دھڑکیوں سے ڈھکی ہوئی آنکھیں بند تھیں اور بارش چہرے پر بلا کا سکون چھایا ہوا تھا۔ پھر ان کے ہونٹ متحرک ہوئے اور وہ کمال سے مخاطب ہو کر کہنے لگے جو ہونا تھا ہو چکا شاید اس دنیا میں میرا وقت ختم ہو چکا تھا مگر تم تو بس ایک سبب تھے میں نے تمہیں اپنا خون معاف کیا اور اللہ تعالیٰ بھی تم پر رحم فرمائے بابا عبداللہ کے الفاظ پر کمال کے دل میں اب خوف کی بجائے پچھتاوے کا درد سمٹ آیا پھر اس کی آنکھوں میں بے اختیار مدامت کے آنسو اُڑ آئے۔

بابا جی مجھے معاف کر دینا میں تمہارا مجرم تمہارا قاتل ہوں میں نے ایک عورت کی باتوں میں آکر بے گناہ آپ کی جان کی کمال کی آواز میں واضح طور پر اعتراض تھا بچے میری بات غور سے سنو بابا نے کمال کی بات نظر انداز کرتے ہوئے کہا جس عورت کے ساتھ تم رنگ رلیاں منانے میں مشغول ہو وہ کوئی عورت نہیں بلکہ ایک بدکار ابلیس زادی ہے اب بھی وقت ہے ہوشیار ہو جاؤ اتنا کہہ کر بابا عبداللہ کا تو کمال بول اٹھا بابا اب مجھے بتاؤ کہ آخر یہ شینہ کون ہے اور وہ آزاد ہوئے کے لیے اتنی بے چین کیوں ہے کمال کی بات پر بابا عبداللہ پر جلال لہجے میں بولے ہاں تمہیں یہ بھی بتانا ضروری ہے تاکہ تم اس کی اصل

حقیقت جان سکو لیکن سب سے پہلے یہ بات جان لو کہ اس بد ذات کا نام شینہ نہیں بلکہ نسا ہے وہ ایک ابلیس زادی ہے جسے کالے جادو کے زور پر بلایا گیا ہے اور پھر بابا عبداللہ کمال کو شروع سے لے کر شینہ کو دفن کرنے تک کی کہانی سنا چلا گیا بابا عبداللہ ایک لمحے کے لیے رکا اور پھر سے گویا ہوا بیٹے تمہارے بابا کو بھی اسی بد بخت نے قتل کیا ہے جب تم اس رات سو رہے تھے تب تمہارا بابا شیطان قوتوں کے زیر اثر آ کر اس کی قبر کی کشائی کے لیے چلا گیا جیسے ہی قبر کشائی مکمل ہوئی اس عورت نے تمہارے باپ کو قتل کر دیا اور پھر وہاں سے تمہاری کنیا کی طرف لوٹے ہوئے تمہارے اس پالتو بچہ کو بھی ہلاک کر دیا جسے تم نے بہت محبت سے پالا تھا اتنا سننے کی دیر تھی کہ کمال کا رواں رواں غصے سے سگٹنے لگا۔

بھلا اس کے باپ کے سوا اس کا دنیا میں اور تھا ہی کون، اس مکار ابلیس زادی نے اس سے اس کا اکلوتا دست شفقت بھی چھین لیا اسے لاوارث بنا دیا بیٹے ابھی تو وہ تمہیں اپنے فائدے کے لیے استہمال کر رہی ہے مگر جب اس کا کام مکمل ہو گیا تو تمہیں بھی ختم کر دے گی اس سے پہلے کہ تم وہ تمہیں ناقابل حلانی نقصان پہنچائے تمہیں بڑی جالاک سے اس کا خاتمہ کرنا ہوگا ورنہ تمہیں پچھتانے تک کی مہلت نہیں ملے گی سب سے پہلے وہ تمہیں بہکا کر فرشتہ مفت شخص عابد شاہ کو ختم کرائے گی تاکہ اس کا راستہ صاف ہو جائے اور پھر تمہاری باری آئے گی پھر یہ ابلیس زادی کسی سخی جادوگر سے شادی کر کے ایسے شیطان بنے کو جنم دے گی جو ظاہری طور پر تو انسان ہوگا مگر اس کی خصلتیں شیطان ہوں گی اگر وہ بچ پیدا ہو گیا تو اس دنیا میں تباہی پکڑے گا مگر تم ایسا نہیں ہونے دینا اس تک کام میں تمہاری بخشش اور عافیت ہے۔ ابھی تو وہ ابلیس زادی اسی قبرستان میں قید ہے اس لیے مخلوق خدا اس کے شر سے بھی محفوظ ہے لیکن اگر وہ آزاد ہو گئی تو ہزاروں قتلوں کا باعث بنے گی بیٹے اس سے پہلے کہ

بہت دیر ہو جائے تم اس اہلیس زادی کو یہیں جنم
واصل کرو۔ بابا عبداللہ اتنا کہہ کر خاموش ہو گئے تو
کمال جو شیلے لہجے میں بولا آپ بے فکر رہیں بابا میں
ایسا ہی کروں گا اور اس اہلیسا کو اس کی شیطانی منصوبہ
بندیوں سمیت نیست و نابود کروں گا۔

شبابش میرے بچے مجھے تم سے یہی امید تھی بابا
عبداللہ نے کمال کا حوصلہ بڑھایا پھر اچانک کمال
تذبذب زدہ لہجے میں بولا بابا میں اکیلا بھلا اس اہلیسا
کا مقابلہ کیسے کروں گا اگر وہ اتنی طاقتور ہے کہ وہ
میرے بابا کو ہکا کر اپنے مقصد کے لیے استعمال کر
سکتی ہے اور اب ایک لاش تک کو اس نے اپنا مسکن بنا
رکھا ہے تو وہ مجھے بھی آسانی سے اپنے قابو میں کر لے
گی زیر کر لے گی مجھے کوئی راستہ دکھائیں تاکہ میں اس
کا مقابلہ کر سکوں کمال تمہیں ذرا ہوشیاری اور چالاکی
سے کام لینا ہو گا تم ایسا کرنا صبح ہوتے ہی مسجد کی طرف
چل پڑنا ندی کے پار کا گڑاؤں آئے گا تو وہاں پہنچ کر
کسی سے بھی عابد شاہ کا پتہ معلوم کر لینا اور اسے کہنا کہ
مجھے بابا عبداللہ نے خواب میں آکر آپ کا پتہ بتایا
ہے، اور پھر جس تم انہیں اپنا نام بتا دینا تم ڈرو نہیں
انہیں تمہارے بارے سب کچھ پہلے ہی معلوم ہو چکا
ہے، وہ تمہارے ساتھ شفقت سے پیش آئیں گے اور
آگے کی راہ بھی وہی دکھائیں گے تم بس ثابت قدم
رہنا اللہ تمہارا اتنا بیان رہے یہ کہتے ہی بابا عبداللہ کا چہرہ
دھند میں کہیں غائب ہو گیا کمال نے ہر بڑا کر اپنی
آنکھیں کھولیں تو اس وقت صبح ہونے ہی والی تھی چند
لہجے تو اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا کہ یہ سب کیا ہے مگر
پھر ذہن پر زور دینے پر اس پر یہ حقیقت آشکار ہوئی
کہ وہ واقعی خواب میں بابا عبداللہ سے ہم کلام ہوا
ہے اس نے مصمم ارادہ کر لیا کہ وہ بابا کی نصیحت پر ضرور
عمل کرے گا اس نے بے گناہ بابا عبداللہ کا قتل کر کے
جو سنگین گناہ کیا تھا اب اس کا ازالہ وہ اس اہلیس زادی
کی ہلاکت کی صورت میں ادا کرے گا پھر چاہے تو اس
کی جان کیوں نہ چلی جائے۔

کمال، بابا عابد شاہ کو سارا ماجرہ سنانے کے
بعد نظر جھکائے بڑے ادب سے ان کے سامنے بیٹھا
تھا تم نادانی میں اپنا تو بہت بڑا نقصان کر ہی بیٹھے ہو مگر
میں بھی شدید رنج میں مبتلا کیا عبداللہ میرے لیے
بھائیوں سے بھی بڑھ کر تھا، تم نہیں جانتے تم نے نہیں
کتنے قیمتی اثاثے سے محروم کر دیا ہے وہ بیچارہ تو تمہاری
بھلائی ہی کے لیے وہاں آیا تھا مگر تم نے اس کی بزرگی
کا بھی خیال نہیں کیا تمہاری جرأت پر غصہ تو ہمیں بہت
آیا مگر پھر عبداللہ نے خواب میں آکر ہمیں ساری
حقیقت بتائی اور تمہاری طرف داری کرتے ہوئے یہ
بھی کہا کہ وہ نوجوان شیطانی چال میں جھنڈ کر حق سے
بھٹک گیا ہے یہ شیطانی قوتیں ہوتی ہی ایسی ہیں کہ
اچھے اچھوں کا دماغ خراب کر دیتی ہیں تو بھلا وہ
نوجوان کیا چیز ہے عابد شاہ کچھ بھر کے لیے رکا اور کمال
کی طرف دیکھا تو اس کی بھگی ہوئی آنکھوں سے
آنسوؤں کا سیلاب رواں تھا اور چہرے پر ندامت
کے آثار تھے مرشد پاک مجھے معاف کر دیجیے میں بابا
عبداللہ سے بھی بہت شرمندہ ہوں میں انجانے میں
بہت بڑی غلطی کر بیٹھا ہوں اس بد بخت عورت نے
میرا دماغ ماؤف کر دیا تھا مجھے کچھ سوچنے سمجھنے کی
مہلت نہیں ملی ویسے بھی باپ کے مرنے کے بعد میں
بالکل اکیلا ہو گیا تھا ایسے میں اس عورت کا سہارا ملنا تو
میں خود غرض بن گیا۔

کوئی بات نہیں بے غلطی تو تم نے بہت سنگین
کی ہے مگر اچھی بات یہ ہے کہ تم اپنے کیے پر دل سے
شرمندہ ہو اور اپنی غلطی کا اعتراف بھی کر رہے ہو
معاف کرنے والی ذات تو صرف اللہ کی ہے اور وہی
سب کو ہدایت دینے والا ہے مگر ہاں تم نے جو مجھے رنج
پہنچایا ہے اس کو معاف کرنے کے لیے تمہیں میری
ایک شرط ماننی ہوگی عابد شاہ نے سوالیہ نظروں سے
کمال کی طرف دیکھتے ہوئے اپنی بات مکمل کی شاہ
صاحب مجھے آپ کی ہر شرط منظور ہے، بغیر سے منظور
ہے جو آپ حکم دیں گے وہ مجھے منظور ہوگا چاہے تو

آپ مجھے سولی پر چڑھا دیں یا پھر زندہ درگور کر دیں
میں آف تک نہیں کروں گا، کمال نے بڑی عاجزی اور
انکساری سے جواب دیا تو عابد شاہ اس کی طرف دیکھ کر
مسکراتے لگا تو عبداللہ کا کہنا بالکل درست تھا مجھے اس
بات پر فخر ہے کہ تمہیں معاف کر کے میرے دوست
نے بالکل صحیح فیصلہ کیا اور دردی بات سولی پر لٹکانے کی تو
سوئی پر تو تمہیں لٹکانا ہی ہوگا ہاں مگر حق کی سچی کی سولی پر
اس بد بخت اہلیس زادی کو کیفر کردار تک پہنچانے کے
بعد تمہیں ہمارے پاس ہی لوٹ کر آنا ہوگا اور پھر جب
تک ہم زندہ ہیں تمہیں یہیں رہ کر ہم سے دینی تعلیم
حاصل کرنی ہوگی اور اگر ہمیں بہتر لگا تو ہم تمہیں
روحانی علوم سے بھی روشناس کرا دیں گے سیدی طرح
کہوں تو اب تمہاری اگلی زندگی اللہ اور اس کے رسول
اللہ کی راہ میں صرف ہونی ہوگی بولو منظور ہے عابد شاہ
نے بڑے سنجیدہ اور شفقت بھرے لہجے میں سوال کیا تو
کمال کا چہرہ خوشی سے جھوم اٹھا۔

شاہ صاحب میرے لیے اس سے بڑی خوش
قسمتی کیا ہوگی کہ آپ جیسی ہستی کا کرم حاصل ہو جائے
اور آپ کہیں تو میں انجھی سے آپ کے زیر سایہ رہنے کو
تیار ہوں۔ نہیں۔ نہیں۔ ابھی تو تمہیں بہت شخص مرطے
سے گزر کر اپنی غلطی کو سدھارنا ہے ہم چاہیں تو بھی اسی
وقت تمہارے ساتھ چل کر اس بد بخت اہلیس زادی کو
جہنم واصل کر سکتے ہیں مگر ہم چاہتے ہیں کہ تم اپنے
گناہوں کا کفارہ خود ادا کرو اور ایک طرح سے یہ تمہارا
پہلا امتحان بھی ہوگا کہ تم واقعی راہ حق کے لیے ہر طرح
کی قربانی اور خطرہ مول لینے کو تیار ہو۔

اگر تم اس مقصد میں کامیاب ہو کر زندہ لوٹ
آئے تو بے شک گناہوں سے پاک ایک خوب صورت سی
زندگی تمہاری منتظر ہوگی جی شاہ صاحب جیسے آپ کی
مرضی میں ہر طرح سے تیار ہوں بس آپ میری رہنمائی
کر دیں کمال نے عابد شاہ کی ہاں میں ہاں ملا دی یہ لو
اس تعویذ کو اپنے پاس رکھو ابھی اور واپس قبرستان جا کر
سب سے پہلے اسے کسی محفوظ جگہ پر چھپا دینا تاکہ اس

اہلیس زادی کو تم پر شک نہ ہو اور پھر وقت آنے پر اس
تعویذ کو آسانی سے پاسکو عابد شاہ نے چمڑے میں سلا
ہوا ایک لمبی ڈوری سے مشک تعویذ کمال کی طرف
بڑھایا تو اس نے فوراً اسے اپنی جیب میں رکھ لیا اب
آگے کی بات غور سے سنو اور عمل کرتے وقت بڑی
احتیاط اور چالاکی سے کام لینا ورنہ تمہاری جان بھی جا
سکتی ہے بڑا وہ کوئی عام انسان نہیں بلکہ ایک طاقتور
اہلیس زادی ہے اس کا خاتمہ انسانوں کی طرح نہیں کیا
جاسکتا چونکہ وہ ایک اہلیس زادی ہے اور اہلیس جنات
کی ہی ایک قسم ہے تو ان کا خاتمہ بھی جنات کی طرح ہی
کیا جاسکتا ہے جنات کو ہماری طرح مٹی سے نہیں بلکہ
آگ سے بنایا گیا ہے اس لیے ان کی کڑواہیاں بھی ہم
سے الگ ہیں جس طرح زہر کو زہر کا ٹاٹا ہے اسی طرح
آگ کو آگ ہی کا ٹی کاٹنے کی وہ بدذات جب تک کسی
عورت کے جسم میں موجود ہے اس کا خاتمہ کرنا بہت
آسان ہے لیکن اگر تم نے کسی کی کوتاہی کی اور وہ
کے جسم سے باہر نکل گئی تو اس کا خاتمہ تو مشکل ہو جائے
گا مگر سب سے پہلے وہ تمہیں ہلاک کر دے گی اس لیے
میں تمہیں بار بار کہہ رہا ہوں کہ تمہیں نہایت چالاکی اور
بھرتی سے کام لینا ہوگا جیسا سب سے پہلے تمہیں قبرستان
کے اس پرانے کونوں کو کھود کر دوبارہ کھرا کرنا ہوگا جسے
کئی سال پہلے تمہارے باپ نے بند کر دیا تھا تمہیں وہ
کونوں تو یاد ہے؟

جی۔۔۔ جی۔۔۔ شاہ صاحب مجھے ابھی طرح
یاد ہے کمال نے اقرار کیا کہ تم اس کونوں کو کھود کر اترے گہرا
کر دینا کہ کوئی انسان آسانی سے اس کے اندر سے
باہر نہ آ سکے پھر اس کونوں کی تہ کو مونی مونی لٹکائی اور
پتوں سے بھر دیا اس کے بعد اس بد بخت کو کسی طرح
بھلا پھلا کر اس کونوں کے نزدیک لے جانا ہے اور پھر
موج دیکھ کر وہیں چھپائے گئے اس تعویذ کو بڑی بھرتی
سے اٹھا کر اس کی گردن میں ڈال دینا اگر تم اپنی اس
کوشش میں کامیاب ہو گئے تو اس کی ساری طاقت
معدول ہو جائے گی اور وہ اسی جسم میں قید ہو کر وہ

چلے گی پھر تجھی سے سنبھلے کا موقع دے بغیر تم اسے اس کو تو میں دھکیل دیتا اور پھر کتوں کی تہ میں پڑی نکلیں گے گنگا کے کنارے اس جسم کے تلے ہی وہ بد بخت بھی کھوکھلا ہو جائے گی جل کر خاک ہو جائے گی۔

کیا تم اس سب کے لیے تیار ہو اس بار عابد شاہ نے پھر سے پوچھا آپ بے فکر ہیں شاہ صاحب میں اپنی جان کی بازی لگانے دوں گا اور انشاء اللہ کامیاب ہو کر لپٹوں گا کمال نے اس قدر جو شیلے اور براعت لہجے میں جواب دیا تو عابد شاہ نے اس کی کمر پر جھکی دے کر اس کی صحت پر ملاحظہ کیا اور بولا اس سے پہلے کہ اس بد وقت کو تم پر تنگ ہو جائے تم جلدی سے واپس قبرستان پہنچو پھر پتے منصوبے پر عمل شروع کرو، اللہ تمہارا حامی و ناصر ہو کمال جو بیڑی میں واپس پہنچا تو صبح ہوئے کافی وقت گزر چکا تھا اور دھوپ سر پر آنے ہی پہنچی تھی کمال تم کہاں چلے گئے تھے مجھے بتائے میں کتنی پریشان تھی چارپائی پر اونچھی لیٹی شینے نے حدود قس کے طرف منہ کر کے کمال کو دیکھتے ہوئے کہتی تھی مجھے میں کہا۔ اندر داخل ہوتے ہی اس کی پہلی نظر شینے کی پشت پر پڑی تھی اس طرح لیٹی شینے کا تھل تھل کرتا جسم کمال پر بھجان انگیزی طاری کرنے کے لیے کافی تھا ایک لمحے کے لیے تو وہ سب کچھ بھول کر جس اس کے جسم کی رعنائیوں میں کھو گیا اس کا دل چاہا کہ سب کچھ نظر انداز کر کے بس شینے کی ہی منہ ہر اوصاف کی بات مانے ایک لمحے کو اس کے ذہن میں یہ دوسری آج ایک ہو سکتا ہے شینے بالکل صحیح کہہ رہی ہو اور یا عابد شاہ واقعی کوئی جادوگر ہو جو مرنے کے بعد بھی اس کے خوابوں میں آکر اس کو بھگا رہا ہے۔

نہیں نہیں یہ میں کیا سوچ رہا ہوں یہ بد بخت تو یہی ہے جس نے میرے سر سے باپ کا دست شفقت جھینس لیا اور مجھے لاوارث بنا دیا بھلا اس رات اس قبرستان میں اور تھا ہی کون جو میرے باپ کو اس بے حدودی سے قتل کرتا اور جب میرے باپ نے میرے کہنے پر اس لاش کی زندہ ہونے کی تسلی کرنی چاہی تو وہ

واقعی مردہ تھی پھر میں نے خود بھی تو اس لاش کی تسلی کی تھی چلو اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ واقعی پھر اس رات جسم پر تشدد کا کوئی نشان کیوں نہیں تھا بلکہ میں نے تو اس کے بدن کا رول رول دیکھا ہوا ہے اور اگر اس رات اس کی حالت اتنی ہی غیر تھی تو وہ خود جل کر اس جو بیڑی تک کیسے پہنچ گئی اور پھر مجھے بے ہوش ہوتا دیکھ کر بھی تو اسی نے سنبھالا تھا اگر میرے باپ کو اس نے قتل نہیں کیا تو کم از کم اس نے قاتل کو تو ضرور دیکھا ہو گا اور اگر قاتل میرے باپ کو قتل کر سکتا تھا تو بھلا اس نے اس بد بخت کو کیسے زندہ چھوڑ دیا اور اگر یہ سچی ہوتی تو مجھے میرے باپ کے قاتل کے بارے میں کچھ تو بتاتی اور اگر یہ اتنی ہی سچی ہوتی بھلا عابد شاہ اسے ختم کرنے کی ذمہ داری مجھے کیوں سونپتا وہ چاہتا تو اپنے چیلوں کے ذریعے مجھے قید کر سکتا تھا یا پھر مجھے قتل کر دیتا اور پھر خود اسے ختم کر دیتا یا پھر اسے اپنے ساتھ لے جاتا وہ اسے ختم کرنے کی ذمہ داری مجھے کیوں دیتا۔

شینے میری جان، گاؤں کے سردار سے اس قبرستان کی رکھوالی کی خواہ لینے چلا گیا تھا تم سوئی ہوئی تھی تو میں نے تمہیں جگانا مناسب نہیں سمجھا میں تو یہ سوچ کر صبح سویرے نکل گیا تھا کہ روشنی ہونے سے پہلے ہی واپس آ جاؤں گا مگر کچھ دوست مل گئے اور مجھے مجبوراً ان کے پاس رکنا پڑا اس لیے دیر ہو گئی، کمال نے ان خیالات کو اپنے ذہن سے جھٹکا اور بڑی چالاکی سے کام لینے ہوئے شینے کو جھانسا دینے لگا۔

اچھا کمال تم میرے پاس بیٹھو مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے اونچھی لینے لینے شینے نے پاس ہی کھڑے کمال کا ہاتھ تھاما اور اسے اپنے پاس بٹھایا بولو میری جان، صبح صبح کون سی ضروری بات یاد آ گئی تمہیں؟ کمال نے بیٹھے لہجے میں اسے مخاطب کیا کمال میری باتوں کو غور سے سنواں بوڑھے کے مرنے کے باوجود قبرستان کے گرد موجود حصار ابھی تک ختم نہیں ہو سکا اور میں اب بھی قبرستان سے باہر نہیں نکل

سکتی شینے نے رو بانسی لہجے میں کمال کو بتایا۔

کیا یہ تم کیا کہہ رہی ہو شینے۔۔۔ تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا تم نے تو کہا تھا کہ اس بوڑھے کے مرتے ہی وہ حصار بھی ٹوٹ جائے گا اور تم ہمیشہ کے لیے آزاد ہو جاؤ گی۔۔۔ تو پھر وہ حصار ختم کیسے نہیں ہوا شینے کی بات سن کر کمال ایک دم سے چارپائی پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور انجان بننے کی اداکاری کرتے ہوئے حیرت زدہ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا، کمال میں تمہیں یہ سب بتا کر پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی اس لیے میں نے سوچا کہ صحیح وقت آنے پر تمہیں آگاہ کر دوں گی یہ حصار اب تک ختم کیوں نہیں ہوا مجھے تو یہ صبح سے معلوم بھی نہیں لیکن مجھے شک ہے کہ یہ حصار اس بوڑھے نے نہیں بلکہ اس کے ایک دوست عابد شاہ نے لگایا ہے شینے نے ایک طرح سے اندازہ لگاتے ہوئے جواب دیا اب یہ عابد شاہ کون ہے اور تم اسے کیسے جانتی ہو، کمال نے شینے کو کھنگالنے کی کوشش کی اصل میں جب اس بوڑھے نے مجھے قید کر رکھا تھا تب اس عابد شاہ کا وہاں بہت آنا جانا لگا رہتا تھا مجھے اس کی نظروں میں ہوں صاف نظر آتی تھی اسی لیے مجھے شک ہے کہ یہ حصار ابھی تک ختم نہیں ہوا تو ضرور یہ سب اس عابد شاہ کا کیا دھرا ہو گا۔

اگر تم عابد شاہ کو ختم کرتے ہو تو مجھے یقین ہے کہ یہ حصار بھی ختم ہو جائے گا اور میں آزادی کی زندگی کی سکون کی وگرتہ میں کبھی اس قبرستان سے باہر قدم نہیں نکال سکوں گی کمال تم میری خاطر اسے ختم کر دو گے نا؟ شینے نے آنسو بہا کر کمال کی ہمدردی سمیٹنے کی کوشش کی،،، ہاں،،، ہاں کیوں نہیں شینے میں اس کہنے کو ڈھونڈ کر ایسی موت دوں گا کہ اس کی سات نسلیں کالے جادو سے توبہ کر لیں گی اس کی اتنی ہمت کہ میری شینے پر بری نظر ڈالے اور اسے تکلیف پہنچائے میں کل ہی جاؤں گا اور اس کا اتنا پتا معلوم کر کے اسے ختم کرنے کا کوئی منصوبہ ترتیب دوں گا تم پریشان مت ہو جب تک میں زندہ ہوں تمہیں گھبرانے کی بالکل ضرورت

نہیں ہے بس تم رو بانے کرو تمہیں پتہ ہے میں تمہاری آنکھوں میں آنسو بالکل نہیں دیکھ سکتا کمال بھی شینے کی طرح نکاری سے کام لے رہا تھا اچھا شینے جب تک تم آرام کرو میں قبرستان میں ایک کام نہ کرنا بھی نہیں آتا ہوں پھر تم مجھے کوئی مشورہ دینا کہ میں کیا منصوبہ بندی کروں جس سے عابد شاہ کو آسانی سے ختم کیا جا سکے کمال نے شینے کے گالوں کو سہلاتے ہوئے اس سے اجازت چاہی تو شینے نے انکیت میں سر ہلادیا کمال اپنا سامان اٹھائے جو بیڑی سے باہر نکلا اور سیدھا قبرستان کے بچوں کے بنے اس پرانے کتوں پر پہنچ گیا جب کمال چھوٹا ہوا کرتا تھا تو کمال کے باپ نے اس کو کتوں کو بند کر دیا تھا کیونکہ اس کا پانی سوکھ چکا تھا اور یہ کسی کام کا نہیں رہا تھا لیکن آج وہی بھگڑ کتوں کمال کے لیے بڑے کام کی چیز تھا کمال نے پہلے اور گنتی نکال کر کتوں کو پھر سے کھودنا شروع کر دیا اور شام ہونے سے پہلے کتوں کو قند آدم سے دھکا دھکا کر دیا اور پھر مری کی مدد سے باہر نکل کر وہی جگہ پہنچ کر باہر نکل کر کمال نے اور گردی گھاس پھوس اٹھ بہت سی لکڑیاں جمع کر کے اس کو کتوں کے اندر ڈال دیں سب سے پہلے گھاس پھوس کی تہ بنی اس کے اوپر مٹی مٹی لکڑیاں اور پھر آخریں دوبارہ گھاس کی تہ بچھادی۔

اس طرف سے قند آہ ہونے کے بعد کمال ایک پرانے درخت کی طرف چل پڑا وہاں پہنچ کر وہاں نے بابا عابد کا دیا ہوا دی تو بیڑی اٹھایا اور پھر واپس کتوں پر آ گیا وہ تو بیڑی کمال نے کتوں کی دائیں جانب موجود ایک درخت کی پٹی شاخ سے باندھ دیا اور ایک باجس کی ڈبیا بھی وہیں جھاریوں میں چھپا دی۔ شینے بھی ایک جو بیڑی کے اندر ہی گئی کیونکہ دن کے وقت سے کسی کے دیکھ لینے کا خطرہ رہتا تھا اس لیے وہ دن کے وقت احتیاط سے کام لینے ہوئے جو بیڑی کے اندر ہی رہتی تھی یہاں سے فارغ ہونے کے بعد کمال تھکوت سے چور بدن لیے جو بیڑی میں پہنچ گیا اس کا منصوبہ مکمل ہو چکا تھا اب صرف اس پر عمل کرنا باقی تھا کمال

آج خمر ہے تم صبح سے کن کاموں میں لگے ہوئے ہو۔
کمال جھونپڑی کے اندر پہنچا تو شبینہ نے اسے عجیب
نظروں سے گھورتے ہوئے سوال کیا۔ بس شبینہ گاؤں
کے سرچنگ نے ایک کام ڈے لگایا تھا وہی مکمل کر رہا تھا
ہٹوڑا مجھے لپٹنے دو بہت تھک گیا ہوں رات کو جب باہر
نکلے گئے تو تمہیں دکھا دوں گا کہ میں نے کتنا کام کیا
ہے آج کمال نے چار پائی پرلٹی شبینہ کو ایک طرف
ہونے کا اشارہ کیا اور چار پائی پر ڈھیر ہوتے ہی
آنکھیں موند لیں۔

چہ نہیں آج تمہارا رویہ اتنا عجیب سا کیوں
 ہے؟ کیا گاؤں میں کسی نے کچھ کہہ دیا ہے تم سے؟
 شینہ کے چہرے پر پریشانی کے آثار نمایاں تھے وہ
 کمال کو چھٹی نظروں سے ٹول رہی تھی کمال نے شینہ
 کی اس بات کا کوئی جواب نہ دیا اور آنکھیں موندے
 خاموش پڑا رہا۔ رات کے کسی پہر کمال کی آنکھ کھلی تو
 شینہ ابھی تک جاگ رہی تھی کمال خاموشی سے اٹھا اور
 گھڑے سے پانی کا گلاس بھر کپینے لگا اور پھر دوسرا
 گلاس بھر کے اچانک دھو لیا گلاس واپس گھڑے پر
 رکھے اس نے شینہ کی طرف دیکھا تو وہ چہرے پر
 بیزاری لیے اسے گھورے جا رہی تھی۔ ارے میری شبو
 تم ابھی تک منہ پھلائے بیٹھی ہو وہ دراصل شام کو میں
 بہت تھکا ہوا تھا اس لیے تمہاری بات کا صحیح سے
 جواب نہیں دے سکا مجھے معاف کر دو آئندہ تمہیں
 شکایت کا موقع نہیں ملے گا یہ آخری جملہ بولتے وقت
 اس نے شینہ کو دیکھا۔ اگلا کیا اور کمال کے چہرے پہ
 عجیب سی مسکراہٹ تھی۔ آئندہ مجھے نظر انداز تو نہیں
 کرو گے نا؟

شبینہ نے نغوت سے سوال یہ نہیں میری جان
 آئندہ کبھی ایسا نہیں ہوگا کمال نے دونوں ہاتھ
 کانوں کو لگاتے ہوئے جواب دیا۔ تو شبینہ نے اس کی
 کمر پر ایک چپٹ لٹکانی اور پھر اسے گلے سے لگا لیا اچھا
 اب میچوڑ دھبی جلو باہر چل کر کھلی ہوا میں سانس لیتے
 ہیں اور تمہیں آج کا اپنا کام دکھا تا ہوں کمال خود کو

شبینہ کی نرم بانہوں سے آزاد کراتے ہوئے کھڑا ہو گیا اور اس کا ہاتھ تمام کردروازے کی طرف رخ کر لیا، کمال جان بوجھ کر شبینہ کو ادھر ادھر گھما پھرا کر باتوں کے دوران کبھی کبھی اسے کندھوں سے پکڑ کر دھکا دیتا اور پھر جھٹ سے تمام لیتا شاید وہ شبینہ کو ذہنی طور پر تیار کر رہا تھا کہ آج وہ مذاق کے موڈ میں ہے یا پھر وہ یہ دیکھنا چاہ رہا تھا کہ میرے دھکا دینے پر شبینہ کس انداز سے جھنجھلائی ہے تاکہ جب وہ شبینہ کو دھکا دے تو شبینہ پر ایسے طریقے سے قابو پا سکے، کمال یہ نہیں آج تم اتنی عجیب حرکتیں کیوں کر رہے ہو شبینہ جھنجھلاہٹ کا شکار ہو چکی تھی۔

ارے شبنم تم پہ نہیں کیا کیا سوچتی رہتی ہو اگر
میں تمہارے ساتھ مستی نہیں کروں گا تو کیا اس قبرستان
کے مردوں کے ساتھ کروں گا میں تو تمہیں خوش رکھنے
کی کوشش کر رہا ہوں تاکہ تم میرے شام والے رویے کو
بھول سکو چلو میں تمہیں دکھاتا ہوں کہ آج سارا دن میں
نے کیا کام کیا ہے، ہاں چلو میں بھی تو دیکھوں کہ آخر
ایسا کون سا کام تھا جو مجھ سے بھی زیادہ ضروری تھا شبنم
نے خُخرے سے منہ بناتے ہوئے جواب دیا تو کمال
اسے دیکھ کر مسکرایا دونوں چلتے چلتے اسی پرانی کنویں
کے پاس پہنچ گئے اور کنارے پہ کھڑے ہو کر نیچے
جھانکنے لگے۔ اندھرا ہونے کی وجہ سے وہاں موجود
گھاس پھوس کا ذہیر بالکل نظر نہیں آ رہا تھا یہ دیکھو
شبنم گاؤں کے سرچش نے اس کنویں کو کھود کر دوبارہ
بحال کرنے کا کام میرے ذمے لگایا تھا اور ابھی بھی
بہت سارا کام باقی ہے ہائے کمال اتنا سارا کام تم نے
کیلے کیا تم کتنا تھک گئے ہو نا اور میں ہوں کہ بلا وجہ تم
سے ناراض ہو رہی تھی۔ شبنم کے چہرے پر شرمندگی
کے آثار ابھر آئے کوئی بات نہیں میری جان تم میری
ماری تھکن اتار دینا کمال نے شبنم کی پشت سے چپک
کر اپنے دونوں ہاتھ اس کی چھائی کے اوپر رکھ دیے اور
پتا چہرہ اس کی گردن اور کاندھے کے بیچ کھینچ کر بدن
کی خوشبو اپنے اندر سمونے لگا تب نہ جانے کس طرح

اس نے اپنی گردن پیچھے کی طرف موڑی اور ایک نظر تعویذ پر ڈال کر دوسری نظر جھانپوں میں چھپی ماچس کی ڈیپ پرا ڈالی۔۔۔ اسی دوران کمال اپنے دونوں ہاتھوں سے شبینہ کے گالوں کو سہلانے لگا تو مزے کی شدت سے سسکاریاں بھرتی شبینہ نے اپنی آنکھیں موندھ لی قبرستان کا گہرا سناٹا ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا آسان پرا دھورا چاند ایسے میں آنکھیں بند کر کے کھڑی شبینہ کے منہ سے نکلتی جنسی سسکاریاں اور آہیں عجیب منظر پیش کر رہی تھی۔ شبینہ نے دھیرے سے اپنا ایک ہاتھ کمال کے چہرے پر رکھا اور بے خودی کے عالم میں اس کا چہرہ سہلانے لگی بھی کمال نے اپنے بائیں ہاتھ سے شبینہ کے کندھوں کو دبانا جاری رکھا اور دائیں ہاتھ سے اس کا ہاتھ پکڑ کر ایسے ہونٹوں پر لگایا کمال شبینہ کی انگلیاں چوس رہا تھا کہ بھی شبینہ کو لذت میں ڈوبا پا کر اس نے بڑی بھرتی سے اپنا دایاں ہاتھ درخت کی شاخ کی طرف بڑھا کر وہ تعویذ اتارا اور ایک جھٹکے سے اسے شبینہ کی گردن میں ڈال کر اس کی ڈوری کو کس دیا جس لمحے کمال نے تعویذ کو ہاتھ لگایا بھی شبینہ کو ایک جھٹکا سا لگا اور اس نے کمال سے دور ہونے کی کوشش کی مگر کمال نے بڑی مضبوطی سے اس کا سینہ جکڑ کر رکھا تھا اور بھی اس کا دوسرا ہاتھ کمال نے دانتوں میں دبایا، کمال کی حرکت اتنی تیز تھی کہ شبینہ کو کھینچنے تک کا موقع نہ ملا اور وہ تعویذ اس کی گردن میں پیچھ گیا تعویذ غلے میں پیچھے ہی شبینہ نے ایک زوردار چیخ ماری اور بدک کر کمال سے دور ہو گئی شبینہ چیخیں مارتے ہوئے کمال کی طرف پلٹی در غصے سے انگارہ ہوتی ہوئی آنکھوں سے گھورنے لگی۔ اس دوران وہ اپنی گردن میں بندھی ڈوری کو پکڑ کر یوں کھینچ رہی تھی جیسے کسی نے کوئی دھکی تار اس کی گردن کے گرد سے لپیٹ دی ہو اس کے پورے بدن سے جھلماسی نکلنے لگیں اور ارد گرد دھواں سا پھیلنے لگا۔ جسم کے گرد پھیلنے دھوئیں کی پلشیں جوں ہی جسم سے دور جانے لگی ایک جھٹکے کے ساتھ یوں داپس جسم میں سوجا تیس جیسے کوئی اس دھوئیں کو پکڑ کر اداس شبینہ کے

انمول موتی

دُرود..... صرف اللہ سے۔

لڑو..... صرف برائی ہے۔

مرد... صرف اللہ کی راہ میں۔

کرو.....صرف نیک کام۔

چلو..... صرف سیدھے راستے پر۔

ہنسو..... صرف اچھے کام پر

بڑھو..... صرف نیکی کی طرف۔

آؤ..... صرف اللہ کے گھر میں۔

بتاؤ..... صرف چکی باتیں۔

پھیلاؤ..... صرف خیر کی خبریں۔

(نگہت غفار..... کراچی)

جسم میں دھکیل رہا ہو کمال نے شہید کو بے بس پا کر ایک زوردار لات مار کر اس کو کنویں میں دھکیل دیا کنویں میں گرنے کی دیر بھی کہ شہید کی چیخیں کسی خوفناک جانور کی دھانڈوں میں بدل گئیں اور شہید کنویں کے اندر ادھر ادھر اچھل کر رہنے لگی۔ کمال نے کنویں کے اندر جھانکا تو شہید اتنی زور زور سے اچھل رہی تھی کہ کمال کو اس بات کا اندیشہ ہونے لگا کہ کہیں وہ اچھل کر کنویں سے باہر ہی نہ آ جائے تبھی کمال پھرتی سے جھازیوں کی طرف بڑھا اور اندھیرے میں جھازیاں ٹٹول کر باجس کی ڈوبا نکالی اس نے کانٹے ہاتھوں کے ساتھ تیزی سے باجس کی ڈوبا کھولی اور ایک تیلی نکال کر سلاگلی تیلی سلکتے ہی اس نے تیزی سے اسے کنویں کے اندر ڈال دیا مگر یہ کیا تیلی تو کنویں کے اندر جانے سے پہلے ہی بجھ چکی تھی یہ دیکھ کر کمال نے ہانکوں کی طرح اپنی گردن کو ادھر ادھر حرکت دی اور آپس پاس بڑی چیزوں پر نظر ڈال کر کوئی تدبیر سوچنے لگا تبھی کمال کو ساتھ وہاں کی حالت حال قبروں کی مٹی میں دھنسا ایک سفید کپڑا نظر آیا جو غالباً کسی مردے کا کفن تھا اور قبر کشائی کے دوران



تبت سنو

میری چلد نرم و ملائم
ریشم کی طرح



تبت سنو ایشیا کی مشہور ترین بیوٹی کریم

TS-58-2024

راستے کی طرف چل پڑا قبرستان سے باہر نکلے ہی اس نے اپنا رخ عابد شاہ کے گاؤں کی طرف موڑ لیا اس راستے پر چلتے ہوئے کمال کو اپنا وجود ہلکا بھلکا محسوس ہو رہا تھا اور زبان پر اللہ اکبر، اللہ اکبر، کے الفاظ رواں تھے یہ الفاظ دہراتے ہوئے اچانک اس کے ذہن میں ایک سوچ آئی اور پھر اس کا دل گھٹنے لگا اس کے جسم پر کچھ سی طاری ہو گئی اس کی سبب اس کے ذہن میں آنے والی یہ سوچ تھی کہ وہ کیا مسلمان ہے جسے اپنے اللہ کو یاد کرنے کے لیے ان دو الفاظ کے علاوہ کچھ بھی نہیں آتا وہ کس قدر گنہگار اور بد بخت ہے جسے مسلمان ہونے کے باوجود کلمہ تک نہیں آتا شینہ والے واقعے کو پانچ سال گزر چکے تھے کمال اب پہلے والا کمال نہیں رہا تھا اس کی زندگی تو یکسر بدل چکی تھی، اب اس کا چہرہ سر پر موجود لمبی زلفیں اور گھنی داڑھی سے سج چکا تھا اب وہ حافظ کمال ہونے کے ساتھ ساتھ بابا عابد کے گاؤں کی مسجد کا امام بھی بن چکا تھا، اس صبح جب کمال گاؤں پہنچا تو بابا عابد نے اس کا پر تپاک استقبال کرتے ہوئے اسے اپنے سینے سے لگا لیا اور اسے اسی دن سے اپنی شاگردی میں لیتے ہوئے کمال کی خواہش یہ سب سے پہلے اسے کلمہ طیبہ پڑھنا سکھایا اور پھر اگلے تین سالوں میں اسے حافظ قرآن بنا دیا۔۔۔۔۔ قرآن پاک کا۔۔۔ حفظ مکمل کرتے ہی عابد شاہ نے اس کی شادی گاؤں کی ایک انہائی خوبصورت لڑکی سے کروادی جو کہ حافظ ہونے کے ساتھ ساتھ عالمہ بھی تھی چند مہینے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو چاند سے بنے سے بھی نواز دیا تھا۔ مسجد سے منسلک حافظ کمال کا گھر تو مانو جیسے جنت کا ایک ٹکڑا بن چکا تھا ایک طرف کمال مسجد میں بچوں کو دینی تعلیم دیتا تھا تو دوسری طرف گھر میں موجود اس کی بیوی فاطمہ گاؤں کی بچیوں کو دینی تعلیم کے زور سے آراستہ کر رہی ہوتی تھی۔



انہوں نے اسے سیکس پھینک دیا تھا کمال تیزی سے اس قبر کی طرف بڑھا اور اس کفن کو اپنے دونوں ہاتھوں سے تمام کر ایک زوردار جھٹکا لگا لگا تو آدھا کفن پھٹ کر اس کے ہاتھ میں آ گیا وہ تیزی سے کنویں کی طرف پلٹا تو پورا قبرستان شینہ کی خوفناک چیخوں اور گڑگڑاہٹ سے گونج رہا تھا کنویں کی منڈیر پر پہنچتے ہی اس نے دوبارہ مارجس کی تیلی سلگائی اور کفن سے لگا دی جلتی ہوئی تیلی کفن سے نکلنے کی دیرھی کے بوسیدہ کپڑے نے فوراً آگ پکڑ لی۔

جب کمال کو یقین ہو گیا کہ اب یہ آگ نہیں بجھے گی تو اس نے فوراً اسے کنویں میں پھینک دیا سوکھی گھاس پر چنگاری گرنے کی دیرھی کہ بھک کی آواز سے پورا کنواں آگ کی لپٹوں سے روشن ہو گیا۔ کمال کنویں سے ذرا فاصلے پر کھڑا ہو گیا اور شینہ کی موت کا نظارہ کرنے لگا شینہ چپٹیں مارتی اور پھر اچھل اچھل کر کنویں کی دیواروں سے اس قدر زور سے ٹکراتی کہ دھب دھب کی آواز دور تک سنائی دیتی چند منٹوں تک خوفناک چیخوں اور اچھل کود کا سلسلہ جاری رہا اور پھر خاموشی چھا گئی کمال کی نظریں اب بھی کنویں سے نکلتی آگ کی لپٹوں پر جمی ہوئی تھیں ان لپٹوں کی طرف دیکھتے ہوئے اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کا پورا ماضی بھی ان آگ کی لپٹوں میں جل کر تبسم ہو رہا ہے، قبرستان کے خاموش سناٹے میں اب صرف چیخوں کی آواز گونج رہی تھی پچھلے کئی گھنٹوں سے کمال وہیں بیٹھے بیٹھے اس کنویں کو مگھورے جارہا تھا جس سے آگ کی لپٹیں اب خفیف دھوئیں میں تبدیل ہو چکی تھیں تبھی اللہ اکبر، اللہ اکبر، کی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی جو غالباً قبرستان سے کافی فاصلے پر موجود چھوٹی سی بستی سے آرہی تھی اس آواز کو سننے ہی کمال چونکا اور پھر کنویں سے اپنی نظریں ہٹا کر آسمان کی طرف دیکھنے لگا صبح صادق کا وقت ہو چکا تھا ایک بھر پور ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور قبرستان سے باہر نکلنے والے